

أسبوع الشيخ محمد بن عبد الوهاب

شيخ الإسلام

محمد بن عبد الوهاب

تأليف

أحمد عبد الغفور عطار

ترجمة

الشيخ محمد صادق خليل



من منشورات
جامعة الإمام محمد بن سعود الإسلامية
المملكة العربية السعودية
الرياض

الطبعة الثالثة

١٣٩٩هـ - ١٩٧٩م



أسبوع الشيخ محمد بن عبد الوهاب

شيخ الإسلام
محمد بن عبد الوهاب

تأليف
أحمد عبد الغفور عطّار

ترجمة
الشيخ محمد صادق خليل



من منشورات
جامعة الإمام محمد بن سعود الإسلامية
المملكة العربية السعودية
الرياض

الطبعة الثالثة

١٣٩٩هـ - ١٩٧٩م

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مندرجات

۵

تصدیر

مغل حکمران جلال الدین محمد اکبر کا دور مسلمانانِ برصغیر کے سیاسی عروج کا دور ہے۔ جاہ و جلال اور قوت و شوکت کے لحاظ سے ہندوستان تو کجا دنیا کی تاریخ میں ایسی مثالیں کم ملتی ہیں۔ لیکن دوسری طرف یہ سراسر الحاد و زندقہ کا دور تھا۔ ملّا مبارک اور اس کا خانوادہ اکبر پر اسی طرح چھایا ہوا تھا جس طرح احمد بن ابی داؤد مامون عباسی پر حاوی تھا۔ اکبر کو یہ بات ذہن نشین کرائی گئی کہ اسلام کے آغاز کو ہزار سال ہو جانے کے باعث اب یہ دین اپنی عمر پوری کر چکا ہے اور ایک نیا دین وقت کا تقاضا ہے۔ جب علماء ایک جاہل بادشاہ کو ایسے مشورے دیں تو پھر اس کے بے مہار ہو جانے میں کون سی رکاوٹ باقی رہ جاتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دین الٰہی وجود میں آ گیا۔ اکبر ظل الٰہی بن گیا، سورج اور سور کی پرستش شروع ہو گئی۔ گاؤ کا ذبیحہ بند کر دیا گیا، مساجد مسمار ہونے لگیں، مندر آباد ہونے لگے اور حکومت کی جابرانہ قوت کے بل پر ایک نئے دین کا ڈنکا بجنے لگا۔

جس طرح مامون اور احمد بن ابی داؤد کے منحوس اتحاد کو امام اہل سنّت احمد بن محمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے بے سروسامانی کی شان سے للکارا تھا، اسی طرح اکبر، ابو الفضل اور فیضی وغیرھم کے حرص و ہوا پر مبنی وفاق پر حضرت شیخ احمد سرہندیؒ نے کاری ضرب لگائی۔ ان کی بھرپور جدوجہد کے باعث نورالدین محمد جہانگیر کے عہد میں اگرچہ یہ فتنہ دب گیا لیکن اسلامی علوم و معارف کی بے سروسامانی میں کوئی فرق نہ آیا۔ کیونکہ برصغیر میں اسلامی تہذیب و تمدن پوری طرح جاگزیں نہ ہو سکا تھا۔ اسلام جو ایک مکمل ضابطہ حیات ہے صرف کتابوں کے اوراق تک محدود تھا۔ عوام عموماً ہندومت سے تائب ہو کر صوفیا کے توسط سے مسلمان ہوئے تھے لیکن تبدیلی مذہب سے ان کی معاشرت میں کوئی نمایاں فرق رونما نہیں ہوا تھا۔ اگر پہلے وہ مندروں میں بتوں کے سامنے سربسجود تھے تو اب مقابر سجدہ گاہ بن گئے۔ پہلے دیوتاؤں کے سامنے دست دعا دراز کیا جاتا تھا تو اب صوفیا اور پیروں سے مرادیں مانگی جانے لگیں۔ احکام اسلام کی پابندی اور اعمال حسنہ کی کوئی اہمیت نہ تھی بلکہ روحانی مدارج تزکیہ، وظائف، قبروں پر چلہ کشی اور مرشد کی توجہ کے محتاج ہو کر رہ گئے۔ سرکاری زبان فارسی ایران سے

درآمد شدہ تھی جہاں شیعہ حضرات برسر حکومت تھے اور ہمایوں کے باعث ہندوستان میں بھی شیعیت کی بنیادیں مضبوط ہو چکی تھی۔ عربی سے چند لوگ ہی آشنا تھے اور انہوں نے جاہل عوام کو بھیڑوں کا گلہ بنائے رکھنے کیلئے عربی میں موجود اسلامی علوم پر اپنی اجارہ داری قائم کر رکھی تھی۔ ملکی زبان میں کتاب وسنت کے نہ تراجم تھے نہ شروحات۔ لوگ کبھی کبھی قرآن کی تلاوت کرتے تھے لیکن اس میں لکھا کیا ہے؟ اس سے سراسر ناآشنا تھے۔

تقلید وجمود کی بندش اس قدر مضبوط ہو چکی تھی کہ ایک مناظرے میں خواجہ نظام الدین اولیاءؒ نے اپنی تائید میں جب ایک روایت بطور استدلال پیش فرمائی تو ہندوستان کا سب سے بڑا فقیہہ رکن الدین خواجہ صاحب سے کہا میں بھی مقلد ہوں اور آپ بھی مقلد ہیں۔ اس لئے حدیث کی کیا ضرورت ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کا قول پیش فرمائیے (تاریخ فرشتہ) جس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ تقلید جامد نے حواس اس قدر معطل کر رکھے ہیں کہ حدیث رسولؐ کو پرِ کاہ کی حیثیت نہیں دی جاتی اور اس کے مقابلے میں قول امام طلب کیا جاتا ہے۔ جب حالات اس قسم کے ہوں اور خدا کو اپنے دین حقہ کی حفاظت منظور ہو تو پھر مجدد آیا ہی کرتے ہیں۔ جس طرح نجد وحجاز میں شیخ الاسلام محمد بن عبد الوہابؒ کا ظہور ہوا بعینہ اسی طرح ہندوستان میں حضرۃ الامام شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ منظر عام پر آئے۔ فرق صرف یہ ہے کہ شیخ الاسلامؒ کی دعوت یک بیک ظاہر ہوئی جبکہ شاہ محمد اسماعیلؒ کی دعوت کا بیج حضرت شیخ احمد سرہندیؒ نے بویا تھا۔ یہ پہلی شخصیت ہے جس نے ہندوستان میں غلط صوفیانہ افکار اور عقائد و اعمال کی تردید کے ساتھ ساتھ جمود پر کاری ضرب لگائی اور تجدید واحیاء دین کی تحریک شروع کی۔ ابتدا میں یہ تحریک علمی اور اصلاحی تھی لیکن علماء سوء اور انگریزوں نے اسے مجبوراً سیاست میں دھکیل دیا۔ سکھوں کی حماقت نے اتقیاء کی اس جماعت کو مجبور کر دیا کہ وہ جنگ کی آگ میں کود یں۔ پھر گمراہ کن فتووں کی سیاہی نے ملت کے چہرے کو اس قدر بدنما کر دیا کہ اسے دھونے کیلئے خونِ شہادت کے علاوہ پانی کے تمام ذخیرے بے کار ہو گئے۔ مستعار وہابیت کی تہمت نے ذہن ماؤف کر دیئے۔ الحاد کا گرد ان پر اس قدر جم گیا کہ اسے صاف کرنے کیلئے صرف شہداء کا مقدس خون ہی کارآمد ہو سکتا تھا۔

چنانچہ ۶ مئی ۱۸۳۱ء کی صبح کو سید احمدؒ اور شاہ اسماعیلؒ کی قیادت میں برصغیر کے منتخب صلحاء اور داعیان تجدید واحیاء کی مقدس جماعت انتہائی کوشش اور ممکن تیاری کے ساتھ بالاکوٹ کے میدان میں اتری اور دوپہر سے پہلے پہلے صداقت کے انمٹ نقوش دنیا کی پیشانی پر ثبت کر کے ہمیشہ کی نیند سو گئی۔

حضرۃ الامام شاہ محمد اسماعیل رحؒ کی شہادت و عبقریت نے اس تحریک کو نظریات و تصورات کی دنیا سے میدانِ عمل میں لا کر کھڑا کر دیا۔ اشارات و تعریفات کو تصریحات سے بدل دیا۔ جو کچھ کتابوں کے اوراق کی زینت تھا اسے بالاکوٹ کے میدان میں علیٰ رأس التمام رکھ دیا۔ دشمن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بتا دیا کہ حق و صداقت اور ایثار و قربانی کے جوہر مناظرات و مکالمات ہی سے ظاہر نہیں ہوتے بلکہ ان کے ظہور کا بہت بڑا ذریعہ تلوار اور میدانِ جنگ ہے۔ قلم اور دوات سے کہیں زیادہ قوتِ گویائی خونِ شہادت کے چھینٹوں میں ہے۔

جماعت اسلامی کے بانی مولانا ابو الاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں :-

"یہ کہا جا سکتا ہے کہ صحیح معنوں میں اسلامی جہاد سرزمینِ ہند پر ایک ہی مرتبہ ہوا اور یہ وہی جہاد تھا جس کے امیر حضرت سید احمد بریلویؒ اور سپہ سالار حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ تھے۔ پہلے کی لڑائیاں نہ تو خالصاً للہ تھیں۔ نہ ان کی تہہ میں خالص اسلامی سیرت تھی نہ ان میں اسلامی قوانینِ جنگ کی پوری پابندی کی گئی اور نہ ان کے نتیجہ میں خلافتِ الٰہیہ کبھی یہاں قائم ہوئی۔ اس لئے کہ وہ لڑائیاں تھیں جہاد فی سبیل اللہ نہ تھیں۔ لیکن پوری بارہ سو سال کی تاریخ میں یہ دو اللہ کے بندے ایسے نظر آتے ہیں جنہوں نے تمام نفسانی اور ملکی اغراض سے اور تمام جاہلی تعصبات و خواہشات سے پاک ہو کر صرف اس لئے جنگ کی کہ خدا کی زمین پر خدا کا قانون جاری ہو۔"

اگرچہ شاہ اسماعیلؒ جامِ شہادت سے سرفراز ہو کر خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ تاہم ان کا مشن پوری سرگرمی سے جاری رہا اور شیخ الکل سید محمد نذیر حسین محدثؒ۔ نواب صدیق حسن خانؒ۔ مولانا ولائیت علی صادقپوریؒ اور دوسرے اکابر نے تجدید و احیاء دین کیلئے اس جانفشانی سے کام کیا، کہ علامہ رشید رضا مصریؒ جیسے اکابر یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ ہم ہندی علماء حدیث کے ممنون ہیں جن کی مساعی جمیلہ سے اُمت دوبارہ سنت کے چشمۂ صافی کی طرف متوجہ ہوئی اور سید سلیمان ندوی یہ کہتے نظر آئے کہ اس تحریک کی بدولت مدتوں کا زنگ صاف ہو گیا اور حقیقت یہ ہے کہ "اختتم الاجتهاد على العلامة السنفي صاحب الكنز" کا فیصلہ انہی کی مساعی سے کالعدم ہوا اور امت اپنے قوانین کے ایک اہم ترین ماخذ یعنی اجتہاد سے ایک مرتبہ پھر روشناس ہوئی۔

تجدید و احیائے دین کی یہ تحریک نتیجہ تھا ان عوامل کا جن کا ذکر ہم اختصار کے ساتھ کر چکے ہیں۔ حضرت مجددؒ نے بادشاہوں، پیروں اور قبروں کو سجدہ کرنے والے معاشرے میں آوازہ

توحید بلند کیا تو گوالیار کے قلعے کی سنگین چار دیواری میں اس آواز کو گم کر دینے کی کوشش کی گئی لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ خود جہانگیر کو اپنے باپ کے عقائد و اعمال سے بیزاری کا اظہار کر کے مجدّد صاحب کا دامن تھامنا پڑا۔ شاہجہان بھی حنفی العقیدہ فرمانروا تھا لیکن وہ خالص مسلم مملکت کے قیام کی جانب کوئی قدم نہ اٹھا سکا۔ محی الدین اورنگ زیب عالمگیر نے اس سرزمین میں اپنی دانست کے مطابق پہلی بار قوانین الٰہیہ کے نفاذ کی جانب عملی قدم اٹھایا لیکن وہ بہرحال علماء کا ہی محتاج تھا اور علماء بھی ایسے کہ جنہوں نے فتاویٰ عالمگیری جیسی عظیم دستاویز کی ترتیب و تسوید میں اگرچہ سینکڑوں ماخذوں سے مدد لی لیکن حدیث کی ایک بھی کتاب اس فہرست میں نہیں ہے۔ گویا یہ ایک غیر فطری کوشش تھی۔ قرآن و سنت سے اغماض کر کے محض فقہ پر انحصار کر کے اسلامی مملکت قائم نہیں کی جا سکتی۔ مزید برآں عالمگیر نے چونکہ قرآن و سنت کے علوم عام کر کے عوام کو آئین اسلامی کیلئے پہلے سے تیار نہیں کیا تھا۔ اس لئے اس نے سنگلاخ چٹانوں پر بغیر ہل چلائے۔ بیج ڈال دیا اور بار آور ہونے کی امید کی۔ پھر بھی شائد عوام اس صورت حال سے سمجھوتہ کر لیتے لیکن اس کے جانشین اولوالعزم اور مدبر نہ تھے۔ بہادر شاہ اوّل باپ کی خوبیوں سے تہی دست ہونے کے ساتھ ساتھ شیعہ بھی تھا جس نے باپ کی اکاون سالہ محنت ملیامیٹ کر دی۔ بعد کے مغل بادشاہوں کی کوتاہ نظری اور تعیش نے جلد ہی اس عظیم مملکت کا بیڑہ غرق کر دیا۔ سیاسی زوال کے ساتھ ساتھ مسلمان علمی طور پر بھی (اگرچہ وہ پہلے بھی جاہل تھے) پستی میں چلے گئے۔ یہ صورت حال اوہام و توہم پرستی کو جنم دیتی ہے۔ اہل ہوس کا کاروبار چل نکلتا ہے۔ تصوف کے لبادے میں شیطان جال پھیلا دیتا ہے اور جہلاء قند کے شبہے میں زہر ہلاہل نگلنے لگتے ہیں۔ برصغیر میں تمام ہندوانہ اور آتش پرستانہ رسوم کو سندِ جواز عطا کر دی گئی۔ مساجد اُجڑنے لگیں اور مقابر مزین ہوتے گئے۔ شریعت کا احترام اٹھنے لگا اور شعائر اسلامی کا مذاق اڑنے لگا۔ اعمالِ صالحہ کی اہمیت کم ہونے لگی اور کشف و کرامات کا بازار گرم ہوتا گیا۔ توحید کا تصور مٹنے لگا اور شرک کی تمام اقسام روبہ عمل آنے لگیں۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے افکار شجر ممنوعہ ہو گئے اور محی الدین ابن عربیؒ شیخ اکبر بن گئے۔

اس بھیانک صورت حال میں اگرچہ اہل حق بھی موجود رہے مثلاً شاہ ابو اسحٰق لہراویؒ۔ شیخ محمد طاہر پٹنیؒ۔ شاہ محمد فاخر زائرالٰہ آبادیؒ۔ مگر اقصائے ہند میں ان کی حیثیت ٹمٹماتے ہوئے چراغوں کی سی تھی اور صورتِ حال اس بات کی متقاضی تھی کہ کوئی بدر منیر طلوع ہو جو کفر و شرک کی

تاریکی دور کرے۔ پھر جس طرح طرابلس میں شیخ احمدؒ سنوسی، مشرق وسطیٰ میں سید جمال الدینؒ افغانی اور نجد و حجاز میں شیخ محمد بن عبدالوہابؒ بن سلیمان تمیمی نے بھٹکتی ہوئی انسانیت کو معبود حقیقی کے دامن سے وابستہ کرنے کی کوشش کی اسی طرح ہندوستان میں حضرت سید احمد شہیدؒ اور شاہ محمد اسماعیلؒ نے خالق و مخلوق کا رشتہ از سر نو جوڑنے کی کوشش کی۔ چونکہ ان تمام بزرگوں نے تقلید جامد کے خلاف آواز اٹھائی۔ تجدید و احیاء دین کیلئے براہ راست کتاب و سنت سے تمسک کی اہمیت اُجاگر کی۔ اس لئے سرچشمہ ایک ہونے کے باعث ان کے نظریات و اعتقادات میں کئی امور باہم مشترک ہیں اور یہی وہ نقطہ ہے جسے انگریزوں اور بریلوی حضرات نے خوب اچھالا ہے۔ نجد کے شیخ نے چونکہ عبا و قبور کے خلاف جہاد کر کے یہ شرکیہ مقامات منہدم کر دیئے تھے۔ اس لئے ہند کے قبر پرستوں کو بھی شاہ اسماعیلؒ کی کامیابی مقابر کے انہدام پر منتج ہوتی نظر آئی۔ انہوں نے عوام الناس کو بتایا کہ سفر جہاد کیلئے رخصت ہوتے وقت شاہ صاحب نے دہلی میں فرمایا تھا کہ اس مہم سے فارغ ہو جاؤں تو خواجہ نظام الدینؒ کی خانقاہ کو بھی گراؤں گا۔ اگر انہوں نے یہ کہا تھا تو غلط نہیں تھا کیونکہ خود جناب رسول اکرمؐ نے حضرت علیؓ کو حکم فرمایا تھا کہ جو قبر زمین سے اونچی نظر آئے اسے مسمار کر کے زمین کے برابر کر دو۔ لیکن عبا و قبور کو رسولؐ اللہ اور ان کے احکام سے کیا واسطہ؟۔ ان کی تو معیشت ہی قبور سے وابستہ تھی اس لئے انہوں نے پورے زور و شور سے شہید بالاکوٹ کو بدنام کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ انگریز کو نجد کے مجاہدین سے اس واسطے دشمنی تھی کہ یہ لوگ انگریزوں کے استعمارانہ عزائم کی تکمیل میں روکاوٹ بنے ہوئے تھے۔ انہیں سلطنت عثمانیہ کی کمزوری کے بعد عالم عرب سے ایک اور قوت ظاہر ہوتی نظر آرہی تھی اس لئے انہوں نے نجد کے موحدین کو ہند اور دیگر ممالک میں وہابی کہہ کر بدنام کیا اور بریلوی حضرات نے ہند کے مجاہدین کو افکار کی یکسانیت کے باعث وہابی مشہور کر دیا اور کہا کہ سفر حج کے دوران سید احمدؒ اور شاہ اسماعیلؒ نے وہابی عقائد ہندوستان سمگل کئے ہیں۔ ہمارے بعض محققین کو اصرار ہے کہ ایسی کوئی بات نہیں ہوئی لیکن ہم دونوں تحریکوں میں اشتراک و تعاون سرے سے موجود نہ ہونے کے قائل نہیں ہیں۔ انقلابی لوگ عموماً دنیا بھر میں اپنے جیسی تحریکوں سے اخذ و استفادہ کرتے رہتے ہیں۔ سید احمدؒ اور شاہ اسماعیلؒ ۱۸۲۲ء میں حج کیلئے گئے تھے اور اس سال کے حج کا اجتماع عظیم تاریخی اہمیت کا حامل ہے کیونکہ اس میں سید احمدؒ۔ شاہ اسماعیلؒ

مولانا عبدالحیؒ ۔ بنگال کے تیتو میرؒ رحمٰن کی تحریک جلد ہی حاجی شریعت اللہ کی تحریک میں جذب ہوگئی، اور مراکش کے سنوسی الکبیرؒ موجود تھے ۔سماٹرا کی وہابی تحریک کے وکیل بھی اس اجتماع میں موجود تھے۔اہل سماٹرا سے سید احمدؒ کی ملاقات بھی ہوئی اور کچھ راز و نیاز بھی ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ اگلا سال یعنی ۱۸۲۳ء سماٹرا کی وہابی تحریک کا اہم سال ہے۔نیز ہند اور سماٹرا کی تحریکوں میں حیرت انگیز مشابہت ہوگئی۔ دونوں کے خیالات اعتقادات ۔مقاصد اور طریق عمل کی جزئیات تک مشترک ہیں۔یعنی پہاڑوں میں رہنا، شب خون مارنا، گوریلا کاروائیاں، اپنے لیڈر کیلئے اعلیٰ ترین مذہبی مقام کا دعویٰ کرنا۔ یعنی سماٹرا کے قائد تحریک محمد سباب کو عام طور پہ امام (Bondjol) اور سید احمدؒ کو امیر المومنین کہتے ہیں۔ دونوں کو دو محاذوں پر لڑتا ہوا دیکھا جاتا ہے۔ یعنی مقامی سرداروں اور غیر ملکی حکمرانوں سے۔ یہ حیران کن مشابہت ظاہر کرتی ہے کہ دونوں میں اشتراک عمل رہا ہے۔ پھر ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ ہند کی تحریک کے اہم فرد حکیم ارادت حسین مستقل طور پر مکہ میں قیام پذیر تھے اور وہاں کے مقامی افراد میں بڑے معزز تھے۔ اس قیام کا مقصد دوسرے ممالک اسلامیہ کی تجدیدی اور جہادی تحریکوں سے مستقل رابطہ ہی معلوم ہوتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت سید احمدؒ اور شاہ اسماعیلؒ جناب مجددؒ صاحب سے متاثر تھے لیکن یہ تاثر اس بات کی نفی نہیں کرتا کہ انہوں نے قیام حجاز کے دوران شیخ محمدؒ بن عبدالوہاب کی تحریک کا بھی مطالعہ کیا ہو۔ قائدین تحریک کیلئے یہ ضروری ہے کہ وہ دنیا بھر کی انقلابی تحریکوں کی تاریخ سے آگاہ ہوں۔ ان کی کامیابیوں، ناکامیوں، طریق کار، خوبیوں اور خامیوں پر نظر ہو کیونکہ یہی تقابلی مطالعہ ان کی اپنی تحریک کو آگے بڑھانے میں مدد دیتا ہے۔

سفر حج کے دوران قائدین ہند کی بے شمار علماء سے ملاقاتیں ہوئیں۔ وہابی علماء یا کارکنوں سے ملاقات کے امکان کو بھی رد نہیں کیا جاسکتا لیکن یورپی اور بریلوی نقطہ نظر کہ ہند کی تحریک تجدید نجد کے وہابیوں کو زوال آچکا تھا اور ناکام تحریک کے عقائد و افکار کو بنیاد بنانا خسارے کا سودا ہوا کرتا ہے نیز یہ لوگ سفر حج سے قبل ہی اپنی تحریک کا آغاز کر چکے تھے۔ لیکن یہ بات بھی درست ہے کہ سید احمدؒ اور شاہ اسماعیلؒ کی تعلیمات اور شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہابؒ کے افکار میں کافی حد تک اشتراک ہے وجہ اسکی یہ ہے کہ جو لوگ قرآن و سنت کو مدار استدلال بنائیں گے ان کے نظریات میں کسی نہ کسی حد تک اشتراک لازمی امر ہے۔

یہی اشتراک دونوں میں اخوت و ہمدردی کے جذبات پیدا کرتا ہے۔ ہند میں ناجائز

طور پر جب نجدی وہابیوں کو بدنام کرنے کی کوشش کی جاتی ہے تو برصغیر کے موحدین تابقدر ہمت ان کے دفاع میں سینہ سپر ہو جاتے ہیں، اس کی ایک نہائیت عمدہ مثال برصغیر میں کتاب التوحید کا اوّلین مرتبہ شائع ہونا ہے۔ مولانا تلطف حسین بہاری خادم خاص و تلمیذ جناب شیخ الکل حضرت میاں صاحب سیّد نذیر حسین محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ بدایوں کے کسی عالم سوء نے ایک کتاب خود تصنیف کی اور ظاہر کیا کہ یہ شیخ محمد بن عبدالوہاب کی کتاب التوحید ہے۔ پھر علمائے حرمین کے نام سے اس کا جواب بنام رجم الشہاب لکھ کر شائع کیا اور عوام الناس کو شیخ سے بدگمان کرنے کیلئے انہیں خوب مشتہر کیا۔ اس سے اہل حق کو بہت تردد اور پریشانی ہوئی۔ چنانچہ مولانا بشیر الدین صاحب قنوجی رحمۃ اللہ علیہ نے اس فریب کا پردہ چاک کیا اور بتایا کہ کتاب التوحید اور رجم الشہاب دونوں جعلی ہیں۔ مولانا تلطف حسین کہتے ہیں کہ اس وقت مجھے خیال ہوا کہ اصل کتاب کا ہند میں شائع ہونا، از حد ضروری ہے تاکہ بعد میں بھی کسی فریب کا امکان نہ رہے۔ اس اثنا میں کتاب مذکور کے کئی نسخے میری نظر سے گذرے۔ آخر حسن اتفاق سے ایک ایسا نسخہ ملا جو شیخ کی پوتی کے ذاتی نسخہ سے نقل کیا گیا تھا۔ اس کی صحت پر یقین کرتے ہوئے بڑی تقطیع کے ۴۰ صفحوں میں اصل متن اور ۵۰ صفحوں میں مولانا عبدالحلیم شرر تلمیذ میاں صاحب کے نہائیت سلیس و شگفتہ اُردو ترجمے کے ساتھ شائع کر دیا۔

اور پھر یہ سلسلہ چل نکلا جب والی نجد و حجاز سلطان عبدالعزیز کے خلاف علی برادران اور علماء بریلی کی قیادت میں قبے اور مزار گرائے جانے پر ہندوستان میں زبردست مہم چلی تو ہند کے موحدین نے کتب۔ اشتہارات، تقاریر اور مناظروں سے سلطان کا نہائیت کامیاب دفاع کیا۔

ہم اس تعاون کا ذکر طویل کر کے آپ اور کتاب کے درمیان مزید حائل نہیں ہونا چاہتے کیونکہ کتاب ہذا کی اشاعت اس جذبہ اخوت، ہمدردی اور تعاون کی خود بہترین مثال ہے۔

مشک آنست کہ خود ببوید

مولانا مسعود عالم ندوی مرحوم نے شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب کو ایک بدنام مصلح کے لقب سے یاد کر کے اس رنج و غم اور کرب کا اظہار کیا ہے جو خالص کتاب و سنت کی دعوت دینے والوں کے خلاف جہلاء کے مذموم پروپیگنڈے سے اہلِ حق کے دل میں پیدا ہوتا ہے۔ شیخ الاسلام

کو بدنام کرنے میں انگریزی استعمار۔ عثمانی سلطنت۔ اشراف مکہ۔ ہندوستان کے جاہل پیروں اور قبر پرستوں نے اس قدر کوشش کی ہے کہ آج برصغیر میں (سلفیوں سے قطع نظر) نجد کے شیخ کا تصور انتہائی بھیانک ہو کر رہ گیا ہے۔ ان حالات میں شیخ احمد عبدالغفور عطار کی عربی تصنیف کا منظر عام پر آنا اگرچہ ایک قابل قدر کارنامہ ہے لیکن شیخ الاسلام کی دعوت اور انکی شخصیت کی صحیح تصویر سے روشناس کرانے کا اصل میدان برصغیر اور اُردو والوں کا حلقہ ہے۔ ہمارے محترم بزرگ جناب مولانا محمد صادق صاحب خلیل دام ظلہم نے اس کتاب کا ترجمہ کر کے وقت کی اس اہم ترین ضرورت کو پورا کیا ہے۔ مترجم کو عربی اور اُردو ادب میں جو مہارت ہے یہ کتاب خود اس کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ ہمیں اُمید ہے کہ اسے وسیع پیمانے پر شائع کر کے دُنیا بھر کے اُردو دانوں میں تقسیم کیا جائے گا جو شیخ الاسلام اور انکی دعوت کے خدوخال سے یا تو ناواقف ہیں یا فریب میں مبتلا ہیں۔ اس دور میں کتب دینیہ کی اشاعت انتہائی مشکل اور گراں کام ہے۔ مولانا مبارکباد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے نہ صرف عمدہ ترجمہ کیا ہے بلکہ انتہائی خوبصورت اور دیدہ زیب انداز میں اسے الجامعۃ الاسلامیۃ حاجی آباد کی طرف سے شائع بھی کروا رہے ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں ایسے بہت سے کاموں کی توفیق ارزانی فرمائے اور ان کے اعمالِ حسنہ میں اسے درج کرے۔ والسلام

محمد سلیمان اظہر

۲ شعبان المعظم ۱۳۹۵ سنہ ہجری

مقدمہ

از: محمد صادق خلیل مترجم

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد رشد و ہدایت کا بوجھ امتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ و التسلیمات کے کندھوں پر آن گرا۔ خصوصاً ان پاکباز لوگوں پر جنہوں نے کتاب و سُنّت کے چشمۂ صافی سے علمی پیاس کو بجھایا، اور انمول موتیوں اور جواہرات سے اپنے سینوں کو منوّر کیا اور پھر زندگی بھر اس شمع کو فروزاں رکھنے کیلئے تگ و دو فرماتے رہے جس کو رسُول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے روشن فرمایا تھا اور پھر اس راہ میں جانثاری جانبازی کے مراحل سے شگفتگی اور خوش مزاجی کے ساتھ ہم آہنگ رہے۔ مخالفین کی چیرہ دستیوں، ستم رانیوں سے نہ وہ گھبرائے اور نہ ہی طاغوتی طاقتوں کی کثرت سے مرعوب ہوئے بلکہ مستقل مزاجی اور دلجمعی کے ساتھ پُر آشوب منازل کو عبور کرتے چلے گئے۔ بُت خانوں میں نعرۂ توحید بُلند کیا، قبر پرستی، چلہ کشی، کے خلاف سینہ سپر رہے اور ان کے پائے استقلال میں جنبش تک نہ ہوئی، اگرچہ وہ لوگ اپنی مستعار زندگی گذار کر اپنے خالق حقیقی سے جا ملے لیکن وہ اپنی قربانیوں کی وجہ سے دائمی زندگی کے اعزاز سے بہرہ ور ہوئے۔

ہرگز نمیرد آنکہ زندہ شد دلش بعشق!
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

اسی لئے تو ایک حدیث میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، "العلماء ورثۃ الانبیاء" علماء انبیاء کے جانشین ہوتے ہیں اور ان کے فرائض میں داخل ہوتا ہے کہ وہ وراثت انبیاء کا حق ادا کرتے ہوئے امر بالمعروف

نہی عن المنکر کے میدان میں اتریں اور مصلحت کے تقاضوں سے اپنے آپ کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اپنی خداداد صلاحیتوں کو میدانِ عمل میں جھونک دیں اور اگر اس راہ میں پیاری جان کو بھی قربان کرنا پڑے تو پس و پیش نہ کریں،

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
اور عقل محوِ تماشائے لب بام رہی

علماء کرام کی مساعی قابلِ قدر ہیں اور ان کی زندگی کے کارنامے ہمارے لئے مشعلِ راہ ہیں۔ تقبل اللہ مساعیھم ان کے ساتھ ساتھ ہر صدی میں ایسے مجددین پیدا ہوتے رہے جنہوں نے شرک و بدعت کو ختم کرنے کیلئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا امر بالمعروف نہی عن المنکر کے فریضہ کی انجام دہی میں سینہ سپر رہے۔ صوفیاء کے ملحدانہ افکار کا پردہ چاک کیا۔ مراقبہ، چلہ کشی، ہائے ہُو کی فریب کاریوں کو طشت ازبام کیا اور کھل کر اعلان کیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو تصوف کی پُر پیچ راہوں سے بدعات کو اسلام میں داخل کر کے اس کے روشن چہرے کو مسخ کرنے والے ہیں۔

انہی لوگوں نے کشف قبور، چلہ کشی، مراقبہ ہائے ہو وغیرہ کی جانب لوگوں کو متوجہ کر کے اسلام سے برگشتہ کر دیا ہے اور اسلام کے چشمۂ صافی کو مکدر بنا دیا ہے۔ مجددین ہر صدی میں کثرت کے ساتھ تشریف فرما رہے اور ارشاد و اصلاح کے کام میں منہمک رہے۔

یہ سمجھنا کہ ایک صدی میں صرف ایک ہی مجدد آتا ہے درایت حدیث سے ناواقفیت کا مظہر ہے۔ سنن میں حدیث کے الفاظ یہ ہیں:۔ اِنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ عَلٰی رَأْسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ يُجَدِّدُ لِهٰذِهِ الْأُمَّةِ أَمْرَ دِيْنِهَا بے شک اللہ ہر صدی میں ایسے لوگ مبعوث فرماتا رہے گا۔ جو امت محمدیہ کیلئے تجدیدی اصلاحی امور سرانجام دیتے رہیں گے۔ اس حدیث کی روشنی میں مقامِ تجدید کی بنیاد کثرت تصنیف، تزکیۂ نفس وغیرہ قرار دینا درست نہیں اور نہ ہی کسی انسان کی تبحر علمی کے پیش نظر اس کو مجددین کی فہرست میں داخل کیا جا سکتا ہے بلکہ مجدد شریعت اسلامیہ کی اصطلاح میں وہ شخص ہو سکتا ہے جو اس شاہراہ پر گامزن رہے جس پر زندگی بھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چلتے رہے اس کی اپنی زندگی کتاب و سنت کی تعلیمات کے مطابق ہو اور وہ جب دیکھے کہ لوگ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے دستکش ہو گئے ہیں اور باغیانہ

ملحدانہ سرگرمیوں میں پھنسے ہوئے ہیں۔ بدعات کی تشہیر ہو رہی ہے اور سنت سے اغماض برتا جا رہا ہے۔ مسجدیں ویرانی کا منظر پیش کر رہی ہیں اور مزارات کے گرد زائرین کا اژدہام رہتا ہے اور ان پر پھولوں کی چادریں چڑھائی جا رہی ہیں، انسے فریاد رسی ہو رہی ہے بلکہ ان پر حج کی سی کیفیت دکھائی دے رہی ہے۔ سالانہ عرس کے موقع پر وہاں حاضری کو بہشت میں داخل ہونے کا سرٹیفکیٹ سمجھا جا رہا ہے تو اس وقت اس کھلی گمراہی کو دیکھ کر مجدد کا خون کھول جاتا ہے اور اس وقت تک وہ چین و آرام محسوس نہیں کرتا جب تک کہ معاشرہ کے ان شرکیہ کے کاموں کے خلاف اپنی پوری قوت کے ساتھ شبخون نہیں مارتا اور ابلیسی طاقتوں کے دجل و فریب کے پردہ کو چاک نہیں کرتا وہ باطل نظریات کا ڈٹ کر مقابلہ کرتا ہے اور اس کی گردن کسی طاغوتی طاقت کے سامنے نہیں جھکتی، وہ برملا اپنے نظریات کا پرچار کرتا ہے اور پورے جلال و طمطراق کے ساتھ کتاب و سنت کے ارشادات سے لوگوں کو آگاہ رکھنے کی بھرپور کوشش رکھتا ہے۔ تبلیغی مساعی کے ساتھ ساتھ تدریسی اور تصنیفی خدمات میں بھی وہ شعلہ جوالہ بن کر ابلیسی سازشوں کے تار و پود کو بکھیر دیتا ہے اور اپنے پیچھے انمٹ نقوش چھوڑ کر جاتا ہے۔

شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب :

ان پاکباز مجددین میں شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ بارھویں صدی ہجری کے مجددین میں شمار کئے جاتے ہیں جنہوں نے پوری محنت اور جانفشانی کے ساتھ سرزمین حجاز جاہلیت کے اندھیرے میں ڈوب چکی تھی اور شرک و بدعت کی وہی کیفیت پیدا ہو چکی تھی جو کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے کے وقت تھی انہوں نے اس کیفیت کو دیکھا تو تلملا گئے اور اپنی خداداد صلاحیتوں کو احیاء اسلام کیلئے وقف فرما دیا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کے دستِ مبارک پر لاکھوں انسانوں نے توبہ کی اور فساق و فجار آغوش خداوندی میں داخل ہو کر اسلام کے سچے خادم بن گئے نجد کے مختلف علاقوں میں آپ کی مساعی سے بفضل اللہ و عونہ مسجدیں آباد ہو گئیں اور لوگ کتاب و سنت کے علوم کی تحصیل میں منہمک ہو گئے۔

بلکہ جب ہم ان کے حالات پر تحریر کردہ کتابوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں خوشی اور مسرت محسوس ہوتی ہے کہ شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب اپنی زندگی میں ہی کامیابی سے ہمکنار ہوئے

ہیں اور ایک اسلامی ریاست میں اسلامی قوانین کا نفاذ ہو جاتا ہے جہاں امر بالمعروف نہی عن المنکر کے ساتھ ساتھ حدود الٰہیہ کا بھی نفاذ ہوتا ہے اور کوئی غیر شرعی کام دیکھنے میں نہیں آتا۔ درعیہ کے امیر محمد بن مسعود اور شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب دونوں متحد و متفق ہو کر اسلام کی کھوئی ہوئی عظمت کو دوبارہ دوبالا کرنے میں پوری محنت فرماتے رہے۔ رضی اللہ عنہما واسکنھا بحبوحۃ الفردوس الاعلیٰ۔

ان کی مساعی جمیلہ کے اثرات کا نتیجہ ہے کہ آج سرزمین نجد و حجاز میں ایک مثالی اسلامی حکومت کا قیام ہے اور اسلام کی سربلندی اور عظمت کیلئے ممکن ذرائع کو بروئے کار لانے کیلئے دونوں بزرگوں کے خاندانوں کے روشن ستارے اور چمکدار سورج باہم مل جل کر انہیں کے راستہ پر چلتے ہوئے کوششیں فرما رہے ہیں۔ اللہ پاک کا شکر ہے کہ جس نے انہیں بے بہا دولت سے نوازا ہے اور الحمدللہ وہ بھی اللہ پاک کی عطا کردہ دولت کو اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے ارشاد و تبلیغ کے کاموں میں بے دریغ صرف فرما رہے ہیں۔

تقبل اللہ مساعیھم واجزل اللہ مثوبتھم (الآیۃ)

پاکستان کے دینی حالات :۔

ظاہر ہے کہ یہ ملک اسلام کے نام پر معرض وجود میں آیا تھا اور مسلسل ان نعروں کو سنا جاتا رہا کہ اس ملک میں کتاب و سنت کی حاکمیت ہوگی لیکن آج اٹھائیس سال گزرنے کے باوجود یہ کہنا مشکل ہے کہ اس ملک میں عملاً کتاب و سنت کا آئین نافذ ہو چکا ہے۔

جس ملک میں مزارات کو مذہبی حیثیت دی جائے اور ان کے تقدس کو برقرار رکھنے کیلئے کوششیں کی جائیں، ان پر قبے تعمیر کئے جائیں اور ان پر سالانہ عرسوں کا انعقاد حکومت کی جانب سے کیا جائے، ان کی عظمت کو اجاگر کیا جائے۔ مزارات پر پھولوں کی چادریں چڑھائی جائیں، عرق گلاب اور خوشبودار عطریات سے ان کو غسل دیا جائے اور نذر و نیاز کے سلسلے کے بجائے بند کرنے کے اس کو بقاء عطا کیا جائے اور اللہ پاک سے لوگوں کی عقیدت کو ختم کر کے مزارات کی جانب ان کی عقیدت کو پھیرا جائے اور اللہ پاک کے ساتھ بغاوت کا ثبوت پیش کیا جائے تو ایسے ملک کی حکومت کو اسلامی حکومت کہنا کسی طرح بھی زیب نہیں دیتا۔ ان

واقعات و حالات کو دیکھ کر میرا دل سیماب کی طرح لرزاں رہا۔ اگرچہ جب بھی کبھی مجھے وعظ و ارشاد کا موقعہ ملتا رہا، میں اس کے خلاف آواز بلند کرتا رہا چنانچہ اسی جذبہ کے پیش نظر محترم شیخ علامہ ناصرالدین الباقی کی کتاب تحذیر الساجد کا ترجمہ "قبروں پر مسجدیں اور اسلام کے نام سے کرکے بغرض تبلیغ پیش کرنے کی سعادت حاصل کرچکا ہوں ذالك من فضل الله علینا وعلی الناس ولکن اکثر الناس لا یشکرون۔

چنانچہ اسی نکتۂ نظر کے مطابق میں نے ضروری سمجھا کہ پاکستان میں ایسے عظیم المرتبت مجاہد مجدد الملۃ والدین سے تعارف کرانا ضروری ہے جنہوں نے اپنی مستعار زندگی کو دین اسلام کی خدمت پر فدا کر دیا گویا کہ وہ شاعر کی زبان میں کہہ گئے ع ہمارے پاس ہے کیا جو فدا کریں تجھ پہ مگر یہ زندگی مستعار رکھتے ہیں۔

شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب کے حالات پر عربی لٹریچر میں کثرت کے ساتھ کتابیں زیور طبع سے آراستہ ہو کر مارکیٹ میں آچکی ہیں لیکن اردو دان احباب کیلئے سوائے مولانا مسعود عالم ندوی مرحوم کی کتاب" بنام مصلح" کے کوئی قابل ذکر کتاب دیکھنے میں نہیں آئی اس لئے میں نے عربی تراجم کی کتابوں سے جناب محترم الشیخ احمد عبد الغفور عطار کی کتاب کو ترجمہ کیلئے منتخب کیا اس لئے کہ ان کی کتاب کو مقابلہ میں پہلی پوزیشن حاصل ہوئی اور پھر جناب محترم الشیخ عبدالعزیز بن باز وائس چانسلر مدینہ یونیورسٹی اور مرحوم الشیخ محمد بن ابراہیم اٰل الشیخ رئیس الافتاء والدعوۃ والارشاد نے اس کے ہزاروں نسخے تقسیم فرمائے۔

اگر میں کہوں کہ اس کتاب کے مطالعہ کرنے سے شیخ الاسلام کی زندگی کے تمام گوشوں سے آگہی ہوتی ہے اور ان کے تجدیدی کارناموں سے واقفیت حاصل ہوتی ہے اور دل و دماغ ان کی تحریک سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے بلکہ تحریک کے ساتھ والہانہ شغف پیدا ہوتا ہے اور ان کے نقش قدم پر چلنے کا داعیہ تیز ہو جاتا ہے تو اس میں کچھ مبالغہ آرائی کا پہلو نہیں ہے۔

محترم شیخ احمد عبدالغفور عطار کا شکریہ ادا کرنا میرے لئے ضروری ہے جنہوں نے محنت و جانفشانی کے ساتھ شیخ الاسلام کی زندگی کے تمام گوشوں پہ مدلل انداز میں

قسم اٹھایا اور پھر ان کے ادبی اسلوب کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ خصوصاً اس لئے کہ کتاب کے محتویات میں شیخ الاسلام کے داعیانہ انداز کی جھلک نمایاں نظر آرہی ہے۔

اجزل اللہ مثوبتہ

مترجم ان تمام دوستوں، عزیزوں کے لئے دعا گو ہے جنہوں نے کتاب کے ترجمہ، کتابت، طباعت کی تکمیل میں میرا کسی طرح بھی تعاون کیا ہے اور ان تمام کوتاہیوں پر معذرت خواہ ہوں جو مجھ سے سرزد ہوئیں۔

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب

محمد صادق خلیل

المدیر ضیاء السنۃ ادارۃ الترجمہ

والتالیف، رحمت آباد۔ لائلپور

۵ رجب المرجب ۱۳۹۵ھ ہجری

مقدمہ طبع ثانی



سوریا اور اُردن کی سرحدوں کی بندش کی وجہ سے "محمد بن عبدالوہابؒ" کو مملکت سعودیہ عربیہ کی طرف منتقل نہ کیا جاسکا۔ اب اللہ پاک کے فضل وکرم سے ہمسایہ سلطنتوں کی سرحدیں کھل چکی ہیں تو کتاب کا منتقل کرنا آسان ہوگیا ہے نیز بیروت میں توقع سے کہیں زیادہ کتاب کو مقبولیت حاصل ہوتی اور ردھڑا دھڑ فروخت ہونے لگی۔ اللہ پاک کے بے پایاں انعامات ہیں شیخ الاسلام الامام محمد بن عبدالوہابؒ کے پوتے نجد کے امر بالمعروف کے چیئرمین سماحۃ الشیخ عمر بن حسن آل الشیخ نے تین ہزار نسخے خرید فرمائے۔

اس سے پہلے بھی علامۃ الشیخ عمر بن حسن آل الشیخ نے طبع اوّل کیلئے خصوصی تعاون فرمایا نیز میری پہلی کتاب "محمد بن عبدالوہابؒ" (جس کے تین ایڈیشن منظر عام پر آچکے ہیں) کی طباعت میں کریمانہ اخلاق کے ساتھ مالی تعاون سے نوازا۔ اس پر مجھے ان کا شکریہ ادا کرنا ضروری ہے۔

مدینہ یونیورسٹی کے چانسلر سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز نے دو ہزار نسخے خرید فرما کر ہماری حوصلہ افزائی فرمائی۔ شکر اللہ مساعیہم

اسی طرح ادارہ "بحوث العلمیۃ والافتاء والدعوۃ" کے رئیس مفتی اکبر شیخ محمد بن ابراہیم آل الشیخ رحمہ اللہ کے فرزند ارجمند الشیخ الفاضل ابراہیم بن سماحۃ نے ایک ہزار نسخہ خرید فرمایا جس پر ہم ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے مسرت محسوس کر رہے ہیں۔

کتاب کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ رابطہ عالم اسلامی کے جنرل سیکرٹری شیخ محمد سرور الصبان اور وزیر تعلیم علامہ شیخ حسن بن عبداللہ آل الشیخ نیز دیگر وزارتوں اور اداروں کے ذمہ دار اصحاب نے اس کتاب کے متعدد نسخوں کے خریدنے کا اظہار کیا ہے، اس طرح نہ صرف عرب ممالک بلکہ عالم اسلام سے دینی مدارس،

یونیورسٹیوں اور لائبریریوں کے سرپرستوں نے میری طرف اور مطبع لبنان کی طرف کتاب کی خرید کیلئے آرڈر ارسال کئے اس لئے میں نے محسوس کیا کہ کتاب کو دوبارہ طبع کرانا چاہیئے تاکہ جہاں کتاب کے مطالعہ سے قارئین کو فائدہ ہو، وہاں اللہ پاک شیخ الاسلام الامام محمد بن عبدالوہابؒ کے نامۂ اعمال میں اجر و ثواب کا اضافہ فرمائے۔

میں ان نیک انسانوں کا شکریہ بھی ادا کرتا ہوں جنہوں نے میری کتاب کے طبع ہونے پر گرم جوشی کا اظہار کیا، خود بھی اس کا مطالعہ کیا اور دوسرے لوگوں کو بھی اس کے مطالعہ کی طرف راغب کیا، دعوت و ارشاد کے میدان میں علم توحید کو سرنگوں نہ ہونے دیا، راہ حق میں مسلسل جہاد کرتے رہے اور ان کے دل خوف الٰہی سے معمور رہے۔

فالحمد للہ علی ما انعم بعد واکرم والصلوٰۃ
والسلام علی نبینا الاکرم محمد صلی اللہ علیہ وعلی
ازواجہ وآلہ وصحبہ وسلم

مکۃ المکرمۃ
احمد عبدالغفور عطار

۱۶ ذوالحجہ سنہ ۱۳۹۱ھ
۱ فروری سنہ ۱۹۷۲م
آغاز

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ
فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ
مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ
الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ
مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ط

ترجمہ

جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے ان سے خدا کا وعدہ ہے کہ ان کو ملک کا حاکم بنا دے گا۔ جیسا ان سے پہلے لوگوں کو حاکم بنایا تھا اور ان کے دین کو جسے اس نے ان کیلئے پسند کیا ہے مستحکم و پائیدار کریگا اور خوف کے بعد ان کو امن بخشے گا۔

مقدّمہ طبع اوّل



تیس سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے کہ میں نے محمد بن عبدالوہاب کے عنوان پر ایک کتاب کو ترتیب دیا۔ جس کے اب تک تین ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ پہلا ایڈیشن ۱۳۶۲ھ (۱۹۴۳ء) میں دوسرا ۱۳۷۶ھ (۱۹۵۶ء) میں، تیسرا ایڈیشن ۱۳۸۷ھ (۱۹۶۷ء) میں شائع ہوا۔ ان سب کی مجموعی تعداد بیس ہزار تھی لیکن مقبولیت کا یہ عالم رہا کہ اس وقت کتاب کی ایک کاپی بھی موجود نہیں۔

۱۳۷۵ھ میں وزیر تعلیم امیر فہد بن عبدالعزیز نے مجھ سے شیخ الاسلام الامام محمد بن عبدالوہابؒ کے حالات زندگی پر جدید انداز میں کتاب مرتب کرنے کیلئے کہا اس شرط پر کہ وہ اسکی طباعت کے جملہ اخراجات کے کفیل ہونگے وزارت تعلیم اس کے اخراجات کی ذمہ دار نہ ہوگی چنانچہ راقم الحروف اس نیک کام کی تکمیل کیلئے تیار ہو گیا اور ان سے وعدہ کر لیا۔

پھر جب شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ آل الشیخ جو شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہابؒ کے پوتے ہیں۔ امیر فہد کے قائم مقام وزارت تعلیم پر سرفراز ہوئے تو انہوں نے از سرِ نو مجھ سے کتاب مرتب کرنے کا مطالبہ کیا تو میں نے ان سے بھی حسبِ سابق اس کی تکمیل کا وعدہ کیا۔

چند سالوں کی بات ہے کہ وزارت تعلیم نے شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہابؒ پر ایک کتاب تالیف کرنے پر انعامی مقابلہ کا اعلان کیا کہ جو مرتب اوّل نمبر پر آئے گا اس کو پانچ ہزار ریال عطیہ دیا جائے گا چنانچہ اس انعامی مقابلہ کے اعلان کے بعد دوبارہ شیخ حسن بن عبداللہ آل الشیخ نے مجھے اس مقابلہ میں شرکت کرنے کی طرف متوجہ کیا پہلے تو میں نے معذرت کی لیکن انکے بار بار اصرار نے مجھے اسکی تکمیل کیلئے آمادہ کر دیا۔ چنانچہ اللہ پاک کے بے پایاں فضل و کرم اور علامہ شیخ عمر بن حسن آل الشیخ کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ وہ ساعت سعید آ پہنچی کہ جس میں اس کی تالیف سے فراغت حاصل ہوئی

درحقیقت اس مبارک کام کا سہرا الشیخ عمر بن حسن آل الشیخ کی جبینِ تابناک پر بندھتا ہے، جو اپنے دادا شیخ الاسلام

محمد بن عبد الوہابؒ کے صحیح جانشین اور دعوت و ارشاد کے میدان میں توحید کے پرچم کو لہرا رہے ہیں نجد کے مشرقی حصہ اور نائیجیریا کے علاقوں میں امر بالمعروف کی کمیٹی کے چیئرمین کے فرائض خوش اسلوبی، نیک روی سے سرانجام دے رہے ہیں۔

تیسرے ایڈیشن کے مقدمہ کا مطالعہ کیجئے میں نے اس میں اپنی ایک مبارک آرزو کا اظہار کیا تھا کہ اگر مجھے وقت مل سکا تو میں چاہتا ہوں کہ مستقبل قریب میں انشاءاللہ شیخ الاسلام محمد بن عبد الوہابؒ کے حالات سے جامعیت کے ساتھ نقاب کشائی کروں گا۔ غالباً رمضان المبارک کا مہینہ تھا جب کہ میں نے کتاب کو نہایت محقق و مدلل انداز میں تحریر کرنے کا ارادہ کیا تو اس کے بعد جلد ہی میری آرزو شرمندہ تعبیر ہوگئی تو میں نے اپنی تمام صلاحیتوں کو اس کام کے سرانجام دینے میں صرف کر دیا چنانچہ میری کاوشوں کا مجموعہ آپ کے سامنے ہے والحمد للہ علی ذالک

یہ نیا ایڈیشن اسلوب نگارش اور مباحث کے لحاظ سے پہلے ایڈیشنوں سے زیادہ اہم معلومات پر مشتمل ہے، چنانچہ تین ایڈیشنوں کے مقدموں کو غیر ضروری سمجھتے ہوئے حذف کر دیا گیا ہے۔

محمد بن عبد الوہابؒ نہ صرف مذہبی لیڈر بلکہ مصلح، مجدد صاحب دعوت تھے!

حقیقت تو یہ ہے کہ متاخرین میں انکی نظیر ڈھونڈنے سے بھی نہیں مل سکتی ان سے پہلے جتنے داعی اصلاحی پروگراموں کو لیکر میدان عمل میں رونق افروز ہوئے انکی کاوشوں کی شعائیں معاشرہ کی اجتماعی تاریکیوں کو ختم نہ کر سکیں اور انکی تحریکوں کے اثرات محدود دوائرہ سے آگے نہ گزر سکے لیکن عالم اسلام میں وہابی تحریک کو جو فروغ اور مقبولیت ہوئی اس سے دوسری اسلامی تحریکیں محروم نظر آتی ہیں سنوسی اور مہدی کی تجدیدی مساعی کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ انکی تحریکیں کیلئے مقصود سے ہمکنار نہ ہو سکیں اور اب عالم اسلام میں ان کی ادنیٰ جھلک بھی نظر نہیں آتی۔

نائیجیریا میں تحریک وہابیت کا فروغ

شیخ عثمان بارہویں صدی ہجری کے اواخر میں بیت اللہ کی زیارت سے واپس نائیجیریا پہنچا چونکہ وہ مکہ مکرمہ میں اقامت کے دوران تحریک وہابیت اور اس کے نمائندوں کا قریب سے مطالعہ کر چکا تھا وہ اس تحریک کے اصولوں اور اس کے نمائندوں کے اخلاص کا اس قدر گرویدہ ہوا کہ وطن واپس آکر اپنے ملک کے اطراف واکناف میں تحریک کی مقبولیت کیلئے ہمہ تن مصروف ہوگیا اللہ پاک کی عطا کردہ توفیق سے وہ اسلامی نظام کے نفاذ میں کامیاب

ہوا۔ اس طرح اس نے دستورِ اسلامی کے نفاذ سے انسانیت کو اوجِ ثریا پر پہنچا دیا۔

تحریکِ وہابیّت کا لائحہ عمل

شرک و بدعات وخرافات کا قلع قمع کرنا۔ جنہوں نے اسلام کے چمکدار چہرے کو غبار آلود کر دیا تھا اسی طرح ان بدعتیوں کا مقابلہ کرنا، جنہوں نے اسلامی عقائد کا لیبل لگا رکھا تھا۔ نتیجتہً کم علم لوگ مسخ شدہ دین کو ہی صحیح دین سمجھنے لگے۔ لہٰذا جہاں ایک طرف انکی گمراہ کن سازشوں کو طشت ازبام کرنا منتہائے مقصود ہے وہاں عوام کو جہالت و گمراہی کی تاریکیوں سے نکال کر شریعت حقہ کی تعلیمات سے ہمکنار کرانا ہے تاکہ جب انکی عقل پر چھا جانے والے دبیز پردے دور ہو جائیں گے تو عقل کو روشنی اور بصیرت حاصل ہو گی اور علم و عمل کی ہم آہنگی سے اسلام کو تفوق اور سربلندی حاصل ہو گی۔

شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہابؒ نے پورے جوش اور ولولہ کے ساتھ اصلاحی اور تجدیدی کاموں کو تاتگی عطا کی یقیناً اگر کوئی دوسرا انسان اس میدان میں اترتا تو زیادہ عرصہ نہ گزرتا کہ اُسکی آواز کو دبا دیا جاتا اور اسکی تحریک کو نہ صرف اضمحلال کی نذر کیا جاتا بلکہ موت کی آغوش میں سلا دیا جاتا یہ ان کا نصیب تھا کہ وہ ثابت قدمی اور اولوالعزمی کے ساتھ باطل کے مقابلہ میں ڈٹے رہے اور بدعات کے سیلابوں کے سامنے چٹان ثابت ہوئے۔ زور آور دشمنوں اور مخالفین کے مقابلے میں ایمانی قوت کے جذبہ سے سرشار ہو کر نکلے تو اُنہیں شکست سے دوچار کیا۔ سخت خوفناک جنگوں میں اترنا پڑا تو بلا دریغ اُتر پڑے اور متعدد بار ان کا اور ان کے رفقاء کا محاصرہ کیا گیا اگر تائیدِ ایزدی شاملِ حال نہ ہوتی تو قریب تھا کہ ان کے ہلاکت آفریں حملوں سے موت کی آغوش میں پہنچ جاتے۔ لیکن ہر میدان میں استقامت کے دامن کو تھامے رکھا اور مخالفین کو ہر میدان میں کچل دیا۔

تاریخ شاہد ہے کہ تحریکِ وہابیت کے بانی محمد بن عبدالوہابؒ اور ان کے رفقاء کو جب بھی مخالفین نے للکارا تو انہوں نے پامردی اور جوانمردی کی بے مثال نظیر پیش کر کے اپنی قوت کا لوہا منوایا اور دشمنوں کے ہر چیلنج کا صبر جیسی عظیم قوت کے ساتھ ایسا مقابلہ کیا کہ دشمن کے ناپاک منصوبے خاک میں مل گئے۔

ابراہیم باشا کا نجد پر حملہ

ابراہیم باشا جدید اسلحہ سے مسلح جم غفیر لے کر نجد پر حملہ آور ہوا تاکہ تحریکِ وہابیت اور اس کے داعیوں

کو کچل دے اگرچہ نجد اور اس کے ماحول کے مجاہدین نے ڈٹ کر اس کا مقابلہ کیا لیکن بالآخر ہتھیار ڈال دیئے ابراہیم پاشا فتح کے نشہ میں آگے بڑھا اور ۱۲۳۳ھ جمادی الثانی میں درعیہ شہر کا محاصرہ کیا یہاں بھی موحدین مقابلہ میں ثابت قدم رہے اور مردانہ وار اس کا دفاع کرتے رہے لیکن مزید فوجی کمک مل جانے پر اس کا حوصلہ بلند ہو گیا چنانچہ تمام جنگی قوتوں سے مسلح ہو کر جب حملہ آور ہوا تو درعیہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دی محلات کو پیوند خاک کر دیا اور مسجدوں کو کھنڈر بنا کر رکھ دیا۔ درعیہ کے باشندے محاصرہ کی شدت کے ساتھ ساتھ بھوک سے نڈھال ہو گئے تو سعودی حاکم عبداللہ نے ۸ ذی الحج ۱۲۳۳ھ میں غیر مشروط طور پر اپنے آپ کو ابراہیم پاشا کے حوالہ کر دیا چنانچہ ابراہیم پاشا نے سعودی حاکم کو مصر میں اپنے باپ محمد علی پاشا کے پاس بھیج دیا۔ محمد علی پاشا نے بظاہر امیر عبداللہ کی تعظیم و تکریم کے اسباب اس لئے فراہم کئے کہ وہ امیر عبداللہ اور اس کے رفقاء کو بطور ہدیہ کے ترکی بھیجنے کا مصمم ارادہ رکھتا تھا۔ امیر عبداللہ بھی اپنے انجام کو خوب سمجھتا تھا۔ جونہی اسیر مجاہدین کا یہ قافلہ ترکی پہنچا تو باب عالی نے ان کے قتل کا حکم صادر کر دیا چنانچہ امیر عبداللہ کو بیڑیاں پہنا کر بازاروں میں گھمایا گیا تاکہ ترک مسلمان وہابیوں کے لیڈر کا انجام دیکھیں جو ان کے نظریہ کے مطابق اسلام سے خارج ہیں امیر عبداللہ کو ایا صوفیہ کے میدان میں اور ان کے رفقاء کو دوسرے کھلے مقامات میں موت کے گھاٹ اتارا گیا۔ رحمہم اللہ واسکنہم الجنۃ۔

وہابیوں کو توحید کے میدان میں بے شمار مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن وہ ثابت قدمی کے ساتھ اپنے منصوبوں پر عمل پیرا رہے اور جان و مال کی قربانیوں سے کچھ دریغ نہ کیا۔ اسی طرح ان کے پیروکار بھی مشکل ترین مراحل میں پامردی کے ساتھ رواں دواں رہے اور تحریک وہابیت کو کامیابی سے ہمکنار کرنے میں کامیاب رہے اگرچہ بعض مقامات میں تحریک کے لیڈروں کو شکست سے دوچار ہونا پڑا لیکن باایں ہمہ تحریک دن بدن تیز سے تیز تر ہوتی چلی گئی اور اس کی جڑیں عالم عرب اور عالم اسلام میں مضبوط ہوتی چلی گئیں دراصل تحریک کے بانی امام محمد بن عبدالوہابؒ کی ایمانی سپرٹ مستقل مزاجی اور تسلیم و رضا کا نتیجہ ہے بلاشبہ متاخرین میں ان جیسا دلیر صاحب عزم اور کامیاب لیڈر دیکھنے میں نہیں آیا۔

امام محمد عبدہٗ

ہم دیکھتے ہیں کہ مصر میں اسلامی دعوت کے پرچم کو اپنے دور میں امام محمد عبدہٗ نے اٹھایا اور امام

محمد بن عبدالوہابؒ کے نقشِ قدم پر اصلاحات کا نفاذ کرنے کے لئے بے تاب ہے وہ چاہتے تھے کہ بدعات خرافات ، اسرائیلیات اور شرک کے دروازوں کو بند کر دیا جائے ، سلف صالحین کی اتباع اور مغربی ثقافت و کلچر کے حسین امتزاج کے ساتھ ساتھ اجتہاد کے دریچوں کو کھلا رکھا جائے اور خلفائے راشدین اور صحابہ کرامؓ کے دور کی روشن تصویر کو دوبارہ حسن عطا کیا جائے تاہم جائزہ لینے کے بعد یہ کہنا بالکل درست ہے کہ محمد بن عبدالوہابؒ کی تحریک فکری نظری عوامل سے آگے متجاوز ہوئی اور اسلامی حکومت معرضِ وجود میں آئی لیکن محمد عبدہؒ کی تحریک کا دائرہ کار فکر و نظر اور درسیات کی حدود سے آگے نہ بڑھ سکا زیادہ سے زیادہ انکی تحریک سے متاثر ہونے والے ان کے تلامذہ میں جو ان کے حلقہ درس میں شامل ہوتے " تحریک کوئی اجتماعی اور واقعاتی مقام حاصل نہ کر سکی اس لئے کہ ان کے مخالف عناصر کی قوت اس قدر زوردار تھی کہ محمد عبدہؒ کی تحریک کو پھلنے پھولنے کے مواقع میسّر نہ آسکے اور نہ ہی اسے بقا نصیب ہو سکا ۔

اگرچہ جماعتی شکل میں اسلام اور مسلمانوں کی سربلندی کیلئے اصلاحی کوششیں کی گئیں اور داعیوں نے دعوتِ توحید کو پرکشش تجدیدی انداز میں پیش کیا جس سے انہیں قوم میں تفوق تو ضرور حاصل ہو گیا لیکن اصول دعوت پر کوئی اسلامی حکومت معرض وجود میں نہ آسکی بالآخر نتیجتہً تحریک کے اثرات مسجدوں اور معبد خانوں تک محدود رہ گئے ، علماء اور مشائخ محدود حلقوں میں اس کا پرچار کرتے رہے لیکن وہابی تحریک پوری قوت کے ساتھ کھل کر میدانِ عمل میں مصروفِ جہاد نظر آتی ہے تحریک کا دائرہ کار صرف ایک شہر یا ایک ملک تک محدود نہیں رہتا بلکہ وہ پورے جوش و خروش کے ساتھ اسلامی معاشرہ اور اسلامی حکومت کے قیام کیلئے جدوجہد میں کامیاب ہوتی ہے جس میں کتاب و سنت کو سیادت عطا کی جاتی ہے اور غیر اسلامی قوت کو ختم کر دیا جاتا ہے ۔

وہابی تحریک کو آغاز کار سے ہی مصریوں ترکوں کی مخالفت سے دوچار ہونا پڑا ۔ اگر مخالفت کے بادل فضائے بسیط پر نہ چھائے ہوتے ہوتے تو یقیناً تمام اسلامی ممالک میں اسلام کو وہ پہلا غلبہ اور تسلّط حاصل ہوتا اور مسلمانوں کو دوبارہ تاج و تخت کا مالک بنا دیا جاتا ۔

ڈاکٹر طہٰ حسین کے ریمارکس

اگر ترک اور مصری پوری قوت اور جدید اسلحہ سے لیس ہو کر جنگل میں رہنے والے جدید اسلحہ سے ناواقف وہابیوں کے راستے میں حائل نہ ہوتے تو یہ یقیناً بارہویں اور تیرہویں صدی ہجری میں تمام عرب کو ایک

پلیٹ فارم پر اکٹھا کرنے میں کامیاب ہو جاتے، جیسا کہ پہلی صدی ہجری میں اسلام کی سطوت نے تمام عرب کو ایک وحدت میں پرو دیا تھا۔

ڈاکٹر طہٰ حسین کے یہ ریمارکس بالکل درست ہیں۔ وہابی تحریک جس وقت عالم اسلام کو متحد کرنے کی کوششوں میں مصروف تھی تو اس وقت پہلی جنگ کے بعد عالم اسلام پر مغربی استعمار کا تسلط تھا۔ دوسری جنگ کے بعد اگرچہ عرب ممالک اور مسلمان ہمسایہ یورپین اقوام کے تسلط سے تو کسی حد تک نکل چکے تھے لیکن مغربی استعمار، صیہونیت، اشتراکیت اور اسلام کو تاخت و تاراج کرنے والی صلیبی قوتیں اسلام کے ساتھ بر سر پیکار نظر آتی ہیں اور مسلمان لیڈروں اور مفکرین کو موت کے گھاٹ اتارنے کے لئے مجتمع ہو جاتی ہیں۔ اسلام کے ساتھ متصادم قوتیں پورے طمطراق کے ساتھ اسلام کو مٹانے کیلئے چیلنج کرتی ہیں لیکن مسلمانوں میں ان کے مقابلہ کی سکت نظر نہیں آتی۔ اس لئے کہ جہاں غیر اسلامی قوتیں اس تحریک کو دبانے کے لئے بے تاب ہیں وہاں اس تحریک کو کچلنے کیلئے بظاہر اسلام کے نام لیوا لیڈر اور سیاستدان اس تحریک کے داعیوں کو دباتے اور قتل کرنے کے درپے ہیں۔ چنانچہ اسلامی دعوت کی اس تحریک کے اثرات کو مٹانے کے لئے جہاں ہزاروں کی تعداد میں لوگوں کو جیلوں میں ٹھونسا جاتا ہے وہاں ان سے سخت مشقت کے کام لئے جاتے ہیں اور چن چن کر ان لیڈروں کو موت کی آغوش میں سلا دیا جاتا ہے جن کی عظمت و سیادت کا ستارہ روشن تھا آج مسلمانوں کو اپنے دشمنوں سے جن مصائب کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے شاید ماضی میں اس قدر تکالیف و محن میں مسلمان کبھی مبتلا نہ ہوئے ہوں ہلاکت آفرینیوں کا سیلاب متلاطم ہے اور نہ صرف یہ کہ بیرونی ممالک اس کی تباہی و بربادی کا سامان فراہم کر رہے ہیں بلکہ اندرون ملک بھی ایسی خطرناک قوتیں مصروف کار ہیں لیکن اسلامی تحریکیں باوجود اندرونی اور بیرونی مخالفتوں کے اللہ پاک کی نصرت سے مسرت و انبساط کی کیفیتوں کے ساتھ منزل مقصود کی طرف رواں دواں رہتی ہیں۔

اللہ پاک سے ہی ہم دست بدعا ہیں کہ تمام عالم اسلام میں مسلمانوں کی راہ نمائی اور قیادت کے لئے ایسے مصلحین کا انتظام فرمائے جو شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہابؒ کے نقش قدم پر چل کر اسلام کی کھوئی ہوئی عظمت و سیادت کو دوبارہ بحال کریں اور مسلمانوں کی قدر و منزلت کو از سر نو بام عروج پر پہنچائیں اور ہمیں ان کاموں کے کرنے کی توفیق عطا فرمائے جن کاموں کو وہ محبوب جانتا ہے اور پسند فرماتا ہے۔

احمد عبدالغفور عطار

شیخ الاسلام محمدؒ بن عبدالوہابؒ کا دور

نجد کا علاقہ بارہویں صدی ہجری میں ضلالت و گمراہی کا مرکز بنا ہوا تھا۔ ادوار جاہلیت کی تمام اقتصادی اخلاقی بیماریوں کی آماجگاہ تھا، مذہبی اقدار کو پاؤں تلے روندا جا رہا تھا اور زندگی کے تمام شعبوں میں فساد آرائی کا غلغلہ بلند تھا۔ اقتصادی، تجارتی، مالی، اخلاقی دینی امور میں غیر اسلامی طور طریقے جہاں ان کے خالصتاً مذہبی امور کو دینی سرحدوں سے کوسوں دور لے گئے تھے وہاں ان کے دینوی معاملات میں بھی اسلامی تعلیمات کی جھلک تک نظر نہیں آ رہی تھی ظاہر ہے کہ اگر مسلمانوں کے اسلامی امور اغیار کے اثرات سے محفوظ ہوں تو دنیوی امور میں لازماً ان سے تحفظ حاصل ہو سکتا ہے اس لئے کہ اسلامی ترویج واشاعت کا دائرہ کار نہایت مختصر اور محدود شکل اختیار کر چکا تھا صرف معدودے چند ایسے علماء موجود تھے جو اسلام کی صحیح تعلیمات کو سمجھتے اور ان سے وابستگی رکھتے تھے وگرنہ اکثریت ان لوگوں کی نظر آتی ہے جو دین کا فہم نہیں رکھتے اور صرف اپنی خواہشات کے مطابق شرک، اوہام پرستی جیسی مہلک بیماریوں میں مبتلا تھے، شرک بت پرستی، بدعات و خرافات کے مجموعہ کا نام ہی اسلام تھا اور ان کے عقیدوں میں اس قدر تبدیلی آ چکی تھی کہ وہ ان کو ہی اساس قرار دیتے ہوئے اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت سے انحراف کرتے ہوئے مشرکانہ کاموں میں لگے ہوئے تھے۔ نفع نقصان کی قدرت کا اعتقاد رکھتے ہوئے قبروں، درختوں، چٹانوں سے دعائیں کی جا رہی تھیں اور ان سے مرادیں مانگی جا رہی تھیں ان پر جانوروں کو ذبح کیا جا رہا تھا تاکہ وہ راضی ہو جائیں اور ہماری مرادیں پوری ہو جائیں یوں معلوم ہوتا تھا کہ نجد کا علاقہ جاہلیت اولیٰ کی آغوش میں پہنچ چکا تھا اور جاہلی رسم و رواج دوبارہ ان کی عادت بن چکے تھے چنانچہ انکی زندگی کے تمام شعبوں میں امور جاہلیت کو ہی موثر دخل تھا نیک فال اور بدشگونی کے لئے جہاں پرندوں کو اڑاتے وہاں کاہنوں، نجومیوں رملیوں سے مشوروں میں مصروف رہتے۔ ابلق سعدی جو دورِ جاہلیت میں نجد کا مشہور کاہن اور عراف سمجھا جاتا تھا کثرت کے ساتھ اس کے پیروکار نظر آنے لگے اور ان کاموں کو منکرات سمجھنے لگے جو ان کی خواہشات کے موافق نہیں تھے۔ قبل از اسلام جس طرح عرب کے ریگستانوں میں قریش اور دوسرے قبائل ٹولیاں بن کر بیٹھتے اور زندگی

کی نشہ انگیزیوں، طرب آمیزیوں اور تجارت و زراعت نیز سیاحت کے دوران عجائب و نوادر کو اپناتے اور جنگلوں کے واقعات دہراتے۔ ان کی زندگی کی غرض و غایت حیوانات کی غرض و غایت سے مختلف نظر نہیں آتی تھی اور دین بدعات و خرافات اور مشرکانہ رسوم کا نام تھا اور دین کے جن اصولوں کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا۔ اس سے قطعاً نابلد ہو چکے تھے۔ مجموعہ خرافات کا نام دین عبادت تقدس قرار دیدیا گیا تھا۔

سرمایہ دار کا مذہب سرمایہ کی فراہمی اور صاحب اقتدار کا مذہب سلطنت کے حدود میں وسعت پیدا کرنا تھا چنانچہ معاشرہ کا ہر فریق اپنے فہم اور تقاضوں کے مطابق ان میں اضافہ کرنیوالی خصوصیات کو بروئے کار لا رہا تھا اور عوام الناس اپنے لیڈروں اور دھستوں کے ماتحت زندگی بسر کر رہے تھے لیکن انکی زندگی میں اسلام کے آثار موجود نہ تھے بلکہ انہوں نے دین اسلام میں باطل اور غلط نظریات کو داخل کر دیا تھا۔ دوسرے شعبوں میں زندگی کے آثار مجلتے ہوئے نظر آتے تھے عام انسانوں اور قبائل میں عموماً اخلاق فاضلہ کا فقدان تھا اور موروثی خصائص جن کی وجہ سے تمام دنیا پر انہیں فخر حاصل تھا۔ بالکل معدوم ہو چکے تھے۔

نجد کے شہریوں، دیہاتیوں اور جنگل میں رہنے والے انسانوں کی طبیعتوں پر اضطراب سایہ افگن تھا قبائل ان حقائق فطری کو مٹا ڈالنے کے لئے سیخ پا ہو جاتے اس لئے کہ وہ ان کے مقاصد اور حرص و آز کے راستہ میں رکاوٹ تھے اور اپنے ارادوں کی تکمیل کے لئے محرمات کو حلال بنا لیتے حیوانوں کی طرح آزادانہ اور مجنونانہ زندگی بسر کرتے تھے جہالت اور گمراہی کے میدانوں میں انسانی قدروں کو پامال کرتے ہوئے ایسے خطرناک موڑ پر پہنچ چکے تھے کہ ان کے لئے ایسے انسانوں کے خون گرانے میں ہچکچاہٹ نہ ہوتی جن کا بظاہر کوئی جرم نہ ہوتا اور نہ وہ اس لائق ہوتے کہ خواہ مخواہ ان کے ناجائز خون سے ہاتھ رنگے جائیں اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے نہ وہ کسی کی عزت کرتے اور نہ کسی کا خون گرانے میں پس و پیش کرتے۔ حیوانیت اور نفس امارہ کا تغلب تھا اور عقل و خرد کی آنکھیں ہدایت کی بصیرت سے محروم ہو چکی تھیں۔

نجد کے جنگلات میں سفر کرنے والے لوگ چوروں اور ڈاکوؤں کے حملہ سے محفوظ نہ تھے جو درختوں کے جھنڈوں اور غاروں میں چھپے رہتے۔ موقع پا کر تجارتی قافلوں کو لوٹ لیتے اور انسانی جانوں سے ہولی کھیلتے۔ قتل کے بعد مقتولوں کی لاشوں کو بے گور و کفن زمین پر چھوڑ کر چلے جاتے اس طرح دیہاتیوں کی جان و مال ڈاکوؤں لٹیروں اور چوروں سے محفوظ نہ تھی نہ صرف رات کے اندھیرے میں بلکہ دن دہاڑے

انسانی قدروں کو پامال کیا جاتا عصمت کے آبگینوں کو چور چور کیا جاتا اور خوف زدہ ہراساں کر کے مال و اسباب کو لوٹ لیا جاتا۔ شیر خوار بچوں کو غلامی کی آہنی زنجیروں میں جکڑنے کے لئے اٹھا لیا جاتا اور کوئی بھی حکمران امن و امان کے قیام کی ذمہ داری اٹھانے کے لئے تیار نہ تھا اور نہ ہی شریفوں اور لٹیروں کی پامالی اور صفحہ ہستی سے مٹانے کی کسی میں ہمت تھی اس لئے کہ اقتدار اور حکومت پر یہی لوگ قابض تھے تو پھر کون ہمت کر سکتا تھا کہ انہیں صحیح لائنوں پر چلنے کے لئے آمادہ کرے یا ان کو ہلاکت آفرینیوں اور ستم رانیوں سے باز رکھ سکے۔

علماء کی حالت

اگرچہ ایسے علماء موجود تھے جن میں معاشرہ کو درست کرنے کی صلاحیتیں تو موجود تھیں لیکن ان میں اتنی قوت نہ تھی کہ وہ پامردی کے ساتھ ان کے مقابلہ کے لئے میدان میں اتریں اور صف آراہوں عوامی مصالح کے تقاضوں کو نہ ملحوظ رکھتے ہوتے اگرچہ شدائد و محن پر صبر کے دامن کو تار تار نہیں ہونے دیتے تھے اور دعوت الی اللہ کے مشن کو پوری گرم جوشی اور شجاعت کے ساتھ ادا کر رہے تھے لیکن طاغوتی طاقتیں، ابلیسی سازشیں اور ناپاک عناصر ان کی مخالفت میں معروف تھیں اور عوام کو وارننگ دے رہے تھے کہ اگر تم امن و اطمینان کے ساتھ زندگی گزارنا چاہتے ہو تو اس کیلئے ضروری ہے کہ علماء کی جماعت کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا جائے۔ اور ایک فرد بھی ایسا موجود نہیں ہونا چاہیے جو لوگوں کو عذابِ خداوندی سے خوفزدہ کرے اور دردناک عذاب کی خوفناکیوں اور وحشت ناکیوں سے بچنے کا درس دے۔

علماء کے قتل کیلئے قصیم میں فسادی لیڈروں کا اجتماع

۱۹۴ سنہ میں قصیم کے فسادی لیڈر علماء سے نپٹنے کے لئے جمع ہوئے ہیں۔ بحث و تمحیص کے بعد فیصلہ کیا گیا کہ اسلام کی تبلیغ کرنے والے علماء، شیوخ، واعظوں اور فقیہوں کو ایک ہی دن میں قتل کرنے اور ان سے نجات حاصل کرنے کے لئے عوامی نمائندوں کا اجلاس بلایا جائے اور اس اجلاس میں تمام شہروں سے ایک ایک نمائندہ شریک ہو چنانچہ مقررہ تاریخ جمعہ کے روز علماء کی سرکوبی کے لئے تمام شہروں سے علماء کے دشمن منعقدہ کانفرنس میں شریک ہوتے ہیں پوائنٹ آف آرڈر کا حوالہ دیتے

ہوتے ایک ناپاک لیڈر علماء کے خلاف ہرزہ سرائی کرتے ہوئے کہتا ہے کہ یہ لوگ ہماری آزادی کے خلاف پابندیاں عائد کرنے پر زور دے رہے ہیں اور ہمارے نظریات کو بے ہودہ سمجھتے ہیں اور ہمارے کاموں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ آپ لوگ کھل کر ان کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کریں زیادہ دیر تک ہم ان کے طعن و تشنیع کو برداشت نہیں کر سکتے ایک بدطینت ہرزہ سرائی کرتے ہوئے کہتا ہے کہ انہیں نجد کے علاقہ سے جلاوطن کر دیا جائے دوسرا کہتا ہے انہیں گرفتار کر کے جیلوں میں بند کر دیا جائے اور تا زندگی رہا نہ کیا جائے تیسرا ان کی سرکوبی کرنے کی رائے کا اظہار کرتا ہے لیکن ان تینوں کے خیالات کو پسندیدہ نگاہوں سے نہیں دیکھا جاتا اس لئے کہ ان کے ناپاک مقاصد کی تکمیل کے لئے یہ تدابیر بالکل فرسودہ اور ناکافی تھیں بالآخر اس تجویز پر تمام عوامی نمائندوں کا اتفاق ہو جاتا ہے کہ ان سے نجات کا صرف ایک ہی ذریعہ ہے کہ ایک ہی دن تمام شہروں میں ان علماء کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے اس سے جہاں ہماری قوت کا سکہ عوام کے دلوں پر بیٹھ جائے گا وہاں آئندہ کے لئے فضا ہمارے حق میں سازگار ہو جائیگی۔

عوامی نمائندگان کشاں کشاں اس بشارت آمیز فیصلہ کو لیکر اپنے علاقوں کی طرف چل دیئے اور مقررہ تاریخ پر ہر بستی اور ہر شہر میں جلیل القدر علماء کو قتل کر دیا گیا۔ الجزاء والوں نے اپنے شہر کے عالم جلیل منصور ابوالخیل کو جمعۃ المبارک کے روز عین اس وقت موت کی نیند سلا دیا جبکہ وہ جمعۃ المبارک کی امامت کے فرائض سرانجام دینے کے لئے مسجد کی طرف جا رہے تھے ان کے بعد ثنیان ابوالخیل کو قتل کیا گیا تا آنکہ شہر کے جمیع علماء کا صفایا کر دیا گیا الجناح والوں نے اپنے شہر کے عالم جلیل نابینا انسان کو نہ صرف قتل کیا بلکہ سر کے بل تختہ دار پر لٹکانے کیلئے اس کے دونوں پاؤں میں رسی باندھی گئی اور تقریباً تمام شہروں اور دیہاتوں میں وہاں کے علماء کے ساتھ وہی برتاؤ کیا گیا جو کہ ان دونوں شہروں کے علماء کے ساتھ روا رکھا گیا تھا علماء اور نیک انسانوں کے قتل کا بازار اس لئے گرم کیا گیا تھا تاکہ عوام الناس ان کے فتووں اور وعظوں سے نجات حاصل کر سکیں اور نہایت پرامن اور سازگار فضا میں کھل کر گناہوں کی لذتوں سے سرشار ہو سکیں اور ناپاک منصوبوں اور عیاشیوں کو پروان چڑھا سکیں۔

مورخ ابن غنام نے (روضۃ الافکار) میں ان کی زندگی کے ناسوروں کو بالاستیعاب بیان کیا ہے اور ان کی دینی زندگی میں جو قباحتیں اور بے حیائیاں سر نکال چکی تھیں ان کو بھی طشت ازبام کیا ہے ہم تے

اپنے قارئین کی واقفیت کیلئے تاریخ ابن غنام سے چند واقعات کا ذکر کرکے ان سے پردہ کشائی کی ہے کہ کس طرح ان لوگوں کی اسلامی زندگی خالص مشرکانہ ماحول میں تبدیل ہو چکی تھی اور نجد کا تمام علاقہ شرک و بدعت جیسی ناپاک بیماریوں کا گڑھ بنا ہوا تھا۔

نجد، احساء اور دیگر علاقوں کے لوگ شرک میں مستغرق تھے۔ خواہشات نفسانی اور شیطانوں کے پسندیدہ افعال کا اتباع ان کی زندگی کے مقاصد میں داخل تھا۔ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پس پشت ڈال دیا گیا تھا۔ اسلام کی اصل تعلیمات سے بے بہرہ ہو چکے تھے اور اس سے ناواقفیت کا اظہار کرتے تھے اس لئے کہ اسلام کا اصول امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ان کی حیوانی خواہشات کے بالکل برعکس تھا ان کی طبیعتوں میں بے شرمی، بے حیائی کے دواعی موجزن تھے اور ان کے عقائد میں غیر اسلامی نظریات پرورش پا رہے تھے، اللہ کی عبادت سے روگردانی کرتے ہوئے غیر اللہ کی عبادت اور اطاعت میں مصروف تھے مصائب اور مشکلات کے وقت غیر اللہ سے فریاد رسی کرتے تھے ان سے ہی کشائش رزق اور دفع مضرت کی درخواستیں کر رہے تھے اور آستانۂ خداوندی سے باغی ہو کر غیر اللہ کے دروازوں کی دھول چاٹ رہے تھے، درختوں پتھروں کے ساتھ ان کی عقیدت وابستہ تھی۔ انہیں نفع ونقصان کا مالک سمجھنے لگے تھے، غرض ان کے اعتقادات جاہلیت اولی کے اعتقادات سے کچھ کم نہ تھے۔ علماء اور صلحاء کی نصیحتوں سے بے بہرہ ہو چکے تھے۔ بالآخر ان سے نجات حاصل کرنے کے لئے انہیں موت کی آغوش میں سلا دیا گیا تاکہ شرک اور بت پرستی کے لئے فضا صاف ہو جائے اور صرف اسلام کا وجود برائے نام باقی رہ جائے اور اسلام کی تعلیمات کو مٹا دیا جائے۔

جب کسی قوم کی مذہبی حالت قائم نہیں رہتی تو اس کے ساتھ ساتھ دینوی معاملات میں بھی اضمحلال رونما ہونے لگتا ہے۔ یہاں تک کہ زندگی کے تمام شعبوں میں شیطان کا تسلط ہو جاتا ہے۔ اور باطل سر نکال کر چلتا ہے، رشد وہدایت کے تمام دروازے مسدود ہو جاتے ہیں گویا کہ شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہابؒ کے قریب دور میں نجد کا علاقہ شرک اور وثنیت کے پنجوں میں جکڑا ہوا تھا۔

الفداء قصبہ میں کھجور کا ایک درخت جس کا نام فحال تھا اس کی زیارت اور عبادت کے لئے دور دراز سے مرد وزن آتے رہتے اور وہاں پہنچ کر ایسے افعال کا ارتکاب کرتے۔ جنہیں دین، عقل، ذوق سلیم کسی طرح بھی پسند نہیں کرتا تھا اور جس انداز سے اللہ پاک کی عبادت کرنی چاہیئے۔ اسی

انداز سے اس کے سامنے پیشانیوں کو رگڑتے۔ بیمار انسان شفایابی، تنگ روزی والے کشائش رزق اور مصیبت زدہ انسان مصائب کے دفعیہ کیلئے فحال کی زیارت کیلئے سرگرداں رہتے اور کنواری عورتیں نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ فحال کے سامنے ہاتھ اٹھا کر دعائیں کرتیں کہ اے سانڈوں کے سانڈ! سال گزرنے سے پہلے مجھے رشتہ زوجیت میں منسلک کر دیجئے اس آہ وزاری کے بعد نوجوانوں کے نفس امارہ کو برانگیختہ کرنے والی حرکتوں اور عادتوں کو بروئے کار لانے میں شرم وحیا کے تقاضوں کو اتار دیتیں اور جب وہ کسی کی جنسی خواہشات کی تسکین کا سبب بنتیں تو فوراً ان کے دلوں میں یہ تصور پیدا ہو جاتا کہ اس کامیاب زندگی کا سہرا فحال کے سر پہ بندھتا ہے اور اس نے ہی ہمیں زندگی کی مسرتوں سے ہمکنار کیا ہے۔

طرفیہ درخت کا تقدس: فحال کی طرح طرفیہ نامی درخت کو بھی مقدس مانا جاتا تھا اگر کسی عورت کے ہاں لڑکا پیدا ہوتا تو درخت کے ساتھ اس اعتقاد کے ساتھ دھاگے باندھتی کہ اس سے لڑکے کو درازی عمر نصیب ہوگی چنانچہ اس درخت پر دھاگوں اور رسیوں کا اس قدر انبار دکھائی دیتا ہے کہ درخت کی شاخیں اور تنا نظروں سے اوجھل رہتا ہے۔

بنت الامیر کی قبر

درعیہ کے پہاڑ کے دامن میں بہت بڑی غار دکھائی دیتی ہے۔ جہاں جاہلوں کا ہجوم رہتا ہے ان کے خیال میں وہاں بنت الامیر کی قبر ہے جس کے متعلق مشہور ہے کہ وہ لڑکی اولیا واللہ سے شمار ہوتی ہے۔ عوام عقیدت مندی کے ساتھ اس کا حج کرتے ہیں اور اس سے فریاد رسی کرتے ہیں اس اندھی عقیدت کا پس منظر یہ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ لڑکی ایک دن کسی کام سے باہر نکلی اور پہاڑی کے دامن سے گزر رہی تھی کہ نوجوانوں کی ایک جماعت کو اس کے مسحور کن حسن نے دیوانہ بنا دیا وہ اس کے شرف انسانی کو تاخت وتاراج کرنے کے عزم سے جب اس کے قریب پہنچے تو لڑکی چونکہ پاکدامن تھی اس لئے وہ عصمت دری پر آمادہ نہ ہو سکی وہ مرجانا پسند کر سکتی تھی لیکن ان بدمعاشوں کی ہوس کا نشانہ بننا اسے قطعاً گوارا نہ تھا وہ بارگاہ الٰہی میں ملتجی ہو کر ان سے نجات پانے کی دعا کرتی ہے ابھی اس نے دعا کے لئے اٹھائے ہوئے ہاتھوں کو نیچے نہیں کیا تھا کہ ایک پتھر کا سینہ چاک ہو جاتا ہے اور وہ لڑکی اس میں داخل ہو کر محفوظ ہو جاتی ہے۔ اس واقعہ کے پیش نظر لوگ اس لڑکی کی قبر

پر ہجوم رکھتے کہ وہ ہماری مصیبتوں کو دُور کرنے کی طاقت رکھتی ہے ان جاہلوں کو سوچنا چاہیئے کہ جس طرح مصیبت کے وقت اس لڑکی نے اپنے پروردگار سے مدد کی درخواست کی ہے اس طرح ان کو بھی مصائب کے وقت صرف وحدہٗ لاشریک کے دروازے سے نجات کی بھیک مانگنی چاہیئے اگر یہ واقعہ صحیح ہے تو اللہ پاک نے اس لڑکی کو ان سے نجات بخشی اور اس کو یہ اعزاز نصیب ہوا لیکن واقعہ صحیح معلوم دکھائی نہیں دیتا۔ کسی کذاب انسان نے لوگوں کی عقلوں کو گمراہ کرنے کے لئے شعبدہ بازی اور حرام طریق سے مال ودولت فراہم کرنے کے لیئے افسانہ گھڑ لیا ہے ۔

خرج نام کا نام نہاد نابینا ولی

باطل نظریات کے دلدادہ انسانوں کا خیال تھا کہ خرج مقام کا نابینا انسان باوجود معذور ہونے کے خرج سے درعیہ بغیر کسی راہنما کے پیدل سفر کرتا ہے اور وہاں سے نجد کی آخری سرحدوں تک پہنچ جاتا ہے دوران سفر نہ اس کو قائد کی ضرورت ہوتی ہے اس کے باوجود نہ وہ گڑھے میں گرتا ہے نہ کسی پتھر سے ٹکراتا ہے نہ کسی درخت سے متصادم ہوتا ہے نہ اس پر چور حملہ کرتے ہیں حالانکہ اس کے پاس بے پناہ دولت موجود ہوتی ہے اور نہ ہی وحشی درندوں کے حملوں سے خوف زدہ ہوتا ہے ۔

عوام الناس اسے ولی سمجھنے لگے۔ اس کے فوت ہو جانے کے بعد اس کی قبر کو عقیدتوں کا مرکز بنا لیا گیا اور اس کی پوجا شروع ہو گئی اور اس نظریہ کو پھیلایا گیا کہ اگر وہ اللہ کا ولی نہ ہوتا تو پہاڑوں اور جنگلات کا سفر اکیلا نہیں کر سکتا تھا اس قسم کے واقعات کثرت کے ساتھ تفصیلاً ابن غنام کی کتاب میں مذکور ہیں چنانچہ کوئی شہر اور قصبہ ایسا نہیں تھا جہاں کے باشندے کسی خاص مقام، قبر، خانقاہ یا مسجد کو مقدس تصور کرتے ہوئے اس پر ہجوم نہ رکھتے ہوں اور فریاد رسی کے لئے وہاں نہ جاتے ہوں، وہاں جانوروں کو ذبح نہ کرتے ہوں اور اعتکاف نہ بیٹھتے ہوں اور نذر و نیاز کا سلسلہ جاری نہ رہتا ہو حالانکہ ان تمام عبادات اور نذر و نیاز کا استحقاق صرف اللہ پاک کی ذات کو حاصل ہے ۔

بالاختصار ذہن نشین کر لیجئے کہ شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب کی ولادت سے قبل نجد کی مذہبی حالت ناگفتہ بہ حد تک اضمحلال سے ہمکنار تھی اور یہ کہنا بالکل درست ہے کہ عام فضا شرک، بدعت اخلاقی امراض کی وبا سے مسموم اثرات کی آغوش میں تھی۔ اسلامی حکومت کے زوال کی وجہ سے سیاسی حالات

بھی ابتر ہو چکے تھے۔ توحید و سنت کی بجائے شرک و بدعت کا بازار گرم تھا اور قبائلی نسبی عصبیتوں کی بنیاد پر اقتدار کی منتقلی ہو رہی تھی۔ عدل و انصاف کو طاق نسیاں کے سپرد کر دیا گیا تھا۔ شہروں، قصبوں، دیہاتوں کے باہمی تعلقات منقطع ہو چکے تھے اور ہر شہر الگ یونٹ تھا اور اس کا حاکم تعصب، جہالت خواہش نفسی کا اس قدر غلام بن چکا تھا کہ عقل و شعور، عدل و انصاف اور شریعت اسلامیہ کے اصولوں سے اسے کچھ واسطہ نہ تھا۔ اندھی عصبیت اور شقاوت قلبی نے دل کی آنکھوں کو نور بصیرت سے محروم کر دیا تھا، کمزور اور شریف لوگ تلوار بے نیام سے تہ تیغ ہو رہے تھے۔ آبادیاں کھنڈرات کا منظر پیش کر رہی تھیں، آبروئیں عصمتیں لٹ رہی تھیں۔ قتل، لوٹ مار، بدامنی بے چینی کا مظاہرہ ہو رہا تھا اقتدار کے نشہ سے حکام بدمست تھے اور ہوس ملک گیری نے جنگ و جدال کا بازار گرم کر رکھا تھا نجد کا علاقہ میدان جنگ کی شکل اختیار کر گیا تھا۔ تلواریں چمک رہی تھیں انسانی لاشیں تڑپ رہی تھیں۔ عورتوں کو جنسی تسکین کیلئے اغوا کیا جا رہا تھا۔ عصمت فروشی کا المناک منظر عتاب خداوندی کو دعوت دے رہا تھا کمینے اوباش شریف عورتوں کی عصمت دری کے لئے دندناتے پھر رہے تھے۔ بچے نیزوں کی انیوں پر موت کی نیند سلائے جا رہے تھے آباد شہروں کو قبرستان میں تبدیل کیا جا رہا تھا زندگی دم توڑ رہی تھی اور شریعت کا جنازہ نکل چکا تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ انسانوں نے وحشی خونخوار حیوانوں کا روپ دھار لیا ہے درندے اور انسان باہم دست و گریباں تھے، ہوس زر نے انسانوں کو لوٹ مار کرنے پر آمادہ کر لیا تھا۔ طوائف الملوکی کا دور دورہ تھا، امن و سکون غارت ہو چکا تھا۔ مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچانے والے حکام ناپید تھے افراتفری اور لاقانونیت کی اس کیفیت نے عوام و خواص کی حس کو بیدار نہ کیا بلکہ ہر شخص اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے ناجائز ذرائع استعمال کرنے لگا۔ غرض معاشرہ غیر اسلامی حالات و کوائف کا اندوہناک منظر پیش کر رہا تھا۔

درعیہ کا امیر

درعیہ بشمول ملحقہ دیہات و قصبات کا حکمران آل سعود کی طرف سے متعین تھا جو عدل و انصاف، عظمت شان اور معاملہ فہمی میں دوسرے حکام سے سرآوردہ تھا۔ نجد کے دیگر شہروں کی بہ نسبت یہ شہر زیادہ آباد تھا اور اس کے باشندوں میں شجاعت قوت و اتحاد کے اوصاف نسبتاً

زیادہ تھے۔

عیینہ کا امیر

عیینہ میں آل معمر کی طرف سے مستقل حکمران موجود تھا اگرچہ وہ قوت اور شجاعت و عظمت میں سعودی حکمران کا ہم پلہ تو نہ تھا لیکن عدل و انصاف اور صالحیت کے اوصاف سے متصف ضرور تھا۔

ریاض کا حاکم

ریاض کا حکمران دہام بن دواس ظالم دجال منافق اوصاف کا حامل انسان تھا جو کسی نظریہ اور عقیدہ پر قائم نہیں تھا محرمات اسلامی کو حلال جانتا تھا جوں ہی اس نے زمام حکومت کو تھاما شریف بے گناہ انسانوں کو اپنے ظلم کا نشانہ بنایا اور احتساب کے شکنجہ کو سخت کر دیا ایک بیگناہ عورت پر جب ناراض ہوا تو اس کے ہونٹوں کو ملا کر سی دیا اور ایک قیدی جو دانتوں کے ساتھ بیڑیوں کو کاٹنے میں کامیاب ہو گیا تھا اس کے دانتوں کو توڑ دیا اور ایک غیر مجرم کو اسقدر شدید عذاب میں مبتلا کیا کہ شاید تاریخ انسانی اس کی مثال پیش نہ کر سکے اس کے ران سے گوشت کا ایک ٹکڑا کاٹا گیا اور اسے مجبور کیا گیا کہ وہ گوشت کے اسی لوتھڑے کو تناول کرے جب اس نے منہ میں ڈالنے سے انکار کیا تو بھون کر اس کے منہ میں ٹھونسا گیا۔ ریاض کے حکمران دہام کے جرائم اور اذیتیں اسکی دیوانگی اور توحش کی آئینہ دار ہیں۔

آل سعود اور آل معمر کے علاوہ دیگر امراء اور حکمران اگرچہ وحشت و بربریت میں دہام کے ہم پلہ نہ تھے لیکن ان کی جہالت کا کرشمہ سمجھئے کہ وہ قتل و غارت جنگ و جدال اور اقتدار کی پامالی کے علاوہ کسی چیز سے متعارف نہ تھے اور ہر حکمران اس گھات میں رہتا کہ کب ہمسایہ سلطنت کا حکمران دفاع کی قوت سے عاری ہوتا ہے تاکہ اس کو بھی ہوس ملک گیری کا نشانہ بنا کر اپنے زیر استداب لے آئے۔

اقتصادی، سیاسی، دینی امور میں فساد رونما ہو چکا تھا۔ رہزنوں اور ڈاکوؤں نے تجارتی راستوں کو مسدود کر دیا تھا اور درآمد و برآمد کا سلسلہ منقطع ہو چکا تھا۔ تجارتی مال کے بیرون ملک بھیجنے میں اگرچہ مالی منفعت زیادہ تھی لیکن غارتگری کے خوف نے انہیں مجبور کر دیا تھا کہ تجارتی مال و متاع کو

کم منافع پر اندرونِ ملک ہی فروخت کیا جائے۔

ملک میں اجناسِ خوردنی نے قحط کی کیفیت پیدا کر دی تھی شاید اس لئے کہ

زراعت ملک کا سر سبز قابلِ کاشت رقبہ دشمنوں کی چیرہ دستیوں سے بنجر بن چکا تھا اور بیرونِ ملک سے خوراک کی رسد کا انتظام حالات کے تقاضوں کو پورا کرنے سے قاصر تھا اور کسی تجارتی قافلے کا مضبوط اور دلیر محافظوں کے بغیر ملک کے حدود میں سلامتی کے ساتھ پہنچ جانا ناممکن تھا بلکہ بسا اوقات قافلوں کے محافظ شدید مدافعت کے باوجود لٹیروں اور ڈاکوؤں کے حملوں کی تاب نہ لاکر شکست سے دوچار ہو جانے اور موت کی نیند سلا دیئے جاتے اس طرح زراعت پیشہ لوگ بھی کاشت کاری کی آمدنی کو ناکافی تصور کرتے ہوئے ڈاکوؤں اور لٹیروں سے مل گئے اور سر سبز شاداب کھیت بے آب و گیاہ جنگل کا منظر پیش کرنے لگے۔ کسی ملک کے اقتصادی حالات اس وقت قابلِ رشک ہوتے ہیں جبکہ آمد و رفت کے ذرائع مامون ہوں۔ حالات کی سازگاری، علم و عرفان کی فراوانی، عدل و انصاف کی جلوہ گری اور انتظامی امور کی صحت مندانہ پالیسی کا دور دورہ ہو اور اگر معاشرہ میں یہ خوبیاں موجود نہ ہوں تو اقتصادیات کا جنازہ نکل جاتا ہے تجارت کی جلوہ طرازیاں مفقود ہو جاتی ہیں اور صنعتی ادارے بحران کا شکار ہو جاتے ہیں چنانچہ نجد میں بھی جب انتظامی ڈھانچہ کھوکھلا ہو گیا۔ امن و اطمینان غارت ہو گیا۔ علم کی شعاعیں ماند پڑ گئیں اور عادلانہ نظام ظلم و ستم کی شکل میں جلوہ آرا ہوا تو فرعونیت نے معاشرہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ قحط سالی کے مہیب بادلوں نے نجد کی فضائے بسیط کو اپنے گھیرے میں لے لیا۔ تجارتی کاروبار ادبار کے تند و تیز جھونکوں کے ہاتھوں برباد ہو گیا۔ روٹی کا مسئلہ نازک صورت اختیار کر گیا۔ قحط اور بھوک کی شدت عوام کو غارتگری پر اکسایا ملک کا نظم و ضبط درہم برہم ہو گیا۔ لوٹ مار خون خرابہ نے ملک کے امن و امان کو تہ و بالا کر دیا اور تمام معاشرہ بے چینی اور اضطراب کی لپیٹ میں آ گیا۔ باہم آویزش عناد اور دشمنی کی اشتعالی کیفیت نے تمام ملک کو اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔

جہالت کی کرشمہ سازیاں دیکھئے کہ ملت کی اصلاح و تجدید کیلئے کسی کے دل میں حرارت نہ تھی اور ظلم کی جولانیوں کو پابند سلاسل کرنے کے لئے کوئی شخص آہنی سلاخوں کو توڑنے کی جسارت اپنے میں نہیں پاتا تھا۔ حریصانہ نگاہوں نے سوچ کے دروازوں کو مقفل کر دیا تھا حالات کی ناسازگاری

زندگی کے تمام شعبوں میں رقص کر رہی تھیں۔ اخلاقیات بھی فاسد اور زہریلے جراثیموں کی آلائش سے محفوظ نہ تھے، ہمدردی، رحم دلی اور پڑوسیوں کی دیکھ بھال کا جذبہ جن کو جاہلیت اولی میں بھی بہر صورت زندہ رکھا گیا اب معاشرہ کا دامن ان سے خالی تھا، مدارس ناپید تھے، مسجدیں ویران تھیں، علم کی محفلیں ماتم کناں تھیں، علماء ظلم وستم کی چکی میں پس رہے تھے امر بالمعروف نہی عن المنکر کرنے والے دلیر علماء میدان جنگ میں شہادت کی سرفرازی سے شادکام ہونے کے لئے بے تاب تھے اور ان کے خون سے اس لئے ہاتھ رنگے جا رہے تھے تاکہ فحاشی و بے حیائی کے خلاف اٹھنے والی آواز کو ہمیشہ کیلئے ختم کر دیا جائے البتہ ایسے علماء ابھی تک محفوظ تھے جو صرف علوم اسلامی کا تحفظ کر رہے تھے اور علم کی مشعلوں کو روشن کئے ہوئے تھے اگرچہ ان کی تعداد کچھ زیادہ نہ تھی اور نہ ہی دعوت و ارشاد کے میدان میں سر بکف ہو کر جلوہ آرا تھے، ظلم وستم کی فرماں روائی شرک و بدعت کی اجارہ داری کسی مصلح کی آمد کا شدت سے منتظر تھی۔ تا آنکہ اللہ پاک نے شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب کا انتخاب فرمایا انہوں نے تاریکی اور جہالت کے مٹانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی مشرکانہ فضا کو توحید کے نغموں سے معمور کیا اسلام کی اصل شکل کے خدوخال کو اجاگر کیا نکبت و ادبار کے پیمانوں کو شکستگی سے دوچار کیا اور انسانیت کو از سر نو کریمانہ و فاضلانہ زندگی کی سعادتوں سے ہمکنار کیا۔

شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہابؒ کا نسب نامہ

شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب بن سلیمان بن علی بن محمد بن احمد بن راشد بن برید بن شرف بن عمر حضاد بن رئیس بن زاخر بن علوی بن وہیبؒ ہیں بالآخر نسب نامہ عرب کے مشہور قبیلہ تمیم بن سر بن ادین طابخہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن عدنان کے ساتھ جا ملتا ہے۔ اور بنو تمیم قبیلہ الیاس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب شریف کے ساتھ جا ملتا ہے شیخ الاسلام کے دادا سلیمان اور باپ عبدالوہاب کے علاوہ دیگر اوپر کے سلسلے کے حالات بیان کرنے کی چنداں ضرورت نہیں لہذا صرف سلیمان اور عبدالوہاب کے مختصر حالات پیش کئے جاتے ہیں۔

شیخ سلیمان کے مختصر حالات۔ شیخ سلیمان عیینہ شہر کے تمام علماء سے زیادہ فقیہ تھے اور نجد کے فائق علماء میں ممتاز حیثیت کے تھے، فقہ حدیث، اصول حدیث، علوم قرآن

اور ادب عربی میں انکی سیادت قابلِ رشک تھی۔ اسلامی علوم اور ثقافت اسلامیہ اور امام احمد بن حنبل کے فقہی تصورات میں ان کی خدمات کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ فقہ حنبلی کے علاوہ دیگر مذاہب مشہورہ کے فقہی مسائل پر بھی وہ عبور رکھتے اگرچہ فتویٰ صرف امام احمد بن حنبل کے مذہب کے مطابق دیتے تھے جس کی تمام جزئیات ان کے ذہن میں مستحضر تھیں۔ تبحر علمی کے ساتھ ساتھ مومنانہ اوصاف و اخلاق کا نمونہ تھے۔ تواضع، شجاعت، سخاوت جیسے اوصاف حسنہ سے مزین تھے ان کے اخلاق عالیہ اور علوم اسلامیہ میں تعمق کا یہ عالم تھا کہ نہ صرف عوام الناس بلکہ حکام اور امراء بھی ان کے معتقد ہو چکے تھے چنانچہ عیینہ کے حاکم امیر عبداللہ بن معمر انہیں قدر و منزلت کی نگاہوں سے دیکھتے اور ان کے مشوروں کی روشنی میں فیصلے نافذ کئے جاتے اور بعض جنگوں میں بھی انہیں شریک کیا جاتا تاکہ فوجیوں کے حوصلے جوان ہوں اور وہ جنگ کی تنگ تابیوں میں سینہ سپر ہو کر دادِ شجاعت دیں فیصلہ کرنے کی خداداد قابلیت کا یہ عالم تھا کہ فریقین فیصلہ پر رضامندی کا اظہار کرتے اور محکوم علیہ کو ان کے خلاف کچھ گلہ نہ ہوتا اس لئے کہ وہ یقین رکھتے تھے کہ شیخ سلیمان کی شفقتیں حقیقی باپ کی شفقتوں سے کچھ کم نہیں اور کوئی بیٹا اپنے باپ کے فیصلوں پر ناراضگی کا اظہار نہیں کرتا اگرچہ اس پر ظلم کیوں نہ ہو رہا ہو لیکن معاذ اللہ شیخ سلیمان کے متعلق یہ باور کیا جائے کہ وہ کسی فیصلہ میں فریقین میں سے کسی کو نشانۂ ستم بنائے۔

فتووں کی شہرت :۔ ان کے فتووں اور فیصلوں کی شہرت دیگر شہروں میں بھی پہنچ جاتی ہے چنانچہ ان کے پاس نجد کے دوسرے شہروں سے فتوے اور فیصلے آنے لگے اور علم کے طلبگار علمی پیاس بجھانے اور روحانی غذا کے حصول کیلئے عیینہ میں آنے لگے اور شیخ سلیمان کا مہمان خانہ ان کی رہائش، خوراک اور تحصیل علم کے لئے کھلا رہتا ان کے خوشہ چینوں میں سے شیخ علامہ احمد بن محمد قصیر اور اس کے صاحبزادے شیخ محمد ابراہیم اپنے شہروں میں علم کا مینار ثابت ہوئے۔ فتووں اور فیصلوں اور تدریسی مصروفیات کے ساتھ ساتھ علم فقہ میں ان کے قلم سے کچھ کتابیں منصہ شہود پر جلوہ گر ہوئیں۔ انکی کتاب تحفتہ المناسک فی احکام المناسک ۱۳۵۴ھ میں زیور طبع سے آراستہ ہوئی۔

الاقناع تالیف ابو موسیٰ الحاوی الصالحی کی شرح لکھی لیکن جب معلوم ہوا کہ علامہ مدنی شیخ منصور اس کی شرح تحریر کر چکے ہیں تو وضعداری کے تقاضوں کے پیش نظر اپنی کاوشوں کے مجموعہ کو تلف کر دیا۔

شیخ سلیمان کی وفات : آپ ۱۰۷۹ھ (۱۶۶۸ء) میں فوت ہوئے۔

پانے پیچھے چند لڑکے چھوڑ گئے جن کا مشغلہ صرف تعلیم وتعلم تھا ان میں دو لڑکے شیخ عبدالوہاب اور شیخ ابراہیم علمی جلالت کے آسمان کے درخشندہ ستارے بنے البتہ شیخ عبدالوہاب شیخ الاسلام کے والد تفوق علمی اور شہرت میں گوئے سبقت لے گئے نہ صرف یہ کہ اس نے اپنے والد کے مقام کی خانہ پُری کی بلکہ صحیح معنی میں وہ اپنے والد کے جانشین ثابت ہوئے اور انہیں رئیس العلماء کا منصب عطا ہوا اور ان کے فتووں کو آخری کوشش کی حیثیت سے نوازا گیا۔

شیخ عبدالوہاب کے حالاتِ زندگی

شیخ عبدالوہاب باوقار جلیل القدر سلفی العقیدہ حنبلی المذہب متواضع لیکن باوقار عالم تھے علم فقہ حدیث، تفسیر، علوم قرآن اور عربی ادب میں ممتاز حیثیت کے مالک سمجھے جاتے تھے نہ صرف مسجد میں تدریس کا سلسلہ جاری تھا بلکہ گھر میں بھی انتظام تھا اور طلبگارانِ علم ان کی درس گاہ میں پہنچ کر علم و اخلاق کے موتیوں سے اپنے دامنوں کو بھر رہے تھے۔ تصنیفی میدان میں علم تفسیر فقہ حنبلی اور دیگر ائمہ کرام کی فقہ پر رسائل تحریر فرمائے سچی بات تو یہ ہے کہ شیخ عبدالوہاب کا گھر علم و فضل اور اخلاق کی تربیت کا گہوارہ تھا یہ کہنا درست ہے کہ عینیہ کے حاکم کا گھر اس قدر مرجع عوام وخواص نہ تھا جس قدر شیخ سلیمان کے گھر میں عوام وخواص کا ہر وقت جمگھٹا لگا رہتا تھا یہاں تک کہ عینیہ کے حاکم اور اس کے صاحبزادے بھی اس خانوادہ کے چشمۂ علم سے سیراب ہو رہے تھے لیکن شیخ سلیمان اور ان کی آل کو کسی دانش گاہ کی طرف جانے کی ضرورت نہ تھی، خصوصاً جب شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب کی ولادت باسعادت کا شرف آلِ سلیمان کے حصہ میں آیا تو اسکی برکتیں اور قوتیں اُبھرنے لگیں اور اسکی عظمت کیلئے یہی کافی ہے کہ اس وقت یہی ایک خاندان صحیح عقیدہ اور دعوت الی اللہ کا سرچشمہ تھا اور تمام نجد اس کی شعاعوں سے روشن ہوا۔ اور گمراہ انسانوں کو رشد و ہدایت کی روشنی نصیب ہوئی اور آج تک دعوت وارشاد کا یہ آفتاب نجد کے اُفق پر چمک رہا ہے اور اس کی کرنوں سے تمام کرہ ارض بقعہ نور بنا ہوا ہے اور بیرون ملک اس خاندان کے عقیدت مندوں کو وہابی کے لقب سے جانا پہچانا جاتا ہے اور اندرون ملک آل الشیخ کے لقب سے متعارف ہیں۔

جس طرح شیخ محمد بن عبدالوہاب کے باپ دادا شریفانہ اخلاق کے مالک تھے۔ اسی طرح ان کے

فروغ بھی اللہ پاک کے بے پایاں فضل وکرم سے اور شیخ الاسلام کی برکتوں سے اپنے اصول سے خیر و برکت اور عمل صالح میں کہیں زیادہ بڑھے ہوئے ہیں۔

شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہابؒ کی ولادت اور نشوونما

جاہلیت کے اس دور میں شیخ عبدالوہاب کے گھر میں ایک بچہ پیدا ہوتا ہے اس کا نام اس لئے محمدؐ رکھا گیا تاکہ اس کے کارناموں کی تعریف ہی ہوتی رہے شیخ عبدالوہاب کے گھر کا ماحول علم و فضل کی تحصیل کا مرکز ہی نہ تھا بلکہ اخلاق فاضلہ اور موروثی شرافتوں کی ضیا پاشیوں کا بے مثال درخشندہ گہوارہ تھا اس لئے وہ اس دور کی جاہلانہ کجرویوں سے محفوظ رہے اور والدین کی سرپرستی میں انکی تربیت اسلامی ماحول میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد مکرم سے حاصل کی عالم طفولیت میں ہی قرآن پاک حفظ کر لیا اور فن تجوید کی مشقتوں سے فراغت اختیار کی عیینہ میں مدارس عربیہ نہ تھے اس لئے بچوں کو تحصیل علم کے لئے باہر دوسرے مدارس میں جانا پڑتا لیکن شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب کا اپنا گھر بہترین مکتب تھا۔ انہیں علم حاصل کرنے کے لئے باہر جانے کی ضرورت نہ تھی چنانچہ تحفیظ و تجوید کے بعد عام طور پر جتنے عرصہ میں کوئی بچہ ابتدائی تعلیم کے حصول سے فراغت حاصل کرتا ہے اس سے کہیں تھوڑے عرصہ میں اپنی خداداد ذہنی صلاحیتوں اور حیران کن دماغی نجابتوں اور قوت حافظہ کی بے پناہ کرشمہ سازیوں سے علوم قرآن، ادب عربی اور علوم دینیہ کے زیور سے مزین ہوئے۔ سن طفولیت کے بعد مزید تعلیم کے حصول کا شغف اس قدر زیادہ ہو گیا کہ صحیحین اور دیگر امہات حدیث کی کتابوں کی اکثر احادیث کو حفظ کیا اور جیسے جیسے ان کی عمر کی منزلیں بڑھتی گئیں ان کے علم و فضل میں اضافہ ہوتا چلا گیا ابھی بیس سال کی عمر کی منزل تک رسائی حاصل نہ کر پائے تھے کہ انہیں اپنے شہر میں ایک بہترین عالم کی حیثیت سے دیکھا جانے لگا اور چشم بددور حاسدانہ نگاہوں کا نشانہ بن گئے جہاں ان کی علمی وسعت کا چرچا تھا وہاں ان کے دلائل کا بانکپن اور حسن قابل فخر تھا لیکن اس کے باوجود تکبر اور غرور کی اصطلاحات کی ابجد سے بھی شاید انہیں کچھ تعلق نہ تھا۔

عالم شباب کے تقاضوں کے باوجود تواضع، حیا اور عفت جیسی عادتوں کے حسن لازوال کا

مرقع تھے۔ طلب علم کے لئے ایک عاشقِ صادق کی طرح بے تاب رہتے اگرچہ ان کا مایۂ علم اس قدر زیادہ تھا کہ جب انہوں نے اپنے نظریات کا دوسرے علماء کے نظریات کے ساتھ موازنہ کیا۔ تو اس نتیجہ پر پہنچے کہ عام علماء اور اُن کے نظریات میں شدید اختلاف موجود ہے اور جب انہوں نے اپنے ماحول میں معاشرہ کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھا تو انہیں سخت کوفت ہوئی کہ معاشرہ جہالت کی تاریکی میں مستغرق ہے اور بدعات و خرافات کے سیلاب نے انہیں جادۂ حق سے کوسوں دور کر دیا ہے اور عبادات میں شرک روا رکھا جا رہا ہے۔ غیر اللہ کے نام پر جانور ذبح کئے جا رہے ہیں ان کے نام کی نذریں دی جا رہی ہیں اور قبروں والوں سے توسل اختیار کیا جا رہا ہے۔ پتھروں قبروں اور اولیاء اللہ کی پوجا کی جا رہی ہے اور ان سے وہی کچھ مانگا جا رہا ہے جس کو صرف اللہ پاک سے ہی مانگنا چاہیئے۔ اور درختوں کو متبرک سمجھ کر ان کی عبادت کی جا رہی ہے غرض زندگی کے تمام شعبوں میں فساد رونما ہو چکا تھا۔ دین ان کے ہاں خرافات اور بدعات کا نام تھا۔ علماء پر فرض عائد ہوتا تھا کہ وہ اس کے خلاف محاذ آرائی کریں۔ لیکن وہ چپ چاپ خاموش تماشائی بنے رہے اور اپنی کمزوریوں کا عذر سامنے رکھتے ہوئے زبان سے کلمۂ حق کہنے کی جرأت نہ کر سکے البتہ ان کے دلوں میں نفرت کی کیفیت کا جذبہ کارفرما تھا اور کچھ ایسے علماء سوء بھی موجود تھے جو عوام کے ساتھ گھل مل کر رہتے تھے اور ان کے اعتقادات میں بھی کچھ تفاوت نہ تھا۔

لیکن شیخ الاسلام ان سے بالکل الگ تھلگ دکھائی دیتے تھے اس لئے کہ اسلام کا چشمۂ صافی ان کے علوم کا منبع اور مصدر تھا۔ سچائی کے اظہار میں ان کی شجاعت حیرانی کا منظر پیش کر رہی تھی وہ کمر ہمت باندھ کر میدان جہاد میں اتر پڑتے ہیں اور غیر اسلامی اقوال، افعال اور اخلاق کے خلاف پوسٹ مارٹم شروع کر دیتے ہیں اور ان کی قباحتوں کو الم نشرح کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے، علماء کی مداہنت کے وطیرہ سے سخت نالاں تھے چنانچہ خیر خواہانہ انداز میں علماء کی غیرت کو جھنجھوڑا۔ بعض نے دبی زبان سے تائید کی لیکن اکثریت ان علماء کی تھی جو عصبیت اور عزت نفس کے تحفظ کے لئے اس بہادر سلفی نوجوان کی عداوت سے لیس ہو کر انکی مخالفت میں محو تھے۔

باہمی جنگ و جدال اور مخاصمت کا بازار گرم ہو گیا صرف ان کے والد ان کے موقف اور مسلک کی تائید کر رہے تھے اگرچہ باپ بیٹے میں بھی بعض مسائل پر مناقشت کا سلسلہ جاری تھا۔

شیخ الاسلام نے معاشرہ کے فاسدانہ نظریات کے گمراہ کن نتائج سے باخبر رکھنے کے لئے اولاً علماء اور طالب علموں کو اپنی توجہات کا مرکز بنایا لیکن تمام تر کوششوں کے باوجود ان کو ان کی خواہشات کی غلامی سے نجات دلانے میں کامیاب نہ ہو سکے وہ نہ تو جمود کے جوئے کو اپنے گلوں سے اتارنے کے لئے تیار تھے اور نہ ہی بدعتوں کو چھوڑنے پر رضامند تھے جن میں وہ مدت سے مستغرق تھے۔

علماء سے مایوسی کے بعد اگرچہ عوام کی اصلاح بھی قدرے مشکل تھی، تاہم شیخ الاسلام ہمت نہیں ہارتے اور عامۃ الناس کے عقائد کو درست کرنے کیلئے اپنی جولانیوں کو تیز کر دیتے ہیں۔

انکی دعوت پر لبیک کہنے والے شیدائیوں کی مختصر جماعت ان کی ہمنوائی کرتی ہے چاپلوسی کرنے والے علماء کب برداشت کر سکتے تھے کہ عوام کالانعام انکے حلقہ اثر سے نکل کر شیخ الاسلام کے عقیدت مند بن جائیں اس تصور سے ان کا درجہ حرارت تیز ہو جاتا ہے اور شیخ الاسلام کی مخالفت میں ہر قسم کی کوششوں کو بروئے کار لانے کے لئے جمود کے بندھنوں کو اتار پھینکتے ہیں۔ شیخ الاسلام اور دنیا دار علماء کے منازعات کا دائرہ وسیع تر ہوتا گیا۔ لیکن ان کے والد شیخ عبدالوہاب، تلامذہ، معتقدین اور ان کا اپنا خاندان ہر قسم کی اعانت کے لئے تیار تھا شیخ عبدالوہاب نے جب حالات کا بغور مطالعہ کیا تو وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ خاندانِ وہابیہ اور ان علماء کے درمیان دشمنی اور عداوت کا حل صرف یہ ہے کہ ہم اس شہر سے ہجرت کر جائیں۔ وگرنہ خطرہ ہے کہ کہیں یہ علماء عوامی طاقت کے بل بوتے پر قوت استعمال کرتے ہوئے ہمارے کیمپ کو کہیں شدید نقصان سے دوچار نہ کر دیں لیکن شیخ الاسلام اپنے باپ کی اس رائے کے ساتھ موافقت کرنے سے معذرت پیش کرتے ہیں۔

اور اپنے مخالفین کو للکارتے ہیں اور پوری قوت، دلجمعی کے ساتھ ان کے مقابلہ میں سینہ سپر ہو جاتے ہیں۔

وہ لوگ مناظرہ کے میدان میں شیخ الاسلام کے دلائل کی قوت کا مقابلہ نہ پاتے ہوئے شکست سے دوچار ہوتے ہیں اور میدان ان کے حوالے چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔ دلائل کی کی زبان سے انحراف کرتے ہوئے مخاصمت اور مجادلت کے احمقانہ انداز کو اختیار کرتے ہیں۔

لیکن ان کے سوقیانہ حملوں کے باوجود شیخ الاسلام کے پائے استقلال میں لغزش نہیں آتی اور وہ بدستور عیینہ شہر میں رہنے کے عزم پر قائم ہیں اگرچہ ان کے والد شیخ عبدالوہاب اپنے خاندان کو ساتھ لیکر حریملا شہر میں سکونت اختیار کرنے کو ترجیح دیتے ہیں تاکہ دشمنوں کے ناپاک عزائم ان کے وجود

کو ملیا میٹ نہ کر سکیں۔ رفتہ رفتہ دشمنوں کے حوصلے بلند ہوتے گئے اور دشمنی کے شعلے بھڑکنے لگے اتفاقاً ان دنوں عیینہ میں ایک بیماری نے وبائی شکل اختیار کر لی اور اس کی زد میں آکر بے شمار لوگ موت کی آغوش میں چلے گئے شیخ عبدالوہاب نے وبائی مرض کے حملہ کے دوران شہر سے نکلنا جائز نہ سمجھا لیکن جونہی مرض کا حملہ ہلکا ہوا تو شیخ عبدالوہاب اپنے معتقدین اور خاندان کی معیت میں عیینہ چھوڑ کر ۱۱۳۹ھ میں حریملا شہر کی طرف چل دیئے۔ لیکن دشمنی کی شدت بدستور موجود تھی اب عیینہ میں شیخ الاسلام تن تنہا رہ گئے۔ ان کے تمام انصار معتقدین عیینہ چھوڑ چکے تھے۔ دوسری طرف مخالفین نے باطل نظریات، بدعات کی تشہیر میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی اور شیخ الاسلام کو مطاعن، استہزاء اور استخفاف کا ہدف بنایا لیکن وہ صبر اور استقامت کے ساتھ ان کے ناروا حملوں کا جواب دیتے رہے۔ عوام الناس کو حق کی طرف بلاتے رہے اور انہیں روشناس کراتے رہے کہ کس طرح علماء سوء نے دین کے اصل خدوخال کو مٹا دیا ہے اور بدعات مشرکانہ نظریات سے اسلام کی شکل کو قبیح بنا دیا ہے آپ بازاروں گلی کوچوں میں اعلانیہ توحید کے وعظوں میں اپنے مخالفین کو چیلنج کرتے رہے یہاں تک کہ چند نوجوان ان کے حلقہ عقیدت میں داخل ہو گئے۔ مخالفین کی نفرت میں اضافہ ہو رہا تھا اور ان کی اشتغالی کیفیت اس نقطہ پر پہنچ چکی تھی کہ کسی نہ کسی طرح اس نوجوان داعی کو مضبوط گرفت میں لے کر اس کی آواز کو خاموش کر دیا جائے۔ چنانچہ علماء، امراء اور عوام متحد ہو کر اس کی دعوت کے اثرات مٹانے کے لئے کبھی اس کو مزاح کا نشانہ بناتے ہیں کبھی لوگوں کا جم غفیر ان کا محاصرہ کئے ہوتا ہے اور طرح طرح کی دشنام طرازیوں اور گالی گلوچ سے ان کی بے عزتی کا جلوس نکالا جاتا ہے۔ لیکن وہ ان تمام مشکلات کو اکیلے برداشت کرتے ہیں اگرچہ ان کے انصار قلیل تعداد میں ہیں تاہم وہ بھی مصائب کا نشانہ بننے سے گریز نہیں کرتے اور اپنے قائد کی معیت میں صبر و شکر کے ساتھ مصیبتیں جھیلتے ہوئے رواں دواں رہتے ہیں لیکن مخالفین ان رفقاء کو کسی حد تک معذور سمجھتے ہیں۔ اصل مجرم صرف شیخ الاسلام کو ہی سمجھا جاتا ہے کہ اس نے ان نوجوانوں کو قومی رسوم و عادات کی مخالفت کا درس دیا اور دھوکہ دیکر اپنا گرویدہ بنا لیا چنانچہ عیینہ میں شیخ الاسلام کے خلاف دشمنی کی آگ کو اس زور سے بھڑکایا گیا کہ ان کا عیینہ میں رہنا مفید نتائج کا حامل نہ

رہا۔ خصوصاً یہ خطرہ کہ کہیں ان کے ساتھیوں کو خوف زدہ کر کے ان کو جماعت سے متنفر بنانے میں کامیاب نہ ہو جائیں بالآخر انہوں نے عیینہ سے ہجرت کرنے کا عزم کر لیا اور یہ فیصلہ کر لیا کہ جوں ہی حالات کی شدت کا زور ٹوٹے گا اور دعوت الی اللہ کے لئے فضا سازگار ہو گی تو پھر عیینہ میں واپس آ کر دعوت الی اللہ کا کام شروع کر دیا جائے گا چنانچہ شیخ الاسلام اپنے رفقاء کو الوداع کہتے ہیں لیکن عیینہ سے نکل کر حریملا کی طرف جانے کو پسند نہیں کرتے اس لئے کہ شیخ عبدالوہاب اور ان کے خاندان کے افراد کو پریشان کرنا مناسب نہیں اور خطرہ ہے کہ اگر وہاں کی فضا ان کے خلاف مشتعل ہو گئی تو وہاں سے بھی ان کو ہجرت کرنی پڑے گی۔

مکّہ مکرّمہ کا سفر

مختلف شہروں میں گھومنے پھرنے کے بعد فیصلہ کیا کہ کیوں نہ فریضۂ حج کی ادائیگی کیلئے مکّہ مکرمہ کا قصد کیا جائے اور وہاں کے علماء سے ضروری مشورے اور معلومات حاصل کئے جائیں چنانچہ مکّہ مکرمہ پہنچتے ہیں تو وہاں نہ صرف یہ کہ مقامی علماء کا ایک جم غفیر موجود ہے بلکہ عالم اسلام سے فریضہ حج کی ادائیگی کے لئے آنے والے علماء سے مجلسیں ہوتی ہیں تبادلہ خیالات کیا جاتا ہے متعدد مجلسوں میں علماء کے سامنے اپنی تحریک کے اغراض و مقاصد پیش کرتے ہیں خصوصیت کے ساتھ ان کے اعزاز میں علماء کو مدعو کیا جاتا ہے اور اہلِ علم کی مجلسِ مشاورت میں وہ اپنا نقطۂ نظر پیش کرتے ہیں۔ علماء کرام ان کے نظریات کو بغور سنتے ہیں۔ مزید تحقیق کی غرض سے سوالات و جوابات کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔

اعزاز و اکرام کی اس فضا میں شیخ الاسلام مسرور و شادمان نظر آتے ہیں مکّہ مکرمہ اور دیگر ممالک کے علماء کی تائید سے ان کا جذبہ دعوت الی اللہ جوان ہو جاتا ہے اور وہ اس راستے میں آنے والی مشکلات کا پامردی سے مقابلہ کرنے کے عزم کی تجدید کرتے ہیں اور ان کی شجاعت اور مردانگی میں اضافہ ہوتا ہے۔

مدینۃ الرسول کا سفر

فریضۂ حج کی ادائیگی سے فارغ ہو کر آپ مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کا رخ کرتے ہیں۔ وہاں کے

مشہور عالم شیخ عبداللہ بن ابراہیم بن سیف کی ملاقات کے شوق کا داعیہ تیز ہو جاتا ہے۔ مدینۃ الرسول پہنچ کر ان کی ملاقات کے شرف سے مشرف ہوتے ہیں۔ شیخ ابن سیف ان سے مل کر خوش ہوتے ہیں۔ اور جب شیخ الاسلام نے عیینہ میں اپنے اوپر روا رکھے جانے والے مظالم کا تذکرہ کیا تو ابن سیف کے دل میں ان کی قدر و منزلت کا نقش گہرا ہوتا چلا گیا۔ مدینۃ الرسول کے علماء نے جب ان کی آمد کی خبر سنی تو اس کے ارد گرد جمع ہو گئے اور شیخ الاسلام کی دعوت الی اللہ کی تحریک کے مؤید بن گئے اور ان کے عقائد کو درست گردانتے ہوئے انہیں اپنی حمایت کا یقین دلایا۔ بدعات و خرافات کے قلع قمع کرنے میں انکی مساعی کو بنظر استحسان دیکھتے ہوئے انہیں اپنے بھرپور تعاون اور خیر سگالی کا یقین دلایا۔ مزید حصول علم کیلئے شیخ الاسلام نے مدینۃ الرسول کے علماء سے استفادہ کرنے میں قطعاً شرم محسوس نہ کی۔ لمحات فرصت میں ان سے استفادہ فرماتے رہے۔ شیخ ابن سیف کے حلقہ درس میں اکثر آمد و رفت کا سلسلہ جاری رہا اور ان کے ساتھ تعلقات میں اضافہ ہو گیا۔ یاد رہے کہ شیخ ابن سیف جلیل القدر عالم سمجھے جاتے تھے "العذب الفائض فی علم الفرائض" کے مؤلف کی حیثیت سے کافی متعارف تھے نیز ان کے روابط علامہ محمد حیات سندھی[1] کے ساتھ کافی گہرے تھے جن کو مدینۃ الرسول میں جلالت علمی کے لحاظ سے منفرد حیثیت حاصل تھی مشہور محدث اور علامہ کے لقب سے عوام و خواص میں متعارف تھے۔ علامہ سندھی سے شیخ الاسلام کا تعارف کراتے ہوئے شیخ ابن سیف نے تمام حالات سے باخبر کیا۔ علامہ سندھی ان کی ملاقات سے بہت خوش ہوئے اور ایسے مجاہد اور داعی انسان کے حلقہ درس میں شامل ہونے پہ بہت خوش ہوئے۔

شیخ الاسلام اگرچہ زیادہ تر علامہ سندھی اور شیخ ابن سیف سے استفادہ کر رہے تھے۔ تاہم مدینۃ الرسول کے دوسرے جلیل القدر علماء شیخ علی داغستانی، شیخ اسماعیل عجلونی، شیخ محمد العفالق شیخ عبداللطیف العفالق وغیرہ سے بھی اکتساب علم کیا۔ یہاں شیخ الاسلام نے محسوس کیا کہ جس طرح عالم اسلام بدعات و خرافات کی لپیٹ میں ہے مدینۃ الرسول بھی ان سے محفوظ نہیں ہے چنانچہ بدعات

---

[1] شیخ محمد حیات بن ابراہیم سندھی سندھ میں پیدا ہوئے مدینہ منورہ میں مقیم رہے ۱۱۶۳ھ میں فوت ہوئے ان کی تالیفات میں سے مشہور کتاب مقدمہ فی العقائد، شرح الترغیب والترھیب، تحفۃ المحبین شرح الاربعین للنوادینہ ہیں۔

کی تردید کے ساتھ ساتھ دعوت الی اللہ کے مشن کی نگرانی کرتے رہے ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر کے سامنے کھڑے تھے کیا دیکھتے ہیں کہ حجرہ شریفہ کے اردگرد لوگوں کا ازدحام ہے اور وہ آپ سے دعائیں مانگ رہے ہیں فریاد رسی کے لئے ہاتھ اُٹھائے ہوئے ہیں۔ شریعت کی تصریحات کے خلاف آپ کے احترام میں غلو اختیار کئے ہوئے ہیں یہ منظر دیکھ کر خاموش نہ رہ سکے وضاحت کے ساتھ زیارت کی شرعی حیثیت بیان کی اور ان کی حرکات کو خلاف شرع قرار دیا۔ اتنے میں علامہ سندھی بھی وہاں آپہنچے۔ فوراً ان سے اس صورت حال کے متعلق استفسار کیا کہ ان لوگوں کا آنحضرت کی قبر اطہر پر آکر ان سے فریاد رسی کرنا کیسا ہے؟ علامہ سندھی نے جواب میں ذیل کی آیت تلاوت فرمائی۔

(اِنَّ هٰٓؤُلَاۤءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ)

مقصد یہ تھا کہ ان کا یہ عمل نہ صرف باطل اور اکارت جائے گا بلکہ ان کی تباہی کا بھی باعث بنے گا۔

شیخ الاسلام جب تک مدینۃ الرسول میں قیام پذیر رہے۔ اکابر علماء کی علمی مجلسوں میں برابر شریک ہوتے رہے اور دعوت الی اللہ کے میدان میں خداداد صلاحیتوں اور قربانیوں کے اسلحہ سے مسلح ہو کر اللہ کی مخلوق کو اس کے خالق کے قریب لانے میں ایڑی چوٹی کا زور لگاتے رہے۔ اس میدان میں شیخ ابن سیف کی معاونت بھی برابر حاصل رہی اس لیے کہ شیخ ابن سیف نے شیخ الاسلام سے کہا "کیا آپ ان ہتھیاروں کو دیکھنا پسند کریں گے جن کو میں نے لڑائی کے لئے تیار کر رکھا ہے" شیخ الاسلام اثبات میں جواب دیتے ہیں۔ چنانچہ شیخ ابن سیف ان کو ایک بڑے ہال کمرہ کی طرف لے گئے جو کتابوں سے بھرا ہوا تھا وہاں لے جا کر انہیں کہا کہ یہ وہ ہتھیار ہیں جن کو میں نے لڑائی کے لئے تیار کر رکھا ہے۔ شیخ الاسلام کی روشن مزاجی، بیدار مغزی، اخلاقی بلندی، ژرف نگاہی نے شیخ ابن سیف کو ان کا گرویدہ بنا دیا تھا اور وہ ان کے ساتھ نہایت الفت کے ساتھ پیش آتے اور ان کی حوصلہ افزائی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتے۔ دو طریقوں سے انہیں صحیح بخاری، صحیح مسلم، ان کے شروح سنن ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابوداؤد مؤلفات دارمی، مسند امام شافعی موطا امام مالک، مسند امام احمد، مسند ابوداؤد طیالسی معاجم طبرانی کتب امام نووی، مؤلفات حافظ ابن حجر عسقلانی، کتب قاضی عیاض، کتب قراٰت، القاموس

کتب شیخ عبدالقادر جیلانی، کتب سیوطی، کتب فقہ حنابلہ کی کتابوں کی اجازت عطا فرمائی۔

پہلا طریق:۔ عن ابن مفلح عن شیخ الاسلام ابن تیمیہ۔ عن شمس الدین بن ابی عمر عن موفق الدین بن قدام عن الشیخ عبدالقادر جیلانی عن القاضی ابی یعلی المرداوی عن ابن حامد عن الخلال عن الامام احمد بن حنبل رحمہم اللہ

دوسرا طریق:۔ عن عبدالرحمٰن بن رجب عن العلامہ ابن القیم عن شیخ الاسلام ابن تیمیہ عن شمس الدین۔ نجل بن ابی عمر عن موفق الدین۔ عن الشیخ عبدالقادر جیلانی عن ابی الوفا بن عقیل عن القاضی ابی یعلی عن ابن حامد عن ابی بکر المرداوی عن الخلال عن اثرم عن الامام احمد بن حنبل رحمہم اللہ۔

شیخ الاسلام نے ان دونوں مقدس شہروں میں اکابر علماء سے استفادہ کیا خصوصیت کے ساتھ علم تفسیر حدیث ادب عربی میں نوادرات انمول موتیوں سے اپنے دامن کو بھر لیا وہاں کی تہذیب و ثقافت کا بغور مطالعہ فرمایا اس نتیجہ پر پہنچے کہ یہ دونوں شہر اسلامی تہذیب و ثقافت کا اعلیٰ مظہر ہیں یہاں اکتساب علم سے مالا مال ہو کر خوش و خرم نجد کا رخ کیا۔ جہاں جہالت اور شرک کی حکومت تھی بدعات و خرافات کا دور دورہ تھا رخصت ہوتے وقت احباب رفقاء اور اساتذہ کی دعائیں اپنا اثر دکھاتی ہیں چنانچہ اللہ کا نام لیکر اس بات کا عزم کرتے ہیں کہ اگر اللہ پاک کی توفیق شامل حال ہوئی تو طاغوتی طاقتوں اور شرک و بدعات کے مٹانے میں پوری قوت کو صرف کرنے میں کسی کوتاہی کو روا نہیں رکھا جائے گا۔

بصرہ میں سکونت:۔ نجد میں ان کا قیام نہایت مختصر رہا جلد ہی طلب علم اور دعوت الی اللہ کے پھیلانے کی غرض سے بصرہ کا رخ کیا۔ وہاں کے علماء سے ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہا علمی مباحث کی محفلوں سے محظوظ ہوتے رہے۔

شیخ محمد المجموعی:۔ بصرہ کے بہت بڑے عالم شیخ محمد المجموعی کے سامنے تحصیل علم کے لئے زانوئے تلمذ طے کئے اور ان سے اکتساب کیا۔

بصرہ میں بدعات و خرافات کی وبا:۔ نجد کی طرح یہاں بھی بدعات و خرافات سے محبت کرنے والوں

کی کمی نہ تھی۔ اہلِ بدعت کا قبروں پر بے پناہ ہجوم رہتا تھا۔ ان کے گرد طواف کیا جاتا ان پر چراغاں کیا جاتا۔ حصول برکت کے لئے قبروں کو چوما جاتا اور جو سوالات صرف اللہ پاک کی بارگاہ میں ہی کئے جا سکتے ہیں ان کا سوال قبروں سے کیا جاتا۔ شیخ الاسلام ان مشرکانہ کاموں کو دیکھ کر برداشت نہ کر سکے۔ تاہم نرم انداز میں انہیں بتایا کہ اسلام میں ان مشرکانہ افعال کی گنجائش نہیں ہے لیکن انہوں نے انکی باتوں کو سننے سے انکار کر دیا اور دھمکایا کہ اگر تم باز نہ آئے تو تمہیں المناک اذیتوں سے دوچار ہونا پڑے گا اور مار پیٹ سے بھی گریز نہیں کیا جائے گا۔ جب انہوں نے شرکیہ کاموں سے روکنے کی مہم کو تیز کیا تو مشرکوں نے آپ کو ظلم و ستم کا نشانہ بنایا۔ آپ سے مال و متاع اور قیمتی کتابیں چھین لی گئیں اور مار پیٹ کر ننگے پاؤں ننگے سر گرمی کے موسم میں شہر سے باہر نکال دیا اور شیخ محمد المجموعی کو بھی ان کی وجہ سے تاروا شدت کا سامنا کرنا پڑا۔ بصرہ اور زبیر شہر کے درمیان گرمی کی شدت کے باعث شیخ الاسلام بے ہوش ہو کر گر پڑے پاؤں چلنے کی طاقت سے عاری ہو گئے۔ زبان خشک ہو گئی۔ بھوک اور پیاس کے ہاتھوں نڈھال ہو گئے۔ بھوک پیاس اور گرمی میں پیچ و تاب کھا رہے تھے اور اللہ پاک سے دعا مانگ رہے تھے کہ ان کو اس مصیبت سے نجات حاصل ہو جائے کیا دیکھتے ہیں کہ زبیر شہر سے ایک آدمی جس کا نام ابو حمیدان تھا گدھے پر سوار شیخ الاسلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ان کو اس شدید پریشانی کے حال میں دیکھ کر اس کا دل پسیج گیا اور ان کی معاونت کے لئے اپنی خدمات کو پیش کیا۔ اس نے آپ کو پانی پلایا اور گدھے پر بیٹھا کر اپنے گھر لے گیا۔

شیخ الاسلام نے چند دن وہاں آرام کرنے کے بعد شام کی طرف جانے کا پروگرام بنایا لیکن چونکہ بصرہ کے اوباش لوگوں نے ان کے تمام مال و متاع کو لوٹ لیا تھا اس لئے انہوں نے مناسب سمجھا کہ یہاں سے نجد کا رخ کیا جائے۔ نجد کی طرف جاتے ہوئے راستہ میں احساء میں شیخ عبداللہ بن محمد عبد اللطیف الاحسائی الشافعی کے ہاں چند روز مہمان خانہ میں قیام کیا۔ وہاں انہیں اعزاز و اکرام کے ساتھ رکھا گیا۔ احساء کے علماء کے ساتھ شیخ احسائی کے دولت کدہ پہ اور کبھی دوسرے علماء کے گھروں میں علمی مجلسیں منعقد کی جاتیں ان مجلسوں میں شیخ کی دعوت پر احساء کے علماء نے لبیک کہی اور ان کی پرزور تائید کی۔ علماء کے حسن سلوک سے ان کا حوصلہ

بڑھ گیا، وہاں سے حرملا شہر کا رُخ کیا۔ جہاں ان کے والد مقیم تھے۔ والد اپنے صاحبزادے کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ شیخ نے تمام حالات سے باخبر کیا۔ اور راستہ کی تمام مشکلات سے آگاہ کیا۔ شیخ کے والد نے تمام واقعات سننے کے بعد اپنے لڑکے کے نظریات کی تائید فرمائی اور انہیں اپنی معاونت کا یقین دلایا اور مسلسل جدوجہد کرنے کی وصیت فرمائی۔ حرملا میں دوران اقامت وہاں کے علماء اور شیخ کے درمیان سخت نوک جھونک ہوتی رہی، عوام کی اکثریت علماء کے مؤید تھے جو شیخ کی دعوت کی مخالفت کر رہے تھے لیکن انکی مخالفت سے شیخ الاسلام کے عزم راسخ میں کچھ فرق نہ آیا بلکہ جیسے جیسے مخالفت زور پکڑتی گئی ان کا عزم مضبوط ہوتا چلا گیا۔ عالم اسلام میں یہ وطیرہ چلا آیا ہے کہ جب بھی دعوتِ حق کا پرچار کرنے والے لوگ اپنی قوتوں کو مجتمع کر کے اصلاح و رشد کا بیڑا اٹھاتے ہیں تو نفس پرست علماء دلائل کے میدان میں اترنے کی بجائے رائے عامہ کو ہموار کر کے اپنے پیچھے لگا لیتے ہیں اپنے مخالفین علماء پر خارج از اسلام ہونے کا فتویٰ لگا دیتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے متعلق ارشادِ ربانی ہے (وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰی عِلْمٍ) یعنی واقفیت رکھنے کے باوجود گمراہ ہیں جب بھی اس قسم کے لوگ مقابلہ کی تاب لانے سے عاجز ہوتے ہیں تو جہالت کے ہتھیاروں سے مسلح ہو کر اپنے دشمن پر حملہ آور ہوتے ہیں۔ اسی طرز عمل پر" رسوائے عالم علمائے سوء بھی شیخ الاسلام اور اس کی دعوت کے خلاف عمل آرا رہے لیکن شیخ الاسلام کے والد کے احترام کا اثر تھا کہ باہمی مناقشت کے سلسلے میں ہاتھا پائی تک نوبت نہ آئی۔

شیخ الاسلام کے والد کی وفات

۱۱۵۳ھ میں آپ کے والد فوت ہونے سے آپ ان کی معاونت سے محروم ہو گئے۔ اب میدان میں تن تنہا رہنے کی وجہ سے دشمنوں نے موقعہ کو غنیمت جانا اور مخالفت کو تیز کر دیا۔ شیخ الاسلام بڑی بے باکی اور اولوالعزمی کے ساتھ توحید کے پرچم کو لہراتے رہے اور ان کے پائے استقلال میں لغزش نہ آئی جب شیخ الاسلام نے قبروں پر ازدہام سے روکا اور کتاب وسنت سے دلائل پیش کئے تو انہوں نے وہی جواب دیا جو عام طور پر اہل بدعت کا وطیرہ ہے (اِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلٰی اُمَّةٍ وَاِنَّا عَلٰی

آثَارِھِمْ مُقْتَدُوْنَ) یعنی ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو ایک راستہ پر پایا اور ہم ان کے نقشِ قدم پر چلنے والے ہیں ۔

شیخ الاسلام اس مایوس کن جواب سننے کے باوجود اپنے مشن پر کاربند رہے مخالفین کی ہٹ دھرمی، فتنہ پروری کا مقابلہ کرتے ہوئے اکیلے ہی کتاب و سنت کے اسلحہ کے ساتھ لیس ہو کر میدان عمل میں رواں دواں رہے۔ ہر طرف سے ابلیسانہ طاقتیں ان پر حملہ آور ہوتی ہیں لیکن ان کی پیش قدمی میں مزاحم نہ ہوسکیں سرمایہ دار اثر و نفوذ والے علماء سوء اور ارباب اقتدار کی مزاحمت سے ان کی سرگرمیوں کو ختم نہ کیا جا سکا۔ آہستہ آہستہ شیخ الاسلام کی تحریک بارآور ہونے لگی۔ حریملا میں ان کی تحریک کے مؤید پیدا ہو چکے تھے جبکہ اس سے پہلے عیینہ میں نوجوانوں کی ایک جماعت ان کے دائرہ اثر میں داخل ہو چکی تھی۔ مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ میں بھی جلیل القدر علماء ان کے مشن کی تائید میں بیان دے رہے تھے اور ان کی حوصلہ افزائی میں پیش پیش تھے۔ معاونین کی معتدبہ تعداد معرض وجود میں آچکی تھی۔ دشمنی میں حریملا شہر سب سے آگے تھا۔ وہاں کے بدمعاشوں کے سرغنہ نہ صرف یہ کہ تحریک کو مٹانا چاہتے تھے بلکہ تحریک کے بانی شیخ الاسلام کو موت کے گھاٹ اتارنا چاہتے تھے لیکن وہ ان کے شر سے محفوظ رہے۔

حریملا کی زمام اقتدار کسی ایک حکمران کے ہاتھ میں نہ تھی۔ آل ربایع کے دو قبیلے بیک وقت اقتدار پر قابض تھے۔ دونوں قبائل آپس میں لڑتے جھگڑتے رہتے تھے اور باہم جنگ و جدال کی آگ مشتعل رہتی۔ قاتل جب کسی ایک قبیلہ کی پناہ میں آجاتا تو اس کی جان کی حفاظت کی جاتی اور اس کی مدافعت کیلئے قبیلے کے لوگ ہر وقت تیار رہتے لازماً مقتول کے ورثا دوسرے قبیلے سے تعلق پیدا کرتے اور مقتول کا بدلہ لینے کے لئے ہر ناجائز حربہ استعمال کرتے۔ نتیجتہً دونوں قبیلے جنگ کے شعلوں کی لپیٹ میں آجاتے اور جب ایک فتنہ کے اثرات ذرا کم ہونے لگتے تو پہلے سے بھی کہیں زیادہ دوسرے شدید فتنے اٹھ کھڑے ہوتے نیز ڈاکہ زنی، خوف زدگی اور بدحواس باختگی نے تمام حریملا کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ غضب کی بات یہ تھی کہ دونوں قبیلوں نے

کچھ اوباش لوگ بال رکھے ہوتے جو بلا خوف و خطر دندناتے پھر رہے تھے۔ شرفاء کے لئے زندہ رہنا مشکل ہو گیا تھا اور کسی طرف بھی کوئی آواز ان کے خلاف اُٹھ نہیں رہی تھی۔ شیخ الاسلام کی آنکھوں کے سامنے وحشت و بربریت کا رقص ہو رہا تھا۔ دونوں قبیلے ایک دوسرے کی گردنوں پر چھریاں چلا رہے تھے۔ کسی کی جان و مال آبرو کو تحفظ حاصل نہ تھا۔ غنڈوں، بدمعاشوں نے اودھم مچا رکھا تھا۔ لوٹ مار کے بل بوتے پر عیاشی کی زندگی کے گیسوؤں اور زلفوں کو سجایا جا رہا تھا۔ سرکشی، بغاوت میں روز بروز اضافہ ہو رہا تھا۔ معاشرہ کی اس بے یقینی والی کیفیت کو دیکھ کر شیخ الاسلام نے خیر خواہانہ انداز میں انہیں سمجھایا لیکن آپ کے وعظ کا ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔ بلکہ انہیں تعجب دامنگیر ہوا کہ اس شخص کو ہمارے معاملات میں دخل دینے کی جرأت کیسے ہوئی؟ شیخ الاسلام ان کی روگردانی اور ناراضگی کی کچھ پرواہ نہ کرتے ہوئے زوردار الفاظ میں ان پر تیروں کی بوچھاڑ کرتے ہیں لیکن پیشہ ور ناپاک ہٹ دھرم لوگ ان کی باتوں پر کان نہیں دھرتے اور ان کی تحریک کو کچلنے کی تدبیریں سوچتے ہیں۔ شیخ الاسلام کی مزاحمت کے لئے دونوں قبیلوں کے سردار لوگ اپنے غنڈوں پالتو کتوں کو برافروختہ کرتے ہیں۔ لیکن شیخ الاسلام ان کے مقابلہ میں چٹان ثابت ہوتے ہیں ان کی بداعمالیوں پر انہیں خبردار کرتے ہیں کہ اگر تم اپنی بدکرداریوں سے باز نہیں رہو گے تو تم شرعی تعزیرات کی بالادستی کے احتساب سے کیسے بچ سکو گے۔ ان کی تہدید آمیز باتوں کو سُن کر انکی حیرانی میں اضافہ ہوا۔ کہ اس شخص کو اس قدر تند و تیز باتوں کے کہنے کی کیسے جرأت ہوئی اور کیوں کر برملا ہمیں احتساب کے شکنجہ میں کسنے کی دھمکی دینے کی جسارت ہوئی۔ اوباش اور بدکردار لوگ اس رائے پر اتفاق کرتے ہیں کہ اس انسان سے نجات حاصل کرنے کا صرف ایک ہی راستہ ہے کہ اس کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے اور اس کا سر قلم کرنا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ اگرچہ انہیں اپنی قوت اور بے باکی پر گھمنڈ تھا لیکن وہ شیخ الاسلام کی زندگی کا خاتمہ کرنے کے لئے ان پر کھلے بندوں حملہ کرنے کی ہمت نہ رکھتے تھے۔ چنانچہ اس رائے پر اتفاق ہوا کہ اچانک فریب دیکر اس کو موت کی آغوش میں سلا دیا جائے۔

شیخ الاسلام کے قتل کی ناکام کوشش:۔ چند غنڈے رات کی تاریکی میں بدبختی

کا شہرت پیش کرتے ہوئے شیخ الاسلام کے قتل کے لئے ان کے گھر کا رُخ کرتے ہیں، چوروں کی طرح دیواروں کے سایہ میں چل رہے تھے کہ اسی دوران ایک قافلہ شہر میں داخل ہوا، قافلہ کے لوگوں نے انہیں چوروں کا گروہ سمجھ کر شور و غل بپا کر دیا اور ان کا تعاقب کیا وہ خوف و دہشت کے مارے ہوا ہو گئے اور پکڑے نہ جا سکے۔ واپس آ کر قافلہ والوں نے شیخ الاسلام کے دروازے پر دستک دی۔ انہوں نے دروازہ کھولا تو ان کو تمام واقعہ سے باخبر کیا اور احتیاط کا مشورہ دیا۔ اس خلوص اور محبت پر شیخ الاسلام نے ان کا شکریہ ادا کیا اور ان کے لئے دُعا فرمائی۔ علی الصباح ہی شیخ الاسلام کو اصل واقعہ سے باخبر کر دیا گیا۔ یہ سُن کر شیخ الاسلام گہرے غور و فکر میں مستغرق ہو گئے۔ چند لمحوں بعد حریملا چھوڑنے کا فیصلہ کیا کیونکہ انہیں یقین ہو گیا تھا کہ یہاں فوضویت کی یلغار میں رہنا مفید نتائج کا حامل نہیں ہے اور بھڑکتے ہوئے شعلوں کی لپیٹ میں آنا دانشمندی نہیں ہے۔ مناسب یہ ہے کہ کسی دوسرے مقام میں اس مقدس تحریک کے کام کو شروع کیا جائے اور پھر طاقت کے بل بوتے پر اہل حریملا کی بھی اصلاح کی جائے چنانچہ حریملا سے نکل کر عیینہ کی طرف چل دیئے۔

اہل عیینہ شیخ الاسلام کے استقبال میں

شیخ الاسلام کے عیینہ پہنچنے سے پہلے ہی ان کے وہاں جانے کی خبر مشہور ہو چکی تھی۔ عیینہ کا حاکم عثمان بن معمر تمام حالات سے باخبر تھا وہ شیخ الاسلام کی تحریک سے وابستہ تھا حریملا کے غنڈوں کی قتل کی سازش مکہ مکرمہ اور مدینۃ الرسول کے علماء کا ان کے ساتھ تحریفانہ انداز ان تمام واقعات کی تفصیلات سے آگاہ تھا اور یہ خبریں اس کی مسرت میں اضافہ کا باعث تھیں کہ شیخ الاسلام ہمہ تن امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ کی انجام دہی اور کتاب و سنت کی حکمرانی کے لئے ساعی اور داعی ہے عیینہ کے حاکم بدل و جان تحریک کے ساتھ تعاون کرنے کو اپنے لئے باعث سعادت سمجھتے تھے اور وہ اس کوشش میں مصروف تھے کہ عیینہ کی سرزمین وہابی تحریک کے بانی کے تصرف میں آ جائے اللہ پاک نے نیک دل حاکم کی نیک تمناؤں کو بار آور فرمایا۔ اس نے شیخ الاسلام کے استقبال میں بے مثال اخلاص کا مظاہرہ کیا۔ ان کی آمد پر ان کی شان کے مطابق شایانِ شان

انتظامات کئے۔

شیخ الاسلام نے استقبالیہ کے جواب میں انہیں یقین دلایا کہ اگر آپ عملاً اپنے تمام ذرائع اور اختیارات کو لا الٰہ الا اللہ کی تائید میں جھونک دیں تو تمام نجد اور ملحقہ علاقے ان شاء اللہ آپ کے زیر اقتدار آ جائیں گے۔ شیخ عثمان بن معمر نے شیخ الاسلام کو اپنی بھرپور حمایت کا یقین دلاتے ہوئے کہا کہ تحریک کی کامیابی کے سلسلے میں جو ذمہ داریاں میرے کندھوں پر ڈالی جائیں گی آپ دیکھیں گے کہ کس طرح میں ان سے عہدہ برآ ہوتا ہوں۔ میرے دل میں آپ کے ساتھ بے پناہ محبت ہے اس لئے میں اپنی تمام تر توانائیوں کو آپ کی نذر کرتا ہوں، والی عیینہ کے اُمید افزا کلمات سے شیخ الاسلام از حد محظوظ ہوئے اور اخلاص و محبت نے دونوں کو ایک دوسرے کا گرویدہ بنا دیا۔ والی عیینہ نے بھرپور محبت کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ کا نکاح الجوھرہ بنت عبداللہ بن معمر کے ساتھ کر دیا جائے۔ اس طرح ہمارے روابط میں مزید استحکام کی فضا نمودار ہوگی اور آپ ہمارے خاندان کے ایک فرد متصور ہوں گے۔ شیخ الاسلام نے ان کی تجویز کو سراہتے ہوئے اسے شرفِ قبولیت بخشا اور ان کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہوئے اس پر شادمانی کا اظہار کیا اور اُمید ظاہر کی کہ شاید یہ رشتہ تحریک کی کامیابی کا مضبوط ذریعہ ثابت ہو اور ہم باہم مل کر دعوت الی اللہ کے کام کو مزید وسعت دے سکیں۔

شیخ الاسلام کا نکاح۔ چنانچہ اس نکاح سے جو پاکیزہ توقعات وابستہ تھیں وہ بارآور ہوئیں۔ والی عیینہ نے دعوت الی اللہ کے کام میں بھرپور تعاون فرمایا دوسری طرف شیخ الاسلام کی شریک حیات چونکہ عقل مند دیندار اور صالح خاتون تھیں اس لئے انہوں نے بھی اپنے خاوند کی تائید میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا وہ اپنے بھتیجے والی عیینہ کو شیخ الاسلام کے بھرپور تعاون کے لئے آمادہ کرتی رہیں اس طرح والی عیینہ نے شریعتِ اسلامیہ کے نفاذ کا حکم صادر فرمایا۔ مظالم کا قلع قمع کر دیا اور باطل پرستوں کا صفایا کر دیا۔

حریملا، ریاض، درعیہ میں تحریک کے معاونین کو جب پتہ چلا کہ عیینہ میں تحریک کامیابی کے ساتھ ہمکنار رہے اور والی عیینہ کا تحریک کو بھرپور تعاون حاصل ہے اور شیخ الاسلام اعزاز و اکرام میں تمام لوگ تصویر رقابتے ہوئے ہیں تو شیخ الاسلام کی ملاقات کیلئے عیینہ پہنچے۔ والی عیینہ اور شیخ الاسلام نے ان کا پرتپاک خیر مقدم کیا اور جذبۂ خیر سگالی کا اظہار کیا۔

عیینہ میں درختوں کی تعظیم

شیخ الاسلام نے جب دیکھا کہ عیینہ میں بعض درختوں کی تعظیم ہو رہی ہے۔ شرک کرنے والے دندناتے پھر رہے ہیں تو انہوں نے لوگوں کو اسلامی تعلیمات کا درس دینا شروع کیا۔ حق کی مشعل کو روشن فرمایا۔ ان کا تبلیغی مشن کامیاب رہا اور لوگ آہستہ آہستہ شرک کے راستوں کو چھوڑ کر توحید کے صراطِ مستقیم پر گامزن ہونے لگے چونکہ ابھی ان کا اسلام مستحکم نہ تھا اس لئے وہ درختوں اور بت خانوں کو اپنے ہاتھوں ختم کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔ اس بنا پر شیخ الاسلام نے اپنے شاگردوں کو ان کا قلع قمع کرنے کے لئے روانہ فرمایا انہوں نے بلا خوف و خطر شرک کے ان اڈوں کو پیوندِ خاک کر دیا اور درختوں کو جلا دیا البتہ ان درختوں میں سے ایک درخت کا تقدس ان کے ہاں بہت زیادہ تھا اس لئے عیینہ میں توحید کے پرچار کے باوجود وہ درخت ابھی تک باقی تھا اور اس کی توقیر و تعظیم ہو رہی تھی۔ شرک کے اس عظیم درخت کو نیست و نابود کرنا بڑا ضروری کام تھا۔ چنانچہ طے پایا کہ فلاں تاریخ کو عوام کے ایک اجتماع میں اس کو جلانے اور ختم کرنے کا فریضہ سرانجام پانا چاہیئے۔ تاکہ عوام کے دلوں سے اس کی ہیبت کو مٹایا جائے۔ چنانچہ مقررہ تاریخ کے دن علی الصباح شیخ الاسلام اپنے تو مختلف رفقاء کے ساتھ نکلے اور درخت کے قلع قمع کرنے کا حکم صادر فرمایا اور اس کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے میں خود بھی شریک ہوئے اور جس طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ میں رکھے ہوئے بتوں کو

پاش پاش کرتے ہوئے قُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا آیت کو تلاوت فرمایا۔ آپ نے بھی درخت اکھیڑتے ہوئے مندرجہ بالا آیت کو تلاوت فرمایا جب اس درخت کو اکھیڑا جا رہا تھا تو کمزور عقیدے والی عورتیں اور مرد حیرانی کے عالم میں اس منظر کو دیکھ رہے تھے اور منتظر تھے کہ درخت کے زمین پر گرنے سے پہلے ضرور ان لوگوں کی تباہی کا سامان مہیا ہو کر رہے گا جو اس درخت کو اکھیڑ رہے ہیں لیکن جب درخت زمین پر گرا۔ اور گرانے والے بالکل محفوظ رہے تو پھر اندھی عقیدت کا جادو ان کے سروں سے اتر گیا۔

زید بن خطاب کی قبر پر قبہ

جبیلہ میں ایک قبر زید بن خطاب کی طرف منسوب ہے اس پر قبہ تعمیر ہے بڑی کثرت کے ساتھ لوگ اسکی زیارت کے لئے جمع ہوتے اعتکاف بیٹھتے۔ قبر کے قریب مٹی میں لیٹتے اور تبرکاً جسم کو قبر کے ساتھ چپکاتے ہیں شیخ الاسلام نے والی عیینہ سے اس کے گرانے کا اجازت نامہ حاصل کیا اور اس سے استدعا کی کہ قبہ کے انہدام کے وقت آپ بھی موجود ہوں تاکہ جبیلہ کے باشندے مزاحم نہ ہوں۔ اس لئے کہ وہ اس خانقاہ کو اپنے لئے باعث خیر و برکت تصور کرتے ہیں نیز وہ اس کی برکتوں کا نتیجہ سمجھتے ہیں کہ نہ صرف جبیلہ کے باشندے بلکہ قرب و جوار کے دوسرے شہروں کے لوگ بھی اس کی برکت سے رفاہیت کی زندگی بسر کر رہے ہیں چنانچہ والی عیینہ چھ سو مسلح نوجوانوں کی معیت میں ان کے دفاع کے لئے نکلے اگرچہ معتقدین حائل ہونا چاہتے تھے لیکن والی عیینہ نے انہیں دھمکی دیتے ہوئے صاف صاف کہہ دیا کہ اگر تم نے مداخلت کی تو تمہیں نیست و نابود کر دیا جائے گا اس پر وہ خوف زدہ ہو گئے اور مداخلت سے دست بردار ہو گئے۔

چنانچہ شیخ الاسلام نے اپنے متبعین کو خانقاہ کے گرانے کا حکم دیا لیکن کوئی بھی اس کے لئے تیار نہ ہوا۔ انہیں خوف دامنگیر تھا کہ یقیناً اس کو پیوند خاک کرنے سے انہیں کسی ناگہانی آفت کا سامنا کرنا پڑے گا اور پھر کسی عام انسان کی قبر پر قبہ نہیں بلکہ زید بن خطاب رضی اللہ عنہ کی قبر پر قبہ ہے۔ ان کے جواب سے شیخ الاسلام نے محسوس کیا کہ ان کے دلوں پر وہم کا غلبہ ہو چکا ہے۔

چنانچہ وہ خود آگے بڑھتے ہیں اور اپنے ہاتھوں سے اسے اکھیڑنا شروع کر دیتے ہیں۔ رفقاء نے محسوس کیا کہ شیخ الاسلام قبہ کو گرا رہے ہیں اور انہیں کوئی گزند نہیں پہنچ رہی ہے تو رفقاء نے بھی شریک ہو کر گرانا شروع کر دیا یہاں تک کہ خانقاہ کو پیوندِ خاک کر دیا۔ اس میں کچھ شبہ نہیں کہ اگر والی عیینہ اور ان کی حمایت شامل حال نہ ہوتی تو یقیناً اس قبے کے انہدام میں خانقاہ کے معتقدین اور شیخ الاسلام کے درمیان خون ریز جنگ کے شعلے بھڑک اٹھتے لہٰذا تسلیم کرنا پڑے گا کہ تحریک کو کامیابی کے ساتھ ہمکنار کرنے میں معمر کی کوششوں کا وافر حصہ ہے اور اس کا نتیجہ تھا کہ تشنگان علم دور دراز سے طلب علم کے لئے کثرت کے ساتھ عیینہ پہنچ رہے تھے اور جہاں انکی خوراک رہائش کا معقول انتظام کیا گیا وہاں انکی دیگر ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے انہیں وظائف بھی دیئے گئے نتیجۃً شیخ الاسلام کی شہرت اور انکی تحریک کی عظمت سے فضا گونجنے لگ گئی۔ شرک کے تمام اڈے ختم ہو کر رہ گئے اور جگہ جگہ توحید کے پرچم لہرانے لگے۔

شیخ الاسلام کا ایک زانیہ عورت کو رجم کرنا

اب عیینہ جاہلیت کی آلائشوں کی آغوش سے نکل چکا تھا۔ شریعت مصطفوی کا ڈنکہ بج رہا تھا۔ سعادتوں سے بھرپور دور کا غلغلہ اہل عیینہ کی مسرتوں اور شادمانیوں میں اضافہ کر رہا تھا۔ حاکم محکوم کا فرق مٹ چکا تھا۔ شیخ الاسلام کے مواعظ حسنہ سے مرجھائے ہوئے دلوں کو تازگی نصیب ہو رہی تھی اور ان کی تعلیمات کا نتیجہ تھا کہ نعمت اسلام کے مقابلہ میں باقی تمام نعمتوں کو ہیچ سمجھا جا رہا تھا اس پر وہ پھولے نہ سماتے تھے۔ جب یہ محسوس کرتے کہ ہمارا دامن دولت اسلام جیسی عظیم الشان نعمت سے مالا مال ہے شیخ الاسلام نے مسلمانوں کے ضمیر کو جھنجھوڑا۔ قرآن پاک اور حدیث پاک کی تعلیمات سے ان کے نفوس کا تزکیہ کیا گناہ کی زندگی بسر کرتے والوں کو عذاب خداوندی سے اس موثر انداز میں ڈرایا کہ وہ مجرمانہ تغافل کی جکڑبندیوں سے نکل کر آستانہ خداوندی پر ندامت سے سر جھکائے ہوئے رحمت خداوندی کا فیض مانگنے کے لئے فضائے آسمانی کو گریہ زاری سے مرتعش کرنے لگے چنانچہ شیخ الاسلام کے وعظ سے متاثر ہونے کا نتیجہ تھا کہ ان کی خدمت میں ایک عورت گناہ کا اعتراف کرتے ہوئے

رجم (حدِ زنا) کا مطالبہ کرتی ہے وہ گناہ کا تذکرہ کرتے ہوئے زار وقطار رو رہی ہے اس کی پلکوں سے موسلا دھار بارش کی طرح ٹپکنے والے آنسو اور دلدوز چیخیں اس بات کی غمازی کر رہی ہیں کہ یہ خاتون صدق دل کے ساتھ گناہ سے پاک ہونے کی خواہشمند ہے گناہ کی سنگینی کے تصور نے اس کے لئے جینا دوبھر کر دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تاریخ اسلام میں ایسے واقعات بہت نادر ہیں کہ کسی گناہ گار انسان نے عذاب خداوندی سے خائف ہو کر دنیا میں ہی پیاری جان کی قربانی پیش کر کے آخرت کے عذاب اور شرمندگی سے رستگاری حاصل کر لی ہو۔ اس عورت کے لئے اگرچہ شرعاً یہ گنجائش موجود تھی کہ وہ اپنے اس گناہ سے توبہ کر لیتی۔ یقیناً اللہ پاک ان لوگوں کی توبہ قبول کرتے ہیں جو صدق دل کے ساتھ اس کی بارگاہ میں رحمت ایزدی کے طالب ہو جاتے ہیں لیکن شاید گناہ کی بشاعت نے اس کے قلبی سکون کو تاخت و تاراج کر دیا تھا اور اسے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ جب تک میں ایسے المناک عذاب سے دوچار نہ ہو جاؤں جس سے گناہ کی لذت کالعدم ہو جائے یا اس سے بڑھ کر جب تک کہ اس کا رشتۂ حیات نہیں ٹوٹتا اور اس کی جان کی قربانی نہیں دی جاتی۔ اس وقت تک آخرت کے عذاب سے رستگاری مشکل ہے اور یہ ممکن نہیں کہ وہ گناہ جس کی لذت سے انسان کا جسم لطف اندوز ہوتا ہو۔ فقط توبہ کر لینے سے اس کی سزا سے بچاؤ ہو سکے۔ ہاں ضمیر کا گناہ شاید توبہ کرنے سے دھل جائے چنانچہ شیخ الاسلام کے سامنے اپنے گناہ کا اعتراف کرتے ہوئے حد شرعی کے قیام کا مطالبہ کرتی ہے۔ شیخ الاسلام اس کے اخلاص اور وفا شعاری کے جذبہ کو قابلِ احترام سمجھتے ہیں اور پھر اس پر مخبوط الحواس اور فاتر العقل ہونے کا شبہ بھی تو نہ تھا۔ بایں ہمہ شیخ الاسلام اس کو چھوڑ کر چلا جانا چاہتے ہیں کہ وہ بھی واپس گھر کا رخ کرے گی لیکن وہ اپنے موقف پر قائم رہتی ہے اور بار بار حد شرعی کے نفاذ کا مطالبہ کرتی ہے اس عورت کے اصرار سے شیخ الاسلام کی آنکھوں کے سامنے جھنیہ عورت کا واقعہ گردش کرنے لگتا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے گناہ کا اعتراف کرتی ہے لیکن آپ اس کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے اس سے

اعراض کر لیتے ہیں جیسا کہ شیخ الاسلام اس عورت پر شفقت فرماتے ہوئے چاہتے ہیں کہ یہ عورت واپس چلی جائے اور اپنے خدا سے گناہ کی معافی طلب کرے لیکن جب عورت کا اصرار بڑھ جاتا ہے اور اس کی مستقل مزاجی میں کچھ لچک نہیں آتی بلکہ وہ اس شدت کے ساتھ گریہ وزاری کرتی ہے کہ حاضرین اپنے جگروں کو تھام لیتے ہیں مبادا کہ پھٹ نہ جائیں اور وہ برابر گریہ وزاری کے عالم میں بار بار حد شرعی کے نفاذ کا مطالبہ دہراتی ہے اس پر شیخ الاسلام فرماتے ہیں شاید تجھے جبراً کسی نے اپنی خواہشات کا نشانہ بنایا ہو۔ وہ فوراً جواب دیتی ہے بالکل نہیں مجھے کسی نے مجبور نہیں کیا۔ میں نے رضامندی اور اختیار کے ساتھ اس گناہ کا ارتکاب کیا ہے۔ چند منٹ توقف کے بعد شیخ الاسلام نے اسے واپس جانے اور چند دنوں کے بعد دوبارہ حاضر ہونے کا حکم دیا لیکن گناہ اور اس کی سزا کے احساس نے اس سے چین وآرام کو چھین رکھا ہے وہ زیادہ عرصہ تک اس کشمکش میں رہنے کی تاب نہ پاتے ہوئے جلد ہی دوبارہ ان کی خدمت میں آہ وزاری کرتے ہوئے آدھمکتی ہے اور حد شرعی کے نفاذ کا مطالبہ دہراتی ہے۔ شیخ الاسلام فرماتے ہیں۔ مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ تیرا دماغ صحیح نہیں ہے۔ عورت برجستہ انکی بات کا انکار کرتے ہوئے گویا ہوتی ہے۔ بالکل نہیں۔ میرے ہوش وحواس بالکل صحیح ہیں اور میری دماغی کیفیت میں کوئی نقص نہیں ہے۔ شیخ الاسلام اس بار بھی اس کو واپس لوٹ جانے اور چند دنوں کے بعد دوبارہ آنے کا حکم صادر فرماتے ہیں۔ اس دوران شیخ الاسلام دوسرے ذرائع سے بھی اس کے دماغی توازن کے متعلق شہادتیں مہیا فرماتے ہیں۔ تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ اس خاتون کا دماغی توازن صحیح ہے۔

چند دنوں کے بعد تلملاتی ہوئی بھرائی ہوئی آواز میں وہ پھر آجاتی ہے اور اپنا مطالبہ دہراتی ہے اپنے جرم کا چار دفعہ اعتراف کرتی ہے اس اعتراف کے بعد شیخ الاسلام نے حکم دیا کہ اس کے جسم کو پورے احتیاط کے ساتھ ڈھانپ دیا

جائے اور کھلے میدان میں لے جا کر رجم کر دیا جائے۔
چنانچہ والی عیینہ اور شیخ الاسلام نے اس کی طرف پتھر پھینکنے شروع کئے۔ ان کے بعد عوام نے بھی پتھر مارنے شروع کر دیئے اور اس کو ہمیشہ کی نیند سلا دیا غفر اللہ لہا ورحمہا رحمۃ واسعۃ۔ جھنیہ عورت کے رجم پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اس خاتون کی توبہ اس قدر وسیع ہے کہ اگر ستر آدمیوں پر اس کو تقسیم کیا جائے تو ان کے لئے بھی کافی ہو جائے۔ اور یقیناً اس خاتون کے بارے میں بھی یہ کہنا بالکل درست ہے۔

شیخ الاسلام اور والیٔ عیینہ کے خلاف امیر احسار کا اقدام

تمام عرب میں شیخ الاسلام اور والیٔ عیینہ کے گٹھ جوڑ کا عام چرچا ہونے لگا خصوصیت کے ساتھ نجد، احسار اور قبیلہ بنی خالد کے امرا انکی تحریک کی کامیابی سے فکر مند ہو رہے تھے۔ ان میں امیر احسار کا نجد کے بعض شہروں کے امراء پر خاصا اثر تھا دوسری طرف اگرچہ والیٔ احسار اور والی عیینہ کے درمیان مضبوط روابط کار فرما تھے اور احسار کے علاقہ میں والی عیینہ کی ملکیت میں کھجوروں کے باغات تھے۔ والیٔ احسار کو اپنی قوت پر ناز تھا اسے والی عیینہ اور شیخ الاسلام کا گٹھ جوڑ گوارا نہیں تھا وہ خوب سمجھتا تھا کہ والیٔ عیینہ کی معاونت کا نتیجہ ہے کہ شیخ الاسلام کی تحریک دن بدن زور پکڑتی جا رہی ہے چنانچہ غیظ وغضب کے عالم میں اس نے والی عیینہ کی طرف خطوط روانہ کئے کہ محمد بن عبد الوہاب کو عیینہ سے جلا وطن کر دیا جائے یا میرے شہر کی طرف روانہ کر دیا جائے۔ والی عیینہ نے اس کے خطوط کو کچھ اہمیت نہ دی۔ البتہ شیخ الاسلام کو خطوط کے متعلق آگاہ کیا اور اپنی طرف سے اطمینان کا یقین دلایا۔ والی احسار کی مخالفت کے ساتھ ساتھ عیینہ کے اندر سلیمان بن شاس عنیزی (جو عیینہ کے بدوی قبائل کا رئیس تھا) نے تحریک کی مخالفت کرنا شروع کر دی انکی مخالفت کچھ معمولی نہ تھی اس نے بنو تمیم کے سرداروں کو (جو عیینہ میں سکونت پذیر تھے) خبردار کیا کہ اگر تحریک کامیابی سے ہمکنار

ہوگئی تو اہل عیینہ کو شدید خطرات کا سامنا کرنا پڑے گا لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ محمد بن عبدالوہاب کو طاقت استعمال کرتے ہوئے شہر بدر کر دیا جائے اور اگر اس شخص نے اس شہر کو چھوڑنے سے انکار کر دیا تو تمام شہر جنگ و جدال کی لپیٹ میں آجائے گا اور اس کے رفقاء جہاں جہاں رہتے ہوں گے معاونت کے لئے خم ٹھونک کر میدان میں اتر پڑیں گے۔ شیخ الاسلام اور والی عیینہ کے خلاف حالات سنگین صورت حال اختیار کر چکے تھے اگرچہ اصل مجرم شیخ الاسلام کو ہی سمجھا جا رہا تھا کیونکہ اس کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ والی عیینہ اس کا معاون خصوصی بن گیا تھا۔ والی معمر میں اتنی قوت نہ تھی کہ وہ تحریک کی مخالفت کرنے والے باغیوں کا مقابلہ کر سکے۔ شیخ الاسلام کے خلاف بغاوت کی آگ تیز ہو رہی تھی تا آنکہ قرارداد پاس کی گئی کہ اس کو جبراً شہر سے نکال دیا جائے اور اگر انکار کرے تو اس کو ساتھیوں سمیت تہ تیغ کر دیا جائے۔ جمعہ کے روز عیینہ کی جامع مسجد میں مخالفین مسلح ہو کر آئے تا کہ جمعہ کی نماز ادا کرنے کے بعد محمد بن عبدالوہاب کے گھر پر حملہ کر دیا جائے اور اس سے نجات حاصل کر لی جائے ان کے بھائی علی بن عبدالوہاب کو اس سازش کا علم ہوا تو وہ باغیوں کے لیڈروں کے جوش و خروش کو فرو کرنے میں کسی حد تک کامیاب ہو گئے لیکن شیخ الاسلام کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا کہ عیینہ کی سرزمین کو خیرباد کہہ دیا جائے چنانچہ شیخ الاسلام وہاں سے کوچ کرنے کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے تو والی عیینہ انہیں الوداع کہتے اور معذرت کرنے کے لئے آیا باہمی صلاح و مشورہ کے بعد طے پایا کہ ایسے شہر کا قصد کیا جائے جہاں تحریک کے بارآور ہونے کے واضح امکانات موجود ہوں۔ اس کے لئے درعیہ شہر کا انتخاب کیا گیا اس لئے کہ وہاں کے امیر محمد بن سعود متقی پرہیزگار صاحب سطوت حاکم ہیں۔ ان میں والی احساء کا مقابلہ کرنے کی صلاحیتیں بھی بدرجہ اتم موجود ہیں اور شورش بپا کرنے والوں کو کچلنے کی اہلیت بھی رکھتے ہیں

کیا والی عیینہ شیخ الاسلام کی معاونت سے دستکش ہو گیا تھا ؟

ابن بشر کی تالیف کردہ کتاب (عنوان المجد فی تاریخ نجد، طبع مصر) کے ص۱۹ میں مذکور

ہے کہ والی عینیہ میں نمایاں تبدیلی آچکی تھی جب کہ اس نے محمد بن عبدالوہاب کی طرف پیغام ارسال کیا کہ والی احساء نے تیرے قتل کے احکامات جاری کر دیئے ہیں ہم اسکی مخالفت مول لے کر اسکے غیظ و غضب کا نشانہ بننے کی طاقت نہیں پاتے ہیں چونکہ ہمارے شہر میں آپ کا قتل ہونا انسانی مروّت اور ہمدردی کے منافی ہے لہٰذا مناسب یہ ہے کہ آپ ہمارے شہر کے حدود سے باہر نکل جائیں فوراً ایک فوجی جوان فرید نامی تیار کیا گیا کہ تم گھوڑے پر سوار ہو جاؤ اور محمد بن عبدالوہاب جس شہر میں جانا پسند کریں وہاں چھوڑ آؤ۔ چنانچہ شیخ الاسلام آگے آگے پیدل دوڑ رہے تھے اور فوجی جوان گھوڑے پر سوار ہو کر پیچھے پیچھے جا رہا تھا موسم سخت گرم تھا۔ فوجی جوان کو حکم دیا گیا تھا کہ فلاں جگہ پہنچ کر اسے موت کے گھاٹ اتار دیا جائے چنانچہ جب فوجی جوان نے قتل کرنے کا ارادہ کیا تو اس کا دل خوف سے کانپنے لگا اور ایک قدم بھی آگے نہ چل سکا وہ سمجھ گیا کہ یہ شخص حفاظت خداوندی میں ہے اور اس کے قتل کی تمام تدبیریں اکارت جائیں گی اس حالت میں اس نے گھوڑے کا رخ عینیہ کی طرف پھیر دیا اور والی عینیہ سے تمام واقعہ بیان کیا۔

واقعہ کی تردید

والیٔ عیینہ کے بارے میں ابن بشر نے جس تبدیلی کا ذکر کیا ہے۔ تاریخ کے صحیح واقعات اس کی تردید کر رہے ہیں۔ شیخ الاسلام کے معاصر مؤرخین نے اس واقعہ کا ذکر نہیں کیا ہے جس سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ یہ واقعہ فرضی ہے اگر اس قسم کا کوئی واقعہ معرض وجود میں آیا ہوتا تو محققین علماء اس کا تذکرہ ضرور کرتے اور شیخ حسین بن غنام (جو کہ شیخ الاسلام کے شاگرد رشید اور روضۃ الافہام کے مؤلف ہیں) نے بھی اس واقعہ کا تذکرہ نہیں کیا حالانکہ روضۃ الافہام میں خصوصیت کے ساتھ شیخ الاسلام کے حالات زندگی کو اجاگر کیا گیا ہے۔

اگر یہ واقعہ صحیح ہوتا تو ابن غنام جو شیخ الاسلام کے تلامذہ میں سے ہیں اس واقعہ کو ضرور احاطہ تحریر میں لاتے۔ ابن بشر کا اس واقعہ کو اپنی کتاب میں درج کرنا اس لئے

بھی صحیح نہیں کہ وہ ابنِ غنام سے بہت بعد کا ہے۔ خود ابن بشر نے بھی اس واقعہ کی صداقت سے انکار کیا ہے اور اس کو بعید از حقیقت قرار دیا ہے مزید تاریخی دلائل بھی اس واقعہ کے غلط ہونے کی نشاندہی کرتے ہیں۔ چنانچہ ابن بشر کی کتاب عنوان المجد ص۱۵ ج۱ مطبع شبذر لبغداد ۱۳۲۸ھ (جس کی تصحیح کا اہتمام شیخ محمد بن مانہہ نے کیا ہے) میں منقول ہے کہ میں نے اس کتاب کے طبع اوّل میں عثمان بن معمر اور اس کے فوجی جوانوں کے بارے بعض واقعات کا ذکر کیا ہے۔ وہاں میں نے خصوصیت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ والی عیینہ نے فوجی نوجوان کو شیخ الاسلام کے قتل کے لیے بھیجا لیکن تحقیق کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ یہ واقعہ صحیح نہیں اس لئے میں نے اس واقعہ کو طبع ثانی سے حذف کر دیا۔ اس شہادت نے ثابت کر دیا ہے کہ والی عیینیہ کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ شیخ الاسلام کی معاونت سے دستکش ہو گیا تھا۔ کسی طرح بھی درست نہیں۔ نیز یہ بات محقق ہے کہ درعیہ میں جب تحریک کامیابی سے ہمکنار ہو جاتی ہے تو والی عیینہ شیخ الاسلام کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور عینیہ واپس آنے کی درخواست کرتے ہیں۔ شیخ الاسلام معذرت پیش کرتے ہیں کہ میں اپنے میزبان اور معاون خصوصی محمد بن سعود کی اجازت کے بغیر کہیں جانے کا پروگرام نہیں بنا سکتا اس کے بعد والی عیینہ عثمان بن معمر، والی درعیہ محمد بن سعود سے ملاقات کرتے ہیں وہ بھی ان کو واپس کرنے سے معذرت پیش کرتے ہیں۔ لیکن یہاں بھی محمد بن سعود اور والی عیینہ کے درمیان کسی ایسی گفتگو کا پتہ نہیں چلتا کہ محمد بن سعود نے والی عینیہ کو خبردار کیا ہو کہ شیخ الاسلام کے تعاون سے تمہارا دست بردار ہونا مناسب نہیں۔ ان باتوں کا عدم ذکر اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ والی عیینہ عثمان بن معمر بدستور شیخ الاسلام کے معاون رہے اور تحریک کے لئے کام کرتے رہے۔

تاریخ ابن بشر میں متعدد مقامات میں ایسے حقائق موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ والی عیینہ عثمان بن معمر بعض جنگوں میں شیخ الاسلام اور محمد بن سعود کے شانہ بشانہ ہو کر لڑتے ہیں۔ ص۲۴ میں رقمطراز ہیں کہ والی عیینہ عثمان بن معمر جب جنگوں میں فوج

قیادت کے فرائض سرانجام دیتے ہیں تو ایسے شخص کے مخلص ہوتے ہیں کچھ کلام کرنا بعید از فہم ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ شیخ الاسلام کے قتل کا شاخسانہ جس کو والی عیینہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے کسی صورت میں بھی درست نہیں ہے۔ واقعات اس کی نفی کر رہے ہیں۔ شیخ الاسلام کا ساتھیوں سمیت عیینہ سے درعیہ کی طرف روانہ ہوتا محض اس لئے تھا تاکہ تحریک سے وابستہ لوگ اذیتوں سے محفوظ ہو جائیں اور کسی محفوظ شہر میں جاکر تحریک کے پھیلانے کا کام کریں اور یہ سمجھنا بالکل غلط ہے کہ والی عیینہ نے ان کو اپنے تعاون سے محروم کر دیا تھا۔

روضتہ الافکار ابن غنام ج ۱ صفحہ ۳۰-۳۱ (طبع ابابطین ۱۳۶۸ھ) میں مذکور ہے کہ عثمان بن معمر والی عیینہ جب تحریک وہابیت سے متاثر ہوئے تو شیخ الاسلام نے عیینہ میں ان کے پاس اقامت کا پروگرام بنایا چنانچہ شیخ الاسلام کے وہاں پہنچنے پر ان کا شایان شان استقبال کیا گیا۔ اور والی عیینہ نے تمام مساعی کو تحریک وہابیت کے لئے وقف کر دیا اور تمام لوگوں کو اس بات پر آمادہ کیا کہ شیخ الاسلام کی تعظیم و توقیر کے ساتھ ساتھ ان کے مواعظ حسنہ پر مبنی عمل پیرا ہوں چنانچہ والی عیینہ اور عوام کے تعاون کا نتیجہ تھا کہ عیینہ کے شہروں میں جس قدر مشرکانہ اڈے تھے سب کو مٹا دیا گیا اور وہاں اسلام کو فروغ حاصل ہوا۔

درعیہ میں شیخ عبداللہ بن سویلم کے ہاں قیام

شیخ الاسلام درعیہ میں شیخ عبداللہ بن سویلم کے گھر میں قیام پذیر ہوئے اگرچہ شیخ عبداللہ خوف زدہ تھے کہ ان کے گھر میں شیخ الاسلام کے قیام پذیر ہونے سے والی درعیہ محمد بن سعود ناراض ہو جائیں گے۔ اس لئے کہ جزیرۃ العرب میں شیخ الاسلام کے اثر و رسوخ بڑھ جانے سے عموماً مختلف شہروں کے امراء ان لوگوں کو ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے ہیں جو شیخ الاسلام کو اپنے ہاں قیام کی جگہ دے رہے ہیں اس لئے شیخ عبداللہ بن سویلم خوفزدہ ہو گیا۔ اس کے اضطراب کی

بڑی وجہ یہ تھی کہ درعیہ میں تحریک سے متاثرہ افراد نے جب شیخ الاسلام کی آمد کی خبر کو سنا تو شیخ الاسلام کی ملاقات کے لئے ان کا تانتا بندھ گیا اور اس کے گھر میں زائرین کا ہجوم کسی لیڈر کی آمد کا پتہ دینے لگا۔ اگرچہ زائرین شیخ الاسلام کی آمد کی خبر کو پردۂ راز میں رکھ رہے تھے۔ مبادا شیخ ابن سویلم کو کسی گزند کا سامنا کرنا پڑے وہ بڑی احتیاط کے ساتھ خفیہ انداز میں وہاں پہنچ رہے تھے۔ قرآن پاک کی تفسیر اور درس و تدریس کا سلسلہ جاری ہو چکا تھا۔ بعض طلبہ نے مناسب سمجھا کہ والی درعیہ کے بھائی شیخ ثنیان اور والی درعیہ کی بیگم کی خدمت میں بصورت وفد جا کر ان کو تمام حالات سے باخبر کیا جائے تاکہ ان دونوں کی وساطت سے ہمیں کامیابی حاصل ہو اور ان کی سفارش سے تمام مشکلات کا حل نکل آئے اس لئے کہ جہاں شیخ ثنیان نیک دل، متحمل مزاج اور توحید و سنت کا شیدائی ہے۔ وہاں والی درعیہ کی بیگم کے مروت و ہمدردی کے واقعات طالب علموں اور علماء کے ساتھ فیاضانہ سلوک کی داستانیں اپنا ایک مقام رکھتی ہیں اور پھر عرب عورتوں میں اس کی عقلمندی کے تفوق کو دوام حاصل تھا۔ چنانچہ دونوں کو ان کی خدمت میں پہنچ کر ان کے خیال کو تقویت نصیب ہوئی۔ انہوں نے فراخ دلی سے مکمل تعاون کا یقین دلایا اور والی درعیہ سے بجا طور پر توقع کا اظہار کیا کہ وہ بھی اس تحریک کی حمایت اور دیکھ بھال کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھیں گے۔ چنانچہ وہ دونوں والی درعیہ کو اعتماد میں لینے میں کامیاب ہو گئے چنانچہ والیٔ درعیہ نے مسرت کے ساتھ اس عزم کا اظہار کیا کہ تحریک وہابیت اور دعوت الی اللہ کے مشن میں مقدور بھر ہمدردیوں سے دریغ نہیں کیا جائے گا پھر عیینہ میں انکی سرگرمیوں کے اثرات بھی انکی نظروں سے اوجھل نہ تھے والی درعیہ محمد بن سعود خوش و خرم تھے کہ تحریکِ وہابیت کا علم برداران کے شہر میں رونق افروز ہے اس نے اپنے بھائی اور بیوی کے ان جذبات کا گرم جوشی سے استقبال کرتے ہوئے برملا اعتراف کیا کہ اس عظیم انسان کا ہمارے شہر کو مسکن بنانا ہمارے لئے باعث عز و افتخار ہے۔

چنانچہ اولاً یہ خیال آیا کہ شیخ الاسلام کو اپنے پاس بلایا جائے لیکن بھائی اور بیوی کے توجہ دلانے پر تحریک کے علم بردار کی توقیر و تعظیم کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے علم

اور اہل علم کی قدر و منزلت کا پاس کرتے ہوئے اپنے ہاں بلانے کے ارادے سے باز رہا اور بنفس نفیس چند رفقاء کی معیت میں شیخ ابن سویلم کے گھر پہنچ کر شیخ الاسلام سے ملاقات کی انہیں خوش آمدید کہا اور خیر سگالی کا اظہار کرتے ہوئے اپنے مکمل تعاون کا یقین دلایا تحفظ دلانے اور فضا کو سازگار بنانے کا وعدہ فرمایا۔ شیخ الاسلام نے جواباً گرمجوشی کے ساتھ والی درعیہ کو مرحبا کہا اور معاونت پر ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے انہیں خوش کن خبر سے ہمکنار کیا کہ جو شخص لا الٰہ الا اللہ کے ساتھ تمسک اختیار کر لیتا ہے اور اس کے مطابق عمل کرتا رہتا ہے تو اسکی حکومت عدل و انصاف کا گہوارہ بن جاتی ہے اور اس کی سلطنت کی جڑیں مضبوط ہوتی جاتی ہیں اس کے جاہ و جلال کا سایہ وسعت پذیر رہتا ہے تمام پیغمبروں نے اس کے ارد گرد اپنی تمام جدوجہد کو مرکوز رکھا اور لمحہ بھر اس سے بے اعتنائی کو گناہ عظیم سمجھا، خیال کیجئے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کس پامردی کے ساتھ توحید کی دعوت کو پھیلانے میں سرگرمی دکھلائی۔ ان کے بعد صحابہ کرام نہایت دلجمعی اور دلسوزی کے ساتھ امر بالمعروف نہی عن المنکر کے فریضہ کی انجام دہی میں مصروف عمل رہے۔ اور جہاد فی سبیل اللہ کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے۔ جانی مالی قربانیوں سے پیچھے نہ ہٹے۔ اب ہمارے لئے انکی زندگی اسوہ حسنہ ہے۔ ان کے نقش قدم پر چل کر ہی رضائے الٰہی حاصل ہو سکتی ہے۔ شیخ الاسلام کی باتوں کا والی درعیہ پر گہرا اثر ہوا۔ اس کا چہرہ خوشی سے تمتما اٹھا اور برجستہ کہا ہمیں چاہیئے کہ ہم دونوں مل کر بدعات اور گمراہی کے سوتوں کو بند کریں۔ توحید و سنت کے پرچم کو تھام کر اس کی اشاعت اور احیاء کیلئے وقف ہو جائیں۔ جہاد فی سبیل اللہ اور اسلامی علوم کی ترویج و اشاعت کے لئے کمر ہمت باندھیں تاکہ جہالت تاریکی اور اس کے مضمرات سے معاشرہ آئینے کی طرح صاف ہو جائے۔

والی درعیہ کی ان باتوں کا شیخ الاسلام پر گہرا اثر پڑا اور اس کا دل و دماغ فرحت و انبساط سے اچھلنے لگا اور اس کے یقین کو مزید تقویت حاصل ہوئی کہ دین اسلام کی تبلیغ اور جہاد فی سبیل اللہ میں ہی دنیا و آخرت کی سعادتیں مضمر ہیں اس پر والی درعیہ خود اعتمادی

کے جذبہ کے ساتھ اپنی تمام ترخدمات شیخ الاسلام کے تعاون اور تحریک کی حمایت و نُصرت کے لئے وقف کرنے کا اعلان کرتے ہوئے اپنی طرف سے دو شرطیں عائد کرتا ہے۔

شرط اوّل : مجھے اندیشہ ہے کہ جب ہم نے جہاد فی سبیل اللہ کی مقدس تحریک کے تعاون میں کسی قربانی سے دریغ نہ کیا اور ہماری مساعی کو کامیابی حاصل ہوئی تو آپ ہمارا شہر چھوڑ کر کسی دوسرے شہر میں چلے جائیں گے اس لئے ہر حالت اور ہر قیمت پر آپ کو ہمارے پاس رہنا ہوگا۔

شرط ثانی :۔ پھلوں کے پختہ ہونے کے وقت درعیہ کے باشندوں سے ٹیکس وصول کیا جاتا ہے۔ آپ اس میں مداخلت نہیں کر سکتے، شیخ الاسلام کا مطمحِ نظر چونکہ یہ تھا کہ جس شرط کو اسلام جائز قرار دیتا ہے اسے جائز قرار دیا جائے اور اگر اسلام کسی شرط کو ناجائز قرار دیتا ہے تو والی درعیہ محمد بن سعود کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے اس کو کسی صورت میں جائز قرار نہیں دیا جا سکتا۔ لہٰذا دوسری شرط چونکہ اسلام کے نصوصِ صریحہ کے مخالف ہے۔ اس لئے اس پر غور و فکر کرنے کی زحمت کو بھی گوارا نہیں کیا جا سکتا اور عین ممکن ہے کہ بیت المال کو اس آمدنی سے کہیں زیادہ آمدنی فتوحات کی غنیمتوں سے میسر آجائے البتہ شرط اوّل کے تسلیم کرنے میں کچھ ہچکچاہٹ نہیں۔ اس معاہدہ کی رو سے مجھ پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ میں آپ کے خون و مال کے تحفظ کا اس طرح ضامن ہوں جس طرح کہ آپ کو میرے خون و مال کی حفاظت کے لئے تیار رہنا ہوگا۔ معاہدہ کے یہ الفاظ بعینہٖ عقبہ ثانیہ کے معاہدہ کے الفاظ ہیں۔ جب انصار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کر رہے ہیں اور آپ کے ساتھ تعلقات استوار کرتے ہوئے دیگر حلیفوں سے معاہدات کالعدم قرار دے رہے ہیں تو کیا جب آپ فتح و نصرت کی خوشیوں سے شادکام ہوں گے ہمارا ساتھ چھوڑ کر واپس مکہ مکرمہ تو نہیں لوٹ جائیں گے۔ آپ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا (بل الدم الدم والھدم والھدم)

تمہارا خون میرا خون ہے۔ تمہاری عزت کو گرانا میری آبرو کے ساتھ کھیلنے کے مترادف ہے۔ میں تم سے ہوں اور تم مجھ سے ہو۔ میں ان لوگوں سے جنگ کروں گا جن سے تمہاری جنگ ہو گی اور ان لوگوں کے ساتھ میری صلح ہو گی۔ جن کے ساتھ تمہاری صلح ہو گی۔

اگرچہ الدم الدم والھدم الھدم کا جملہ عرب میں متعارف تھا۔ معاہدہ کو پختہ کرتے ہوئے اس جملہ کو دہرایا جاتا تھا۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تاریخی جملہ کو معاہدہ میں شامل فرما دیا اور پھر اس معاہدہ پر قائم رہے۔ معاہدہ کی تکمیل پر شیخ الاسلام نے سعودی مملکت کے استحکام کے لئے دعا کرتے ہوئے کہا کہ اے اللہ پاک جس طرح اس نے اپنے ملک میں تیرے دین کو غالب کرنے کا عزم کیا ہے اور اپنے تعاون کا یقین دلایا ہے۔ اسی طرح تو بھی اس کو اور اس کی اولاد کو مسلمانوں کا راہنما بنا اور انہیں اپنے فضل و کرم سے نواز دے۔ اللہ پاک نے اپنے فرماں بردار بندے کی دعا کو قبول کر لیا چنانچہ اس وقت سے لے کر آج تک آلِ سعود کو یہ شرف حاصل ہے کہ مسلمان انہیں اپنا راہنما اور لیڈر مانتے ہیں اور تمام عالمِ اسلام پر انکی سیادت و سطوت کا جلوہ سایہ فگن ہے۔ اسی مجلس میں سعودی امیر شیخ الاسلام کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہوئے اسلامی شریعت کے قیام، جہاد فی سبیل اللہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر توحید و سنت کے احیاء کا عہد کرتے ہیں اور شیخ الاسلام کو شاہی اعزاز و اکرام کے ساتھ درعیہ کے دارالامارت کی طرف لے جایا جاتا ہے۔ انکی رہائش اور خوراک کا انتظام شاہی مہمان خانہ کے سپرد کیا جاتا ہے۔ امیر محمد بن سعود اور اس کے ملازمین و رفقاء پوری دلسوزی کے ساتھ عوام کے تمام حلقوں میں شیخ الاسلام کی رہنمائی میں توحید اور ثقافت اسلامی کی نشر و اشاعت میں مصروف ہو جاتے ہیں اور دعوت الی اللہ والرسول کے لئے وقف ہو جاتے ہیں اور شیخ الاسلام سے دین اسلام کے حصول کی مجلسوں میں امیر درعیہ اعیان سلطنت کے ساتھ بلا امتیاز ایک ہی صف میں بیٹھے ہوئے نظر آتے ہیں۔ وہ باہم محبت اور اخوت کے جذبہ کے ساتھ کتاب و سنت

کی تعلیم میں منہمک ہیں اور شیخ الاسلام کے حلقۂ درس میں غیر معمولی ازدہام نظر آرہا ہے امیر غریب میں کچھ بھی فرق موجود نہیں ہے۔ عیینہ اور دیگر شہروں سے دوستوں مداحوں، عقیدت مندوں اور شاگردوں کا تانتا بندھ جاتا ہے۔ تحریک میں شمولیت کے بعد ظلم و ستم کا نشانہ بننے والے افراد سرعت رفتاری کے ساتھ درعیہ کا قصد کر رہے ہیں اور وہ خوشی سے پھولے نہیں سماتے کہ شیخ الاسلام کو دعوت اسلامی کی نشر و اشاعت کے لئے محفوظ مقام میسّر آچکا ہے۔ جہاں کا ایماندار حاکم نہ صرف یہ کہ وہ خود کو اس کام کے لئے وقف کر چکا ہے بلکہ اپنے تمام ذرائع کو تحریک کی حمایت اور اس کی تائید کے لئے حرکت میں لے آیا ہے جس سے درعیہ کا نقشہ ہی بدل جاتا ہے اور ایک سیاح جب درعیہ کے اس علمی ماحول کا جائزہ لیتا ہے تو وہ حیران و ششدر رہ جاتا ہے کہ اس درعیہ کے گلی کوچوں سے قال اللہ و قال الرسول کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں جہاں جہالت کا دور دورہ ہوتا تھا وہاں اب تشنگانِ علم نہ صرف مسجدوں میں علمی پیاس بجھانے میں مصروف تھے بلکہ گھروں اور بازاروں میں بھی عشاقانِ کتاب و سنت کا ازدہام نظر آرہا تھا۔ ان کی صدائے بازگشت سے تمام شہر نغمہ سرائی کر رہا تھا اور زندگی کی رگوں میں مسرت و انبساط کا تازہ خون گردش کر رہا تھا۔ ایک وقت تھا جب درعیہ جہالت اور تاریکی کی آغوش میں تھا لیکن شیخ الاسلام کے علم و ادب کی شعاعوں نے تمام شہر کو بقعہ نور بنا دیا، مسجدیں اسلامی ثقافت کی آئینہ دار نظر آنے لگیں، علمی مباحث و مذاکرات کا غلغلہ قوت سامعہ کو لطف اندوزی و سرشاری کی نعمت کا عطیہ پیش کر رہا تھا۔ چنگ و رباب کی سُروں میں وہ وجد اور کیف کہاں جو کتاب و سنت کا پرچار کرنے والوں کی آوازوں میں موجود تھا غرضیکہ درعیہ میں مختلف شہروں سے تمام مکتبِ فکر کے لوگوں کے وفود کا اجتماع عجیب منظر پیش کر رہا تھا لیکن شیخ الاسلام کے بڑھتے ہوئے اقتدار کو برداشت نہ کیا گیا اور طرح طرح کی الزام تراشیوں سے انکی حیثیت داغدار کرنے کی کوششوں میں مصروف ہو گئے، کبھی کاہن ساحر، شعبدہ باز، دجال کذاب کہا، کبھی کافر زندیق، ملحد کہہ کر لوگوں کو ان سے بدظن

کرنے کی ناکام کوشش کی۔ لیکن شیخ الاسلام پورے سکون واطمینان کے ساتھ استہزاء اور گالی گلوچ کا مردانہ وار مقابلہ کرتے ہوئے دعوت الی اللہ کے مبارک کام میں مصروف رہے۔ کتاب وسنت کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق احسن انداز کے ساتھ مخالفین کی باتوں کا جواب دیتے رہے اور برابر تبلیغ میں مصروف رہے کہ شاید اللہ پاک ان کو صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

شیخ الاسلام اعلیٰ صفات کے مظہر تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ان کے اکثر مخالفین اور حاسدین ان کے سامنے تواضع کے ساتھ بچھے جا رہے تھے، اپنی کوتاہیوں کا اعتراف کر رہے تھے ان کے صبر وحلم، راست بازی، عزم کی پختگی انہیں ورطہ حیرت میں ڈال رہی تھی اور جب بھی کبھی دشمنوں نے ان کو تشدد کا نشانہ بنایا تو اس سے جہاں ان کے ایمان وایقان کی دولت میں اضافہ ہوا، وہاں دشمنوں نے اپنی غلطیوں کا اعتراف کیا اور صدقِ دل سے معذرت کا اظہار کیا۔

شیخ الاسلام کے بھائی سلیمان بن عبدالوہاب کا ذکر

شیخ الاسلام کے بھائی سلیمان بن عبدالوہاب اگرچہ عالم دین تو تھے لیکن اس کا دل بھائی کے خلاف بغض سے بھرا ہوا تھا اور انہیں حقارت آمیز نظروں سے دیکھتا تھا وہ مدینہ منورہ پہنچ کر تمام حجاز میں شیخ الاسلام کی دعوت کے خلاف زہر اگلتا رہا اسلئے وہ ان کی مقبولیت اور شہرت دیکھ کر برداشت نہ کر سکا اور مخالفت میں ایک کتاب لکھ ڈالی جس میں شیخ الاسلام کو بھرپور تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے احمق اور بیوقوف کہا لیکن شیخ الاسلام مقابلتہً نرم گفتگو کرتے، محبت اور دھیمے انداز میں صلہ رحمی کرنے پر زور دیتے ہیں، مراسلات کا سلسلہ منقطع نہیں کرتے ہیں مایوسی کو گناہِ عظیم سمجھتے ہوئے اپنے بھائی کو حقائق سے قریب تر کرنے میں کوشاں رہے اور بار بار دہراتے رہے کہ حق کو تسلیم کرنا باطل پر اصرار کرنے سے بدرجہا بہتر ہے۔ اگرچہ سلیمان بن عبدالوہاب اپنے بھائی شیخ الاسلام کے خلاف ریمارکس دیتا ہوا اسے گمراہ جھوٹا اور باطل پرست قرار دیتا ہے لیکن شیخ الاسلام کا ہمدردانہ اور مصالحانہ رویہ

بالآخر اسکی بصیرت کو روشن کر دیتا ہے اور وہ ہدایت کی آغوش میں آکر خوش وخرم دکھائی دیتا ہے ۔ چنانچہ اپنے بھائی کی خدمت میں پہنچ کر اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں کی معافی چاہتا ہے اور اعتراف کرتا ہے کہ وہ حسد کے ہاتھوں مجبور ہو کر ناشائستہ کتاب کو مرتب کرنے پر شرم اور ندامت محسوس کرتا ہے ۔

شیخ الاسلام اپنے بھائی کے راہِ راست پر آنے کو محبت بھری نگاہوں سے دیکھتے ہیں اور خوشی سے پھولے نہیں سماتے، خیال رہے کہ اس قسم کے سینکڑوں انسانوں سے شیخ الاسلام کا واسطہ پڑا ۔ بالآخر وہ لوگ عناد اور دشمنی کو خیرباد کہہ کر ان کے ایسے گرویدہ ہوئے کہ ان کے اشاروں پر رقص کرنے لگے ۔ یہ اس بات کا نتیجہ تھا کہ شیخ الاسلام پورے زور و شور کے ساتھ ہمہ تن مصروف تبلیغ رہتے، عرب کے اطراف و اکناف سے وفود درعیہ شہر میں داخل ہو رہے تھے ۔ تحصیل علم کے بعد شیخ الاسلام کے ہاتھ پر نصرت و حمایت کی بیعت کرتے ہوئے اپنے اپنے گھروں کی طرف روانہ ہو جاتے تھے اور وہاں دعوت اسلامی کی نشر و اشاعت کے کام کا آغاز کر دیتے تھے ۔

عیینہ میں تحریک کے مؤیدین نے جب دیکھا ۔ کہ درعیہ میں شیخ الاسلام اور والی سعود کی ملی جلی کوششوں سے دینی، فکری آزادی کی فضا پیدا ہو چکی ہے ۔ سکون و اطمینان کے ساتھ لوگ علمی سعادتوں سے بہرہ ور ہو رہے ہیں تو ان کی اکثریت نے درعیہ کا رُخ کیا تاکہ وہ بھی علمی ضیا پاشیوں کو اپنے دل و دماغ میں سمیٹ کر اخروی سعادتوں سے ہمکنار ہو سکیں ۔ ان میں والی عیینہ نے شیخ الاسلام کی خدمت میں اپنی ایک آرزو کا اظہار کیا کہ ہماری خوشی کی انتہا نہ ہو گی ۔ اگر آپ عیینہ واپس تشریف لے چلیں ۔ شیخ الاسلام نے معذرت پیش کرتے ہوئے جواب دیا کہ والی درعیہ محمد بن سعود کے ساتھ یہاں رہنے کا عہد و پیمان ہو چکا ہے ۔ لہٰذا مناسب نہیں ہے کہ حلیف کے ساتھ معاہدہ کا ایفا نہ کیا جائے ۔ ہاں اگر وہ واپس جانے کی اجازت دینے پر رضامند ہو جائیں تو پھر واپس جانے میں کچھ حرج بھی نہیں ہے ۔

ان کے بعد والی عیینہ محمد بن معمر نے والی درعیہ محمد بن سعود سے اس مسئلہ پر گفتگو کی۔ شیخ محمد بن سعود نے معذرت کا اظہار کیا اور کہا کہ شیخ الاسلام کے درعیہ آنے سے جو شرف اس شہر کو حاصل ہو چکا ہے اور سنّت کے احیاء کا جس تیزی کے ساتھ کام آگے بڑھ رہا ہے۔ اس کے پیشِ نظر ہم کب گوارا کر سکتے ہیں۔ کہ اس قسم کی محبوب شخصیت کی جلوہ طرازیوں، ضیا پاشیوں سے محروم ہو جائیں۔ یہ جواب سُن کر والی عیینہ واپس وطن لوٹ گئے اور وہاں تحریک کے احیاء کیلئے کام کرتے رہے۔ کچھ مدّت کے بعد دوبارہ شیخ الاسلام کی ملاقات کے لئے حاضر ہوئے، تجدید بیعت، کتاب و سنت کی حکمرانی قائم کرنے، مخلصانہ مساعی کو تیز کرنے کے عہد کو پختہ کرنے کے بعد واپس وطن لوٹ گئے اور دعوت الی اللہ کے کام میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔ تا آنکہ جمعۃ المبارک کے دن نماز سے فارغ ہوتے ہی تھے کہ کسی درندہ صفت انسان نے ان کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً۔

جوں ہی عثمان بن معمر کی المناک شہادت کی خبر درعیہ پہنچی تو محمد بن سعود فوراً عیینہ پہنچے اور فتنوں کا اس انداز سے استیصال کیا۔ تاکہ مزید کسی ناخوشگوار واقعہ سے دوچار ہونا نہ پڑے۔ عثمان بن معمر کی جگہ اس کے بھائی مشاری بن معمر کو اقتدار سونپ دیا گیا اور عوام کو خبردار کیا گیا کہ اگر یہ شخص بدعات، منکرات اور فواحش کا قلع قمع کرنے کی بجائے غیر اسلامی معاشرہ کو تقویت بخشنے کے اسباب کو فروغ دے تو اسکی اطاعت نہ کی جائے۔ والی درعیہ محمد بن سعود ضروری انتظامات کرنے کے بعد فوراً درعیہ واپس لوٹے تاکہ درعیہ میں تعلیم و تربیت کے کام میں کوئی رخنہ واقع نہ ہونے پائے۔ وہاں پہنچ کر اس نے حالات کا بغور مطالعہ کیا تو اسے معلوم ہوا۔ کہ درعیہ کے مذہبی، تعلیمی، سیاسی کوائف پہلے سے کافی مختلف ہیں۔ طالبانِ علم، جویانِ حق کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے لیکن ان میں اکثریت ایسے طالب علموں کی تھی جو اپنے کھانے پینے کے

انتظام کرنے سے قاصر تھے۔ شیخ الاسلام نے انکی رہائش اور خوراک کا مناسب انتظام فرمایا اور ہزاروں ریال قرض لے کر انکی ضروریات کو پورا کیا۔ تاکہ بنیادی ضروریات سے فارغ البال ہوکر خوش اسلوبی کے ساتھ آزادانہ فضا میں علم وادب کے زیور سے آراستہ پیراستہ ہوسکیں۔ جب ریاض فتح ہوا۔ تو بیت المال سے قرض کو ادا کیا اور جیسے جیسے متلاشیانِ حق تعلیم و تربیت کے بعد فارغ ہورہے تھے۔ انہیں مختلف شہروں کی طرف مبلّغ بنا کر بھیجا جارہا تھا تاکہ وہاں دعوت اسلامی کا پرچار کریں اور توحید کے پرچم کو بلند رکھیں۔ چنانچہ حجاز، شام، عراق احساء، کویت، یمن اور عسیر ملکوں میں تبلیغی وفود بھیجے گئے۔ جن کی مساعی سے بفضلہٖ دعوتِ الی اللہ کی تحریک کو فروغ حاصل ہوا۔ اور کتاب وسنّت کی حاکمیّت کا غلغلہ بلند ہوا۔

تحریک کے خلاف اعلانِ جنگ

تحریک کے پیروکار نجد، احساء بصرہ اور عراق کے شہروں میں بڑھتے جارہے تھے۔ متبعین کی بڑھتی ہوئی تعداد بدعات وخرافات ظلم وفساد کے خلاف دعوت الی اللہ کا نعرہ مبارزت حکمرانوں بادشاہوں کے اقتدار کو ملیامیٹ کرنے کے لئے کھلا چیلنج تھا چنانچہ ان کی گھبراہٹ خوف زدگی کا نتیجہ تھا کہ وہ دعوت الی اللہ کی تحریک کو کچلنے کے لئے میدان میں نکل آئے امراء سے تحریک کے شدید ترین مخالف ریاض کے امیر دہام بن دواس، احساء کے امیر سلیمان بنو خالد، قطیف کے امیر ابن المفلق، بصرہ کے امیر ابن ثوینی اور علماء سوء سے دعوت الی اللہ کی مخالفت میں نمایاں حصہ لینے والے محمد بن سحیم نجدی اور ابراہیم نجدی میدانِ جنگ میں کود پڑے۔

دہام بن دواس کا کردار

یہ بدکردار شخص دعوت وارشاد کا شدید ترین مخالف تھا اس کی حکومت ظلم وفساد اور

اسلام دشمنی کی آئینہ دار تھی۔ اگرچہ بظاہر اس کی مملکت کی بنیاد اسلام پر تھی لیکن درحقیقت وہ اسلام کا دشمن تھا۔ اس کی حکومت کے فیصلے کتاب اللہ کی روشنی میں طے نہیں پاتے تھے تقریباً ربع صدی تک وہ دعوت الی اللہ کے مقابلہ میں برسرپیکار رہا۔ خاندانی طور پر وہ کسی شریف خاندان کا فرد نہ تھا بلکہ ریاض کے امیر زید بن موسیٰ ابوزرعہ کے مملوک خمیس کا غلام تھا۔ حوادثات زمانہ دیکھئے کہ وہ غلامی کے حدود سے نکل کر قصرِ امارت میں رونق افروز ہوا۔

ریاض کے حاکم کا قتل

ریاض کا حاکم زید بن موسیٰ بہترین حاکم تھا۔ اس کے محل میں اس کے ساتھ اس کا چچازاد بھائی رہتا تھا جس کا دماغی توازن صحیح نہ تھا۔ ایک رات اس نے زید بن موسیٰ کو اچانک موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس کو قتل کرنے کے بعد خود فرار ہونا چاہتا تھا لیکن زید بن موسیٰ کے مملوک خمیس نے جب اپنے آقا کو خاک و خون میں لت پت دیکھا تو میان سے تلوار نکال کر قاتل کا سر قلم کر دیا۔

خمیس مملوک کا حاکم بننا

چونکہ مقتول زید بن موسیٰ کے لڑکے ابھی ایام طفولیت گزار رہے تھے، حکومت سنبھالنے کی اہلیت کی عمر تک نہیں پہنچے تھے اس لئے خمیس نے زید بن موسیٰ کی وصیت کا افسانہ تراش کر خود کو حاکم بنا دیا اور اعلان کیا کہ جب لڑکے بالغ ہو جائیں گے تو میں ان کے حق میں دست بردار ہو جاؤں گا۔

خمیس مملوک کا ظلم و ستم

یہ جاہل بے وقوف حاکم تھا، حکومت ملتے ہی اس نے مطلق العنانی کو اپنا وطیرہ بنا لیا۔ تین سال تک لوگوں کو اپنے ظلم و ستم کا نشانہ بنایا۔ فواحش و منکرات کا بازار گرم رکھا۔ تمام ریاض فسادیوں

کی لپیٹ میں آگیا۔

خمیس کے خلاف ریاض کی فضا دھماکہ خیز حالات سے دوچار ہونا چاہتی تھی لوگوں نے اس کے ظلم سے نجات حاصل کرنے کے لئے اسے اچانک قتل کرنے کا منصوبہ بنایا جب اس نے فضا کو اپنے خلاف پایا تو وہ حائر بھاگ گیا۔ وہاں سے منفوحہ پہنچا اور وہیں شاہی خاندان کے ایک فرد کے ہاتھوں انتقامی جذبات کی بھینٹ چڑھ گیا اس کے قتل سے اگرچہ ریاض کے باشندوں کو قلبی سکون میسر آیا لیکن اقتدار کی کرسی کو خالی پاکر خمیس کا غلام دہام بن دواس آبیٹھا جو تمام بداخلاقیوں کا مجمع الخبائث تھا۔ قصر شاہی میں خادم کی حیثیت سے رہنے والا بدطینت انسان تمام واقعات سے باخبر تھا وہ خوب سمجھتا تھا کہ اگرچہ زید بن موسیٰ کے بچے ابھی حکومت چلانے کے قابل نہیں ہیں تاہم اقتدار کے تحفظ کے لئے ضروری ہے کہ انہیں شاہی محل میں پابند کردیا جائے چنانچہ اقتدار سنبھالتے ہی اس نے اعلان کیا کہ جب بچے بالغ ہوجائیں گے تو اقتدار ان کے حوالے کردیا جائے گا مجھے کچھ لالچ نہیں ہے صرف حالات کے تقاضوں نے مجھے یہاں بٹھادیا ہے اور میں بہت جلد اقتدار سے الگ ہونے کا عہد کرتا ہوں۔

دہام بن دواس کے لرزہ خیز مظالم:۔ یہ شخص اپنے آقا خمیس سے زیادہ بدچلن آوارہ، وحشی اور درندہ صفت تھا۔ کسی بدطینت بے ہودہ انسان کی تربیت میں رہنے والا انسان یقیناً تمام نالائقیوں کا مظہر ہوتا ہے۔ بداخلاقیوں کی مزاولت نے اس کے دل کو ہمدردی کے احساسات سے محروم کردیا تھا وہ تو وحشی درندہ تھا جس کے پہلو میں پتھر کا ٹکڑا تھا۔ مجرموں کی پناہ گاہ تھا اور کسی شریف انسان کی آبرو اس سے محفوظ نہ تھی۔ عوام اس کی ستم رانیوں کے خوف سے کانپ رہے تھے وہ بلاوجہ لوٹ مار کا بازار گرم کردیتا اور شرفا کو بلاوجہ موت کے گھاٹ اتار دیتا۔ ایک دفعہ ایک شریف خاتون پر ناراض ہوگیا تو اس کے بیٹوں کو دھاگے کے ساتھ سی دینے کا حکم دیا۔ یقیناً کسی مذہب میں اس قسم

کی ظالمانہ سزا دینے کی اجازت موجود نہیں ہے۔ چہ جائیکہ اسلام میں اس سزا کی کچھ گنجائش ہو۔ پھر اس شریف خاتون کا کچھ جرم بھی نہ تھا۔ اگر تسلیم کر لیا جائے کہ اس نے زبان کے ساتھ اس کو بُرا بھلا کہا ہو گا تو پھر بھی شرعاً اس کی سزا اسّی کوڑے ہیں۔ وہ لوگوں کو مصیبت میں ڈال کر خوشی محسوس کرتا اور ان کے درد و کرب اور کراہنے کی آواز کو سُن کر لطف اندوز ہوتا اس سے بڑھ کر وحشت و درندگی کا تصوّر کیا ہو سکتا ہے یہ ایک واقعہ ہی اس کی درندہ صفت طبیعت کا نقشہ اجاگر کر رہا ہے لیکن اس قسم کے بیسیوں واقعات سے اس کی زندگی تاریکی کے بحرِ عمیق میں ڈوبی ہوئی نظر آتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ سرکشی نے اس کو انسانوں کی فہرست سے خارج کر دیا تھا۔

انسانیت سوز واقعہ:۔ دہام بن دواس ایک آدمی پر ناراض ہو گیا اسے بیڑیاں پہنا کر حاضر کیا گیا اور حکم دیا گیا کہ اس کے ران سے گوشت کا ٹکڑا کاٹا جائے اور اس کے منہ میں داخل کیا جائے جب وہ نگل نہ سکا تو اسکو کوڑوں سے پیٹا گیا اور حکم دیا گیا کہ بھون کر اس کے منہ میں ٹھونسا جائے اگرچہ اس صورت میں بھی اس کو نگلنا استطاعت سے باہر تھا تاہم موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا کیفیت کے ساتھ اسے نگلنا ہی پڑا۔

وحشت و بربریت کا زندہ ثبوت:۔ ایک قیدی کے متعلق شکایت کی گئی کہ اس نے دانتوں سے ہتھکڑی کو اتار پھینکا ہے چنانچہ پا بزنجیر کر کے اسے عدالت میں لایا گیا۔ جب کہ بخار کی شدّت سے اس کا جسم کانپ رہا تھا۔ اس کے متعلق حکم دیا کہ ہتھوڑے کی ضربات سے اس کے دانتوں کو توڑا جائے۔ چنانچہ ہتھوڑے کی ضربات سے اس کے دانت توڑ دیئے گئے وہ درد کی شدّت سے چیخنے لگا اور پیچ و تاب کھانے لگا۔ اس کے منہ ناک چہرے سے خون بہہ رہا تھا۔ اسی حالت میں وہ بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑا۔

پندار و غرور کا مظہر:۔ صبح کے وقت جبکہ دہام اپنے محل میں قہوہ پی رہا تھا کیا دیکھتا ہے کہ ایک نیک انسان اللہ کی عبادت میں مصروف ہے اس سے نہ رہا گیا فوراً اپنے دربانوں کو اس کے حاضر کرنے کا حکم دیا جب وہ محل میں آیا تو اپنے ہاتھ کے ساتھ اس کی زبان کو کاٹ دیا اس کے اس قسم کے انسانیت سوز واقعات بے شمار ہیں کبھی قدر حیرت و استعجاب کا مقام ہے کہ شریف انسانوں کو اس لئے مار پیٹ کا نشانہ بناتا تا کہ ان کے کراہنے کی آواز سے لطف اندوزی کا سامان فراہم کرے اور لوگوں کو قتل کرنے سے مقصد صرف یہ ہوتا کہ اعضاء کے جسد سے الگ ہونے کا منظر کا مشاہدہ کر سکے۔ دہام کو جہاں اپنی قوت پر ناز تھا وہاں اس کے اعوان و انصار کے تعاون نے اس کو زیادہ بیباک اور نڈر بنا دیا تھا۔ اپنے ارد گرد کمزور امراء کو قتل کر کے ان کے علاقوں کو اپنے زیر اقتدار لے آیا البتہ شیخ الاسلام اور محمد بن سعود سے خوفزدہ تھا اس لئے بظاہر ان کے ساتھ اچھے تعلقات قائم رکھنا۔

منفوحہ پر حملہ:۔ ۱۱۵۹ھ میں دہام بوادی نظیر سے چند فوجیوں کو لیکر رات کی تاریکی میں منفوحہ شہر پہنچ گیا۔ فوج کے ایک حصہ کو کھجوروں کے جھنڈوں اور کھیتوں میں پھیلا دیا اور انہیں آرڈر دیا۔ جوں ہی صبح صادق نمودار ہو۔ فائرنگ شروع کر دی جائے اور کھجوروں کو آگ لگادی جائے اور خود مختصر سی جماعت لے کر اندرون شہر بعض غیر آباد گھروں میں چھپ گیا۔ جوں ہی فجر نمودار ہوئی اور لوگ صبح کی نماز ادا کرنے کے لئے مسجد کی طرف نکلے ابھی نماز سے فارغ نہیں ہو پائے تھے کہ فضا فائرنگ کی آواز سے گونج اٹھی۔ لوگ خوفزدگی کے عالم میں کھجوروں کے باغات اور کھیتوں کی طرف بھاگے جا رہے تھے اس لئے کہ ان کے باغات آگ کے شعلوں کی لپیٹ میں تھے اور ان کا گذرا اوقات چونکہ کھیتی باڑی اور تجارت پر تھا اس لئے وہ اپنی معیشت کو تباہ ہوتا دیکھ کر ہتھیاروں سے مسلح ہو کر فسادیوں پر حملہ آور ہو گئے وہ ان سے جنگ لڑ رہے تھے کہ اندرون شہر فائرنگ کی آواز سنائی دی، عورتیں بچے چیخ رہے تھے اور مدد مدد کی صدائیں بلند کر رہے تھے۔ دہام نے قتل و غارت

کا بازار گرم کر رکھا۔ اس کی تلوار بے نیام سے عورتوں بچوں بوڑھوں کو بھی تحفظ حاصل نہ تھا جو سامنے آتا، موت کی نیند سلا دیا جاتا۔ منفوحہ کے باشندے ثابت قدمی کے ساتھ دہام کے مقابلے میں لڑتے رہے۔ اس جنگ میں دہام اور اس کا گھوڑا شدید زخمی ہوا۔ گھوڑا زخموں کی تاب نہ لاکر چل بسا اور اس کے فوجی جرنیلوں میں سے درہا، خفیر، ہزمول جیسے بہادر جرنیل موت کی نیند سلا دیئے گئے

منفوحہ پر حملہ کا سبب

اہل منفوحہ پر دہام کے حملہ کرنے کی وجہ اس کے سوا اور کچھ معلوم نہیں ہوتی کہ اہل منفوحہ شیخ الاسلام کی دعوت پر تحریک میں شامل ہو گئے تھے اور شیخ محمد بن سعود والی درعیہ سے ان کا معاہدہ ہو چکا تھا چنانچہ جوں ہی شیخ الاسلام اور شیخ محمد بن سعود کو پتہ چلا کہ دہام خبیث ان کے حلیفوں پر حملہ آور ہو رہا ہے۔ فوراً ان کی مدد کے لئے لشکر جرار لے کر ریاض پر حملہ آور ہو گئے۔ دہام بھاگ کر اپنے بھائی ذکی کے قلعہ میں روپوش ہو گیا۔ شیخ محمد بن سعود بزور دہام، زکی، ناصر بن معمر کے گھروں میں داخل ہوئے، عبرت لانے کے لئے ان کے اونٹوں کی کھیں کاٹ دیں اور آئندہ امیر ریاض کو اعلان جنگ دیتے ہوئے واپس لوٹ آئے اب ان کے درمیان دینی سیاسی جنگ کا آغاز ہو چکا تھا۔

ریاض پر دوسرا حملہ

انتقام کی غرض سے اس جنگ کے بعد محمد بن سعود، اہل درعیہ، عیینہ اور عثمان بن معمر کو ساتھ لے کر ریاض پر حملہ آور ہوا۔ دونوں کے درمیان گھمسان کا رن پڑا۔ طرفین سے کثیر تعداد میں فوجی جوان میدان جنگ میں کام آئے۔ اس واقعہ پر ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ ابن سعود اور دہام کے درمیان وشام میں ایک اور جھڑپ ہوئی جس میں دہام کا دست راست محمد بن علی قتل ہوا۔ بالآخر ابن سعود غالب رہے۔

عبید کی جنگ

ابن سعود ریاض کی طرف نکلے۔ اس کے ساتھ درعیہ، عرقہ اور ان کے ارد گرد شہروں کے فوجی جوان تھے۔ ابن سعود نے عبیان کمین گاہ میں چند فوجیوں کو چھپا دیا اور خود باقی فوج کے ساتھ شہر پر حملہ آور ہو گئے۔ مقابلے میں دہام اپنی فوج لے کر نکلا طرفین میں لڑائی بڑے زور شور سے جاری تھی کہ کمین گاہ سے فوج نکل کر دہام کے لشکر پر حملہ آور ہو جاتی ہے۔ دہام کی فوج سے کثیر تعداد میں جوان قتل ہو جاتے ہیں۔ چونکہ قتل ہونے والوں میں اکثریت غلاموں کی تھی۔ اس لئے اس جنگ کا نام عبید رکھا گیا۔

شراک کی جنگ

یہ جنگ بھی ابن سعود اور دہام کے درمیان ہوئی پھر بنیتہ خریزہ، بطین نامی جنگیں ہوئیں پھر مسلسل جنگوں کا آغاز ہو گیا لیکن دہام نے اپنی کمزوری کا احساس کرتے ہوئے صلح کا ہاتھ بڑھایا۔ فریقین میں مصالحت ہوئی اس دوران دہام اپنی قوت میں اضافہ کرتا رہا۔ جنگی سامان خریدتا رہا یہاں تک کہ آتش انتقام نے اس کو عہد شکنی پر آمادہ کر دیا اور ابن سعود کے ساتھ دوبارہ مصروف پیکار ہو گیا۔ ابن سعود نے پوری قوت اور حسن تدبیر کے ساتھ اس کے حملوں کا جواب دیا اکثر جنگوں میں اسے شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کے لشکر کا شیرازہ بکھر گیا اور جنگ کرنے کی ہمت ہار بیٹھا دوبارہ دہام نے صلح کی درخواست کی جسے قبول کر لیا۔ لیکن دہام صلح پہ قائم نہ رہ سکا اور پھر ابن سعود پر حملہ آور ہو گیا۔ اب کی دفعہ ابن سعود نے اس کو عبرتناک شکست سے دوچار کیا اور دہام کے دماغ سے پندار وغرور کا نشہ کافور ہو گیا اس نے محسوس کیا کہ میں نے جب بھی صلح کی درخواست کی تو اسے قبول کیا جاتا رہا ہے لیکن دہام صلح پر قائم نہ رہ سکا اور پھر ابن سعود پر حملہ آور ہو گیا۔ اب کی دفعہ ابن سعود نے اس کو عبرت ناک شکست سے دوچار کیا اور دہام کے دماغ سے پندار وغرور کا نشہ کافور

ہوگیا۔ اس نے محسوس کیا کہ میں نے جب بھی صلح کی درخواست کی ہے اسے قبول کیا جاتا رہا ہے عہد شکنی کی ابتداء مجھ سے ہی ہوتی ہے اپنے اس فعل پر نادم ہوتا ہے۔ شیخ الاسلام اور ابن سعود کی طرف ایک پُر خلوص خط تحریر کرتا ہے۔ جس میں اپنی سچی توبہ کا ذکر کرتے ہوئے ان کے ہاتھ پر کتاب اللہ اور سُنّت رسول اللہ پر پابند رہنے کے عزم کا اظہار کرتا ہے اور پچھلے گناہوں کی معافی کی خواستگاری کرتا ہے اور یقین دلاتا ہے کہ میری تمام توانائیاں آپ کے ساتھ ہیں جس سے تمہاری جنگ ہوگی وہ میرا دشمن ہے اور جس سے تمہاری صلح ہوگی وہ میرا دوست ہوگا۔ ہر لمحہ آپ کی دعوت کے پھیلانے میں آپ مجھے تیار پائیں گے۔ دہام کی یقین دہانیوں کا تجربہ کرنے کے لئے اس کی طرف خط لکھا گیا کہ تم ہمارے ساتھ شریک جنگ ہو کر لڑائی کرو۔ فوراً ریاض سے ایک لشکر کی کمان کرتا ہوا ابن سعود کی خدمت میں آحاضر ہوا۔ چنانچہ اس کو اعزاز و اکرام کے ساتھ اتارا گیا۔

عجمان کی جنگ

ربیع الاوّل ۱۱۷۸ھ میں ابن سعود اور دہام ریاض کے فوجیوں کو لے کر حائر کی طرف چلے تاکہ حائر شہر کو عجمان کی گرفت سے آزاد کرایا جائے۔ اس لئے کہ انہوں نے سید حسن بن ھبۃ اللہ (جو نجران کا امیر تھا) اور وعلہ اور یام قبیلوں کی مدد سے شہر کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ فریقین میں گھمسان کی جنگ ہوئی۔ عجمان کی فوج کو کامیابی حاصل ہوئی۔ ابن سعود کو شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ چار سو فوجی جوان میدان میں کام آئے اور دو سو بیس فوجی گرفتار ہوئے۔ اس جنگ میں ابن سعود کی ناکامی کی وجہ اس کی یا اسکی فوج کی کمزوری نہیں ہے بلکہ دہام بن دواس کی خیانت مجرمانہ نے انہیں شکست سے دوچار کیا وہ ابن سعود کے مخالف کیمپ عجمان کی فوج میں شامل ہوگیا۔ حالانکہ اس نے ابن سعود کے ساتھ معاہدہ کیا تھا کہ وہ اس کا معاون اور مددگار رہے گا۔ شیخ الاسلام نے جب سنا کہ دہام کی عہد شکنی اور منافقت نے ہمیں شکست

سے دو چار کیا ہے تو اسے یقین ہو گیا کہ دہام منافق کذاب انسان ہے جب کمزوری محسوس کرتا ہے تو دوستی کا ہاتھ بڑھا دیتا ہے اور جب قوت کے نشہ میں ہوتا ہے تو لڑائی کے لئے میدان میں اتر پڑتا ہے۔ اب اس کی منافقت واضح ہو چکی ہے اس لئے جب ابن سعود شکستہ خاطر ہو کر واپس درعیہ آیا۔ تو شیخ الاسلام نے سلام کا جواب دینے کے بعد ان کی افسردگی اور پریشان حالی کا ازالہ کرتے ہوئے ذیل کی آیات تلاوت فرمائیں۔

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ۝

اور دیکھو بے دل نہ ہونا اور نہ کسی طرح کا غم کرنا۔ اگر تم مومن (صادق) ہو تو تم ہی غالب رہو گے۔ اگر تمہیں زخم (شکست) لگا ہے تو ان لوگوں کو بھی ایسا زخم لگ چکا ہے اور یہ دن ہیں کہ لوگوں میں بدلتے رہتے ہیں۔ اور اس سے یہ بھی مقصود تھا کہ خدا ایمان والوں کو متمیز کر دے اور تم سے گواہ بنائے اور خدا بے انصافوں کو پسند نہیں کرتا اور یہ بھی مقصود تھا کہ خدا ایمان والوں کو خالص مومن بنا دے اور کافروں کو نابود کر دے۔

اگرچہ فریقین سے کچھ فوجی قتل ہوئے اور کچھ گرفتار ہوئے لیکن سعودی فوج کے مقتولوں اور قیدیوں کی تعداد زیادہ تھی۔ قیدیوں کی رہائی کے سلسلے میں شیخ الاسلام اور ابن سعود نے فیصل بن سہیل کو حسن ہبتہ اللہ کی خدمت میں روانہ کیا کہ ہم آپ کے قیدی واپس کرنے کیلئے تیار ہیں اگر آپ تبادلہ میں ہمارے قیدیوں کو رہا کریں، حسن ہبتہ اللہ نے بخوشی اس شرط کو قبول کر لیا چنانچہ فیصل سعودی قیدیوں کو واپس لیکر لوٹے۔

دہام اور ابن سعود کا تقابل

دہام سرکش ضدی انسان تھا جب کسی کام کرنے کا عزم کر لیتا۔ بہر صورت اسے کر گزرتا۔ لیکن ابن سعود مذہب اور سیاست دونوں میں بیک وقت لیڈر تسلیم

کیا جاتا تھا۔ زندگی کے تمام راستوں کے پیچ وخم کو خوب جانتا تھا۔ ایک مخلص انسان تھا۔ دعوت الی الحق کے میدان میں بلاخوف وجھجک ڈٹا رہتا تھا۔ دہام کی فریب کاریوں کو خوب پہچانتا تھا۔ اس کی پُرفریب چالوں سے بے خبر نہ تھا۔ چنانچہ دینی حمیت انسانی شرافت، اسلامی مروّت وہمدردی وپاکبازی راست گفتاری کے جذبہ صادقہ نے اس کو دہام کے مقابلہ کیلئے کھڑا کر دیا۔ فریقین میں تقریباً ستائیس ۲۷ سال مسلسل آگ کے شعلے بھڑکتے رہے اگر ایک محاذ میں ہنگامہ آرائی ختم ہونے کے امکانات پیدا ہوتے تو دوسرے محاذ پر لڑائی کے شعلے بھڑک اُٹھتے اور اگر دہام راہِ فرار اختیار نہ کرتا تو شاید کبھی بھی لڑائی کی تباہ کاریوں سے ملک کو نجات نہ مل سکتی۔

دہام کا فرار ہونا

دہام کے فرار کا واقعہ ابن بشر نے العنوان المجد میں ذکر کیا ہے وہ رقمطراز ہیں کہ صفر ۱۱۸۷ھ میں عبدالعزیز بن سعود نے تازہ دم فوج لے کر ریاض کا قصد کیا۔ شہر کے قریب فوجی کیمپ نصب کیا گیا۔ ریاض کے باشندوں میں سے جو ہاتھ لگتا اسے قتل کر دیا جاتا۔ اگرچہ مسلمانوں کی فوج سے بھی بارہ نوجوان شہید ہوتے پھر نصف ربیع الثانی گزرنے کے بعد ایک شدید حملہ کی تیاری کی گئی۔ ابھی لشکر شہر میں داخل نہیں ہوا تھا کہ ایک شخص دہام کے ریاض سے فرار ہونے کی خوش خبری لایا۔ جب اسلامی لشکر عصر کی نماز کے بعد فاتحانہ انداز میں ریاض داخل ہوا تو معلوم ہوا کہ ریاض کے اکثر باشندے دہام کے ساتھ بھاگ گئے ہیں۔ ایک سوال بار بار ذہن میں پیدا ہوتا ہے کہ کیا ریاض کے باشندے دہام کے مخالف ہوگئے تھے یا اس کے پاس اسلحہ کی کمی تھی؟ تاریخ کے اوراق ان دونوں باتوں کا جواب نفی میں دیتے ہیں۔ حقیقت میں نگاہیں اس فیصلہ پر آکر رک جاتی ہیں کہ دہام کو اپنے لشکر سے کسی قسم کی خیانت کا خطرہ نہ تھا اور نہ ہی اسلحہ کی کمی کا خدشہ تھا بلکہ صرف مشیت ایزدی نے اس کے دل کو خوف زدہ بنا دیا تھا اور وہ نہایت بے قراری کے عالم میں اہل وعیال اور رفقاء کو ساتھ لے کر

بھاگ نکلا۔ وگرنہ وہ اسلامی لشکر کے ساتھ مدتوں برسر پیکار رہا کبھی وہ کامیاب ہو جاتا۔ اکثر و بیشتر مسلمانوں کو کامیابی حاصل ہوتی۔ اس کے فرار ہونے کے منظر کو بیان کرتے ہوئے تحریر کیا گیا ہے کہ وہ نہایت بے بسی اور بے چارگی کے عالم میں اپنے اہل وعیال کو لے کر نکلا۔ اس کے شہر چھوڑنے پر ریاض کے باشندے سخت متعجب تھے۔ ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ دہام کبھی اس شہر کو چھوڑ کر چلا جائے گا۔ اپنے محل سرائے سے نکلتے ہوئے بھرائی ہوئی زبان میں اعتراف کرتا ہے کہ اب میرے لئے ابن سعود کے ساتھ لڑائی جاری رکھنا ممکن نہیں رہا۔ لہذا اس شہر کو اس کے حوالے کر کے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رخصت چاہتا ہوں جو لوگ میرے ساتھ جانا چاہتے ہیں۔ بڑے شوق سے چلیں اور جو لوگ اس شہر میں رہنا چاہتے ہیں ان پر بھی کچھ قدغن عائد نہیں کر سکتا جوں ہی اس نے اپنے چلے جانے کا اعلان کیا۔ فوراً بچے بوڑھے۔ عورتیں، نوجوان اس کی رفاقت میں جانے کو ترجیح دیتے ہیں وہ اپنے رفقار کے ساتھ بڑی تیزی کے ساتھ ملک چھوڑ کر خرج شہر کا رخ کئے ہوئے بھاگے جا رہے تھے۔ نفسا نفسی کا عالم تھا۔ سراسیمگی کے عالم میں اس قدر بے چین تھے کہ کوئی کسی کا یار و تھا منے کے لئے تیار نہ تھا۔ شدت گرمی کے ہاتھوں بدحال تھے۔ بھوک پیاس کو نہ برداشت کرتے ہوئے کثیر تعداد میں لوگ موت کا شکار ہو گئے۔ سعودی لشکر نے کچھ فاصلہ تک ان کا تعاقب کیا۔ پھر ریاض واپس آ گیا۔

ریاض کا حال

دہام کے بھاگ جانے کے بعد ریاض شہر اجڑا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ عموماً مکانوں کی چھتیں گر چکی تھیں۔ دیواریں شکستہ حال تھیں۔ خوبصورت شہر ویرانی کا منظر پیش کر رہا تھا۔ مکانوں کے دروازے کھلے تھے۔ چولھوں پر ہنڈیاں بدستور موجود تھیں۔ جانور گلیوں بازاروں میں کھلے پھرتے تھے دہام اور اس کے ساتھ راہ فرار

اختیار کرنے والے لوگوں کے گھروں میں مال و دولت کے ڈھیر لگے ہوئے تھے، سونا چاندی وافر مقدار میں موجود تھا۔ بکریاں اور اونٹ اس کثرت کے ساتھ تھے کہ ان کا شمار کرنا مشکل کام تھا۔ دہام کی سرمایہ کاری کی بہتات دیکھ کر سعودی فوجی حیران رہ گئے۔ شیخ عبدالعزیز نے اسلحہ، دیگر کھانے پینے کے استعمال کے سامان کا بعض مخصوص کمروں میں سٹور کیا۔ مالِ غنیمت مجاہدین میں تقسیم کیا گیا نیز شیخ الاسلام نے طالب علموں کے ضروری اخراجات کے لیے چند ریال جو قرض لیا تھا۔ اس کو بھی مالِ غنیمت سے ادا کیا گیا۔ صرف اسلحہ اور دیگر فوجی سامان حکومت سعودی کی تحویل میں دیا گیا اور ریاض کے جملہ مسائل کے انتظامات کا خوش اسلوبی کے ساتھ حل تجویز کیا گیا دفاعی افواج کا انتظام عمل میں لایا گیا۔ امن و امان کو برقرار رکھنے کے لیے تحریک کے رضاکار حرکت میں آگئے اور دعوت وارشاد کے کام کا آغاز کر دیا گیا۔

دہام کی مخالفت کے نقصانات

دہام کی مخالفت نے تحریک کو کافی نقصان پہنچایا۔ اگر یہ شخص تحریک کے خلاف جنگ وجدال کا بازار گرم نہ رکھتا۔ شہروں اور دیہاتوں میں رہنے والے تحریک کے اراکین کو اپنے ظلم وستم کا نشانہ نہ بناتا تو نہایت مختصر عرصہ میں تحریک کی جڑیں مضبوط ہو جاتیں اور اس کے پیروکار برق رفتاری کے ساتھ تمام شہروں میں پھیل جاتے، فتح مندیوں اور کامرانیوں کا نقشہ موجودہ کیفیت سے یقیناً مختلف ہوتا لیکن کس قدر افسوس ناک بات ہے کہ دہام بدطینت، وحشی انسان نے مختلف جنگوں میں ۲۷ سال مسلسل تحریک کو کچلنے میں بے پناہ قوت صرف کی۔ اس کے کیمپ سے تقریباً دو ہزار سات سو فوجی جوان موت کا لقمہ بنے۔ جبکہ سعودی فوج کے تقریباً ڈیڑھ ہزار کے لگ بھگ بہادروں نے جام شہادت نوش کیا۔

عریعر بن دجین امیر الاحساء کی مخالفت : یہ شخص بڑا بہادر لیکن عیار چالاک اور سازشی تھا۔

فوجی چالوں کو خوب سمجھتا تھا۔ شیخ الاسلام اور محمد بن سعود کا علانیہ دشمن تھا تحریک کے اعوان و انصار کے ساتھ ہر لمحہ بر سرِ پیکار رہتا۔ ان کے خون سے دامنِ انسانیت کو داغدار کرنے سے نہ شرماتا۔ اس نے جب محسوس کیا کہ تحریک کے اثرات احساء شہر میں بھی داخل ہو چکے ہیں اور وہاں تحریک کے مؤیدین کی ایک جماعت معرضِ وجود میں آچکی ہے تو اس نے شدید خطرہ محسوس کیا اور ضروری سمجھا کہ تحریک کو اس وقت کچل دینا آسان ہے جب کہ یہ ابھی ابتدائی منزلوں میں ہے اور اس کے اراکین پچاس سے متجاوز نہیں ہیں۔ لیکن جونہی پیروکاروں میں اضافہ ہوتا گیا تو پھر اسلحہ اور بارودی قوت کے بغیر کامیابی مشکل ہو گی۔ چنانچہ اردگرد آباد قبائل کے سرداروں سے مشورہ لینے کی غرض سے انہیں مدعو کیا گیا اور فیصلہ کیا گیا کہ صرف احساء شہر کو تحریک کے اثرات سے محفوظ کر لینا کچھ کام نہیں بلکہ تحریک کے مرکزی مقام درعیہ کو میدانِ جنگ بنایا جائے اس پر لشکرِ جرار لے کر ایسا بھرپور حملہ کیا جائے کہ درعیہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دی جائے۔

اس تجویز کو عملی جامہ پہناتے ہوئے امیرالاحسا ایک مسلح لشکر لے کر وادیوں، میدانوں پہاڑوں کو طے کرتا ہوا درعیہ کے باہر کیمپ لگاتا ہے، راستہ میں تقریباً تمام قبائل سے نوجوان انتقامی جذبہ یا غنیمت کے لالچ یا دشمن کے ڈر سے لشکر میں شامل ہوتے رہے۔ وشم، سدیر، عنزہ قبائل کے لوگ جو موحدین کے مخالف تھے وہ بھی مدد کے لئے لشکر میں شامل ہو گئے۔ لشکر دیکھ کر لوگوں میں عام چرچا تھا کہ درعیہ کے فوجی جوان اس لشکر کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے اور وہ خوشی سے پھولے نہیں سماتے تھے کہ اب شیخ الاسلام اور اس کی جماعت کا صفایا ہو جائے گا اور ان کا مال و دولت ہمارے قبضہ میں آئے گا۔ دوسری طرف شیخ الاسلام اور ان کے رفقاء مادی تیاریوں کے ساتھ ساتھ بارگاہِ الٰہی میں نہایت عجز و انکساری کے ساتھ فتح و نصرت کی دعائیں کر رہے تھے جب کہ دشمن پورے زور کے ساتھ درعیہ کی طرف رواں دواں تھا۔ رات کی تاریکی میں جب ہر طرف سناٹا چھایا ہوا تھا۔ درعیہ کے بالکل قریب عرعیر کی فوج خیمہ زن ہوئی۔ لشکر کو آرام کرنے کا حکم دے دیا گیا۔ طلوعِ فجر کے ساتھ ہی درعیہ پر

بھرپور حملہ کے پلان کو عملی شکل دینے کیلئے لشکر تیار تھا۔ خیموں میں مجلسیں آراستہ تھیں اور ہر طرف سے یہی آواز سنائی دے رہی تھی کہ مستقبل قریب میں فاتحانہ انداز کے ساتھ درعیہ میں داخل ہونے سے کوئی طاقت مزاحم نہیں ہو سکے گی۔ دور تک خیموں اور قناتوں کا سلسلہ قطار اندر قطار دلکش منظر پیش کر رہا تھا اگرچہ وہ صبح کے ناشتہ کی تیاری میں مصروف تھے لیکن ہر شخص مسکراتا ہوا۔ ایک ہی جملہ کہہ رہا تھا کہ چاشت کے وقت درعیہ کے شاہی محلات میں شیخ الاسلام اور ابن سعود کو عبرت ناک خاتمہ سے دوچار کرنے کے بعد ہی صبح کا ناشتہ تناول کیا جائے گا۔ عریعر اور اس کے امراء خیموں میں بیٹھے خوشی سے جھوم رہے تھے اور گیت گا رہے تھے اور اس تصور سے اچھل اچھل کر نعرے بلند کر رہے تھے کہ وہ وقت دور نہیں جب تمام نجد پر ہماری حکومت کا پرچم لہرائے گا اور نجد کے امراء کبار پر عرصہ حیات تنگ کر دیا جائیگا اس گفتگو کے بعد عریعر مجلس سے اٹھا۔ خراماں خراماں لشکر کے کوائف کا جائزہ لینے کے لئے لشکر کی سمت چل دیا۔ فوجیوں کو چوکس اور شگفتہ دیکھ کر دل ہی دل میں وجد آفریں تخیلات سے مچلنے لگا۔ درعیہ کا محاصرہ گلے کے ہار کا منظر پیش کر رہا تھا۔ درعیہ کی باہر کی فصیل کو توڑنے کے لئے توپیں نصب ہو چکی تھیں۔ تقریباً ایک ماہ گولہ بارود برسانتے رہے لیکن فصیل کو توڑنے میں ناکام رہے اور قیمتی جنگی سامان ضائع ہو گیا اسی اثنا عریعر نے محسوس کیا کہ اتنا طویل عرصہ ابن سعود کا جوابی حملہ سے خاموش رہنا کہیں اس غرض سے تو نہیں ہے کہ جب ہمارا تمام جنگی سامان ختم ہو جانے کے قریب ہوگا تو ہمیں کمزور سمجھ کر دشمن شعلہ جوالہ بن کر ہمیں راکھ کا ڈھیر بنا دے گا۔ اس خیال کے بار بار آنے سے عریعر رات بھر جاگتا رہا۔ اس کے ذہن میں ایک ہی خیال سما چکا تھا کہ ایک ماہ سے بے فائدہ جنگی اخراجات نے ہماری قوت کو کمزور کر دیا ہے اور دشمن کے حوصلے بلند نظر آ رہے ہیں اور کوئی ایسی تجویز اس کے ذہن میں نہیں آ رہی تھی جس سے کامیابی ممکن ہو سکے اور کھوئی ہوئی طاقت واپس آ سکے وہ اس سوچ میں ڈوبا ہوا تھا اور ساحل مراد سے ہمکنار ہونے کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہا تھا لیکن کامیابی سے ہمکنار ہونا اسے ناممکن

دکھائی دے رہا تھا اور تمام کوششیں اکارت جا رہی تھیں بالآخر اسے ایک تدبیر سوجھی کہ جتنی جلدی ممکن ہو سکے۔ ایک عمدہ قسم کی توپ بنائی جائے۔ چنانچہ کاریگروں اور مزدوروں کو اس کے بنانے کا حکم دیا۔ مزید کہا کہ یہ توپ مضبوط ہونے کے ساتھ ساتھ اس میں دس بیس انسانوں کے داخل ہونے کی گنجائش ہو۔ تاکہ فصیل میں نقب لگا کر شہر میں داخل ہوا جائے دوسری طرف سعودی فوج کے نوجوان محفوظ مورچوں میں چاک و چوبند محاصرین کو گولیوں کا نشانہ بنا رہے تھے جو فوجی دیوار کے قریب آتا اس کو گولیوں کی بوچھاڑ سے چھلنی کر دیا جاتا اس لئے وہ فصیل کے نزدیک آنے سے گھبرا رہے تھے۔ عریعر توپ کے بنانے میں ایک حد تک کامیاب رہا۔ لیکن اسکی فٹنگ میں بدستور جھول باقی رہ گیا اور جس مقصد کے لئے اس کو بنایا گیا تھا وہ اس سے پورا نہ ہو سکا۔ ظاہر ہے کہ وقت کی قلت اور پریشانی کے عالم میں کسی نئی ایجاد کا کامیابی سے ہمکنار ہونا قدرے مشکل ہوتا ہے۔ کامیابی کے لئے تجربہ محنت اور گہرے غور و فکر کا ہونا ضروری ہوتا ہے اس نئی ایجاد میں ناکامی کے بعد اس کا حوصلہ پست ہو گیا اور اس نے لشکر کو واپس جانے کا حکم دے دیا اور کہا کہ مستقبل قریب میں مضبوط قوت اور اسلحہ کے ساتھ پھر حملہ کیا جائے۔

دوسرے حملہ کی تیاری کے لئے جدوجہد کا آغاز کر دیا گیا۔ چنانچہ عریعر نے اپنے بیٹے سعدون کا اس اہم کام کے لئے انتخاب کیا وہ اپنے باپ عریعر کی مانند مکار خبیث النفس کینہ انسان تھا۔ اس نے تھوڑے ہی عرصہ میں ایک لشکر جرار تیار کر لیا اور وافر مقدار میں جنگی سامان اکٹھا کر لیا اور یمامہ کے لوگوں کو اپنے تعاون پر آمادہ کر لیا۔

قصیم پر حملہ

۱۱۸۸ھ میں عریعر دوبارہ حملہ کرنے کے لئے پہلے قصیم پر حملہ آور ہوا۔ چند دنوں کے محاصرہ کے بعد شہر میں فاتحانہ انداز میں داخل ہوا۔ اور اپنے لشکر کو ہر قسم کی کھلی چھٹی دے دی۔ چنانچہ اس کے فوجیوں نے شہر میں لوٹ مار کا بازار گرم کر دیا۔ عورتوں بچوں کو قید کر لیا۔ گھروں کو نذر آتش کیا۔ کھجوروں دیگر پھلوں کے باغات

کو جلا کر رکھ دیا۔

خابیہ کی فتح

قصیم کو فتح کرنے کے بعد خابیہ کا رُخ کیا۔ وہاں کے قبائل نے اس کی بے پناہ قوت کا مظاہرہ دیکھ کر ہتھیار ڈال دیئے اور اس کے لشکر میں شامل ہو گئے۔ جب اس نے دیکھا کہ لشکر کی تعداد میں ضرورت کے مطابق کافی اضافہ ہو چکا ہے اور اتنا کثیر لشکر ناکامی سے ہمکنار نہیں ہوا کرتا۔ تو اس نے درعیہ کا رخ کیا۔ ابھی راستہ میں تھا کہ ماہ ربیع الاول میں عریعر اچانک فوت ہو گیا۔ لشکر کے حوصلے پست ہو گئے اور قوت میں ضعف و اضمحلال کے آثار نظر آنے لگے اور کچھ لوگ لشکر سے الگ ہو کر جنگلات میں ادھر ادھر چلے گئے۔

منصب امارت پر بطین کا تعین

عریعر کی وفات کے بعد اس کے بیٹے بطین کو احساء کا امیر بنا دیا گیا۔ احساء پہنچ کر اولین کام جس کو بطین نے سرانجام دیا وہ یہ تھا کہ اس نے عوام کو اپنی طرف مائل کرنے کے لئے انہیں مال و دولت سے نوازنا شروع کر دیا۔ لیکن بسیار کوشش کے باوجود عوام میں مقبولیت حاصل نہ کر سکا۔ شاید ناکامی اس کے مقدر میں ثبت ہو چکی تھی اور وہ قیادت کو کسی قسم کی سرفرازی عطا نہ کر سکا۔ چنانچہ اس کے ماتحت کام کرنیوالے ذمہ دار افراد عطیات سمیٹتے ہوئے اس سے جدا ہو گئے۔ اسی طرح دیگر ملازمین نے سرکاری خزانہ کو دونوں ہاتھوں سے لوٹنا شروع کر دیا۔ نتیجتہً وہ اقتدار سے محروم ہو گیا۔ اگرچہ اس کے اقتدار سے محرومی کے کچھ دیگر اسباب بھی ہیں کہ اس کے بھائی فوج میں انتشار پیدا کرنے میں کامیاب ہو گئے اور جب کسی ملک کی فوج کا نظم و ضبط درہم برہم ہو جاتا ہے تو حکومت کا قائم رکھنا ممکن نہیں رہتا اس کے بھائی اسی پر بس نہیں کرتے بلکہ ان کے غیظ و غضب کا پیمانہ جب لبریز ہو جاتا ہے تو سعدون اور دجین دونوں بھائی مل کر اس کی خوابگاہ میں پہنچتے ہیں اور گلا گھونٹ کر اس کی زندگی کا خاتمہ کر دیتے ہیں۔

دجین کا امیر بننا

یظیس کے قتل کے بعد کچھ مدت تک دجین حکومت چلاتا رہا۔ لیکن جلد ہی اس کے بھائی سعدون نے اقتدار پر قابض ہونے کے لئے اس کو زہر دیکر موت کی آغوش میں پہنچا دیا۔

تحریکِ وہابیّت کی مخالفت

جن طاغوتی قوتوں کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے صرف وہی قوتیں ہی تحریک وہابیت کی مخالفت میں پیش پیش نہ تھیں بلکہ ان کے علاوہ بھی کچھ تنظیمیں اس تحریک کو کچلنے کے لئے سر برآوردہ تھیں۔ اگرچہ ان میں دہام بن عیر جیسی شدت نہیں تھی اور نہ ہی انکی مخالفت سے تحریکِ وہابیت کو کچھ نقصان پہنچا، اللہ پاک کی حمایت ونصرت میں تحریک وہابیت منزل کی طرف گامزن رہی۔ جس کا تعین اول روز سے تحریک کے بانی شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب نے کر دیا تھا۔ ان مخالفانہ سرگرمیوں اور طاغوتی طاقتوں کے کمزور ہونے سے تحریک کو کافی تقویت حاصل ہوئی اور لوگوں نے جب اس کا مطالعہ کیا تو انکے تاثرات مفید نتائج کے حامل ثابت ہوئے چنانچہ تحریک کی شاندار کامیابی کا نتیجہ ہے کہ اس کے اثرات نجد کی سرزمین سے متجاوز ہو کر حجاز، عراق، شام کے ملکوں میں پہنچنے شروع ہو گئے۔ علماء نے جب گہرے غور وفکر کے ساتھ تحریک کے پس منظر کا جائزہ لیا تو تحریک کے منشور کے ساتھ اتفاق کرتے ہوئے اس کے معاون بن گئے۔ اگرچہ تحریک کی مخالفت نجد اور دوسرے شہروں میں زور شور سے ہو رہی تھی لیکن مخالفین کی شدید سرگرمیوں کے مقابلہ میں تحریک کے علم بردار چٹان ثابت ہوئے اور نہ صرف جنگی محاذوں پر بلکہ تبلیغ کے میدانوں میں بھی انہیں حیرت ناک کامیابیاں حاصل ہوئیں اور ان کے مخالفین دہشت زدہ ہو گئے، انہوں نے مخالفت کے تمام پروگراموں کو کالعدم قرار دے دیا۔ یہ سب کچھ اللہ پاک کے فضل وکرم اور شیخ الاسلام اور اس کے رفقاء کی مساعی کا نتیجہ تھا۔

کہ جزیرۃ العرب کی دینی سیاسی حالت میں عظیم الشان انقلاب آیا اور اسلام کی شوکت و عظمت کا پرچم دوبارہ لہرانے لگا۔

وہابی حکومت

وہابی حکومت کی بنیاد کسی ایسے نظام پر نہیں تھی۔ جس کو شیخ الاسلام یا امیر ابن سعود نے اختراع کیا تھا۔ بلکہ یوں کہنا مناسب ہے کہ وہابی حکومت دراصل اسلامی حکومت تھی جس کی بنیاد قرآن و سنت پر استوار کی گئی۔ وہ انسانیت کی فلاح و بہبود عدل و انصاف کی حکمرانی کی آئینہ دار تھی۔ خیال رہے کہ اسلام کے دستور میں دین اور حکومت کو الگ حیثیت حاصل نہیں ہے بلکہ دین اور حکومت میں شدید امتزاج اور گہرا رشتہ موجود ہے، اسلامی تعلیمات میں ایک شوشہ بھی ایسا موجود نہیں جس سے مترشح ہوتا ہو کہ ان دونوں میں افتراق موجود ہے اسلامی آئین کی روشنی میں شیخ الاسلام صرف عالم دین مبلغ ہی نہ تھے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ صاحب اقتدار حاکم بھی تھے۔ اگرچہ خود انہوں نے زمام اقتدار اپنے ہاتھ میں لینے سے انکار کر دیا۔ اس لئے کہ ابن سعودؒ میں اقتدار کو چلانے کی تمام صلاحیتیں وافر مقدار میں موجود تھیں اور شیخ الاسلام ان کے معاون خصوصی تھے اور دل و جان سے ان کی امارت کو پسندیدہ نگاہوں سے دیکھتے تھے اور ان کے ہاتھ پر امارت کی بیعت کر چکے تھے۔ جیسا کہ خلافت راشدہ میں ابوبکر صدیقؓ، عمر فاروقؓ، عثمان غنیؓ، علیؓ خلیفہ تھے اور کبار صحابہ ان کے مشیر اور معاون تھے۔

حکومت میں شیخ الاسلام کی حیثیت

شیخ الاسلام، امیر ابن سعود کے مشیر خصوصی اور جج تھے۔ عوام کے تنازعات کا فیصلہ فرماتے، سیاسی معاملات اور معاہدات کے نگران تھے اس لئے کہ ان میں حل و عقد کی صلاحیتیں بدرجہ اتم موجود تھیں۔ تعلیم و تربیت کی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ وعظ و ارشاد میں پوری شجاعت اور قوت کے ساتھ منہمک رہتے۔ ان کی تبلیغی کاوشوں کا نتیجہ تھا کہ دین اسلام کی

02335

بنیاد پر ایک اسلامی سٹیٹ معرضِ وجود میں آچکی تھی اور اس کی تاسیس میں ان کا ہی زیادہ دخل تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ شیخ الاسلام دینی، اجتماعی و سیاسی اصلاحات کے نفاذ کا عزم لیکر اٹھے وہ خوب سمجھتے تھے کہ دینی مصلح ملک کی سیاسیات سے الگ تھلگ نہیں رہ سکتا۔ وہ معاشرہ کے تمام شعبوں میں اصلاحات کرنا اپنے لئے فرض جانتا تھا اور ملت کو زندگی اور تابندگی بخشنے کے لئے کٹھن سے کٹھن مراحل طے کرنے سے نہیں گھبراتا تھا وہ جہاں قوموں کی بداعمالیوں پر سرزنش کرتا وہاں ان کے عقائد کو درست کرنے کے لیے پیہم سعی در عمل میں مصروف رہتا اس لئے شیخ الاسلام اُمورِ حکومت میں پوری دلچسپی رکھتے تھے کیونکہ وہ جہاں اسلامی نظام کی برکات پر نظر رکھتے تھے۔ وہاں غیر اسلامی حکومت کے نقصانات کو بھی بخوبی جانتے تھے اسلامی حکومت کے بنیادی اُصولوں سے صرف نظر کرکے کوئی بھی اسلامی حکومت زیادہ عرصہ قائم نہیں رہ سکتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عہدِ نبوت اور خلفاء راشدین کا عہدِ خلافت ہمیں سبق دیتا ہے کہ جب تک کوئی حکومت ان کے نقشِ قدم پر استوار نہیں ہو گی۔ اس کو اسلامی حکومت کہنا درست نہیں۔ ایسی حکومت کو غیر اسلامی حکومت کہنا ہی صحیح ہو گا جس کے قواعد و ضوابط اسلامی تعلیمات کے منافی ہوں قرآن وسنت کے مطالعہ سے وہ جاہلی دور کے طرزِ حکومت اور اسلامی حکومت کے درمیان واضح فرق کو خوب سمجھتے تھے۔

شیخ الاسلام اور ابنِ سعود میں وفاق

ان دونوں کے نظریات کے درمیان ہر لحاظ سے مکمل یکسانیت تھی، شیخ الاسلام ابنِ سعود کی رہنمائی کرتے، سیاسی معاشرتی اجتماعی اُمور میں مفید مشوروں سے نوازتے ابنِ سعود اپنے دورِ حکومت میں کوئی فیصلہ شیخ الاسلام کے مشورہ کے بغیر سرانجام نہ دیتے امراء، حکام، عُلماء کی طرف ان کے مشوروں کی روشنی میں خطوط ارسال کئے جاتے اس لئے کہ ابنِ سعود خوب سمجھتے تھے کہ شیخ الاسلام کی داعیانہ مساعی کا نتیجہ ہے کہ ایک اسلامی حکومت معرضِ وجود میں آچکی ہے اور اس قابل ہو چکی ہے کہ مخالفین کے

ساتھ پنجہ آزمائی کے لئے میدانِ جنگ میں اُتر پڑے چنانچہ آلِ سعود دعوتِ الی اللہ کی تحریک میں شمولیت اختیار کرنے کے بعد اس کے پرچار کے لئے بھرپور جدوجہد کا آغاز کر دیتے ہیں اور اپنی تمام مادی طاقتوں کو شیخ الاسلام کے سپرد کر دیتے ہیں۔ اور تحریک کی کامیابی کے لئے جان و مال کی قربانی سے دریغ نہیں کرتے۔ شیخ الاسلام ہر میدان میں ان کے ساتھ رہے۔ تبلیغ کے میدان میں توحید کا پرچم لہراتے رہے اور میدانِ جنگ میں جہاد کے مقدس فریضہ سے عہدہ برا ہونے کے لئے اگلی صفوں میں بہادری کے جوہر دکھلاتے رہے۔ دہام جیسے بدطینت انسان کو اپنی فرعونیت پر ایسا دھچکا لگا یا کہ اس کے ہوش ٹھکانے نہ رہے اور صلح کا ہاتھ دراز کرنے پر مجبور ہو گیا لیکن جب وہ اپنی منافقت سے باز نہ آیا اور بار بار عہد شکنی کا مرتکب ہوتا رہا تو اس زور سے اس پر حملہ کیا گیا کہ وہ مقابلہ کی تاب نہ لا کر بھاگ کھڑا ہوا۔ نیز دہام جیسی ذہنیت رکھنے والے امراء اور حکام کا سختی سے نوٹس لیا گیا اور اسلامی دعوت کے راستے میں ان کی قائم کردہ تمام رکاوٹوں کو ختم کرنے میں بھی شیخ الاسلام کی مساعی قابلِ قدر ہیں وہ دعوتِ الی اللہ اور جہاد فی سبیل اللہ کے میدانوں میں توفیق ایزدی کے ساتھ سرگرم عمل رہے دعوت الی اللہ کے مخالفین کی شاطرانہ چالوں اور عیاریوں کو بے نقاب کرتے رہے۔ چنانچہ نجد، احساء میں اشاعت توحید کے بعد جزیرہ کا رخ کیا گیا وہاں سے تحریک کے اثرات عسیر، ترمبہ، خرمہ، قطیف مقامات تک پھیل گئے۔ یہ تمام علاقے توحید کے نغمات سے گونجنے لگے اور شام عراق کے بعض شہروں میں بھی تحریک کے معاونین کی ایک معتدبہ تعداد کتاب و سنت کی اشاعت کیلئے مصروف عمل نظر آنے لگی۔ اس میں کچھ شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ دعوتِ اسلامی دن بدن ترقی کے مراحل طے کر رہی تھی لیکن اس کے حاسدین علماء اور امراء کیسے خاموش رہ سکتے تھے انہوں نے اپنی نجات اس میں سمجھی کہ تحریک کو بدنام کرنے کے لئے غلط قسم کا پروپیگنڈا کرنا ضروری ہے چنانچہ ناگفتہ بہ الزامات سے اپنے اغراض کو پورا کرنے کی بے سود کوششوں میں لگے رہے لیکن دعوت کا پرچم بلند کرنے والے ہر میدان میں ان کا ڈٹ کر مقابلہ کرتے رہے یہاں تک کہ وہابی حکومت کی بنیادیں مضبوط ہو گئیں اور

جزیرۃ العرب اسلامی حکومت کے قیام کا مرکز بن گیا اور جزیرۃ العرب کے اطراف و اکناف سے طالب علم کثرت کے ساتھ درعیہ میں تحصیل علم کے لئے آنے لگے اور جب ہزاروں سے متجاوز ہو گئے تو شیخ الاسلام نے تمام سرگرمیوں کو موقوف کر کے اپنی تمام توجہات کو ان کی تعلیمات کی طرف موڑ دیا۔ انہیں زیورِ علم سے مزین کر کے مختلف علاقوں میں دعوت الی اللہ کے مقدس فریضہ کی انجام دہی میں مصروف کار کر دیا دوسری طرف نظام حکومت اگرچہ ابن سعود کے ہاتھ میں تھا تاہم شیخ الاسلام کے مشورہ کے بغیر اس میں رد و بدل نہیں کیا جا سکتا تھا۔

اسلامی نظامِ حکومت کا مختصر خاکہ

اسلامی حکومت کے نظام کی بنیاد عدل و انصاف، دیانت و امانت پر استوار تھی چونکہ شیخ الاسلام سے ڈیڑھ صدی بعد جدید سائنسی ایجادات معرض وجود میں آئیں اسلئے شیخ الاسلام کو جدید اجتہادات کرنیکی ضرورت محسوس نہ ہوئی معاشرہ کی تمام جزئیات کا حل اسلامی نظام حکومت کی تفصیلات سے معلوم کیا جا سکتا تھا۔ اسلامی دستور کے تمام ضوابط و قواعد کو امانت و اخلاص کے ساتھ نافذ کر دیا گیا۔ دین اسلام چونکہ تمام ادیان سے افضل اور اعلیٰ دین ہے اس لئے دینِ اسلام کے نظام میں پاکیزہ قول و عمل کو ہی اپنانے سے ایک مسلمان اللہ پاک کی خوشنودی حاصل کر سکتا ہے۔ شیخ الاسلام نے جب اسلامی قوانین کا نفاذ فرمایا تو ان کے سامنے اسلام کے قبل کے دورِ جاہلیت کے قوانین بھی موجود تھے۔ قرآن پاک نے دورِ جاہلی کے اخلاق و عادات اور رسوم سے بعض چیزوں کو قابل عمل اور بہتر قرار دیا اور جو اخلاق و عادات اسلام کی تعلیمات کے منافی تھے ان کی قباحتوں کو طشت ازبام کیا اور ان کے ترک پر زور دیا گویا کہ اسلام کا دستور تمام پہلے لوگوں کے قواعد و ضوابط سے ترمیم کے بعد بہترین بنیادوں پر وضع کیا گیا اور ایسا دستور پیش کیا گیا جو معاشرہ کے تمام افراد کی رہنمائی کی مکمل ضمانت عطا کرتا ہے اور ہر کلمہ گو کو متدین دیکھنے کا آرزو مند ہے اور وہ مسلمان افضل ہے جو پاکباز

اور تقویٰ کی زندگی اختیار کرتا ہے لیکن نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کی ادائیگی کو کافی سمجھنا اسلام کی تعلیمات سے ناواقفیت پر مبنی ہے۔ متقی اس انسان کو کہا جائے گا جو اعمال صالحہ کی ادائیگی میں مسرت محسوس کرتا ہے اور اپنے دامن کو داغدار کرنے سے ہر لمحہ مواخذہ کا خوف اسے باز رکھتا ہے۔

اسلامی نظامِ حکومت میں کسی قسم کی پیچیدگی موجود نہیں ہے وہ معاشرہ کی تمام ضرورتوں کو احسن انداز میں پورا کرنے کی ضمانت دیتا ہے اور ہر طبقہ کے لوگوں کو مراعات عطا کرتا ہے اسلامی نظامِ حکومت کی دفعات کئی ضخیم جلدوں پر مشتمل نہیں ہیں۔ کتاب اللہ نے چند کلمات میں دستور کا خاکہ پیش کر دیا ہے۔

ارشاد خداوندی ہے۔

کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر وتومنون باللہ۔ الآیۃ

مومنو! جتنی امتیں (یعنی قومیں) لوگوں میں پیدا ہوئیں تم ان سب سے بہتر ہو۔ نیک کام کرنے کو کہتے ہو اور برے کاموں سے منع کرتے ہو اور خدا پر ایمان رکھتے ہو۔

نیز ارشادِ خداوندی ہے۔

ان اللہ یأمر بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربیٰ وینھیٰ عن الفحشاء والمنکر والبغی یعظکم لعلکم تذکرون

خدا تم کو انصاف اور احسان کرنے اور رشتہ داروں کو (خرچ سے مدد) دینے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی اور نا معقول کاموں سے اور سرکشی سے منع کرتا ہے (اور) تمہیں نصیحت کرتا ہے کہ تم یاد رکھو[۱]

ارشادِ مصطفویؐ ہے۔

البر ما اطمأنت الیہ النفس واطمأن الیہ القلب والاثم ماحاك فی نفسك

وہ کام نیک ہے جس پر نفس مطمئن ہو اور دل کو بھی اطمینان رہے اور وہ کام گناہ کا ہے

---

[۱] النحل ۹۰۔

وتردد فی الصدر۔ جس سے نفس کو خدشہ لاحق ہوا اور دل بیقرار ہو جائے۔

پس امر بالمعروف، عدل و احسان اور اعمال صالحہ پر اسلامی حکومت کے نظام کی بنیاد ہے اللہ پاک تمام مسلمانوں کو ان پر کاربند رہنے کا حکم دیتے ہیں اور اس میں حاکم اور محکوم کے درمیان کچھ فرق نہیں ہے اور نہ ہی حاکم کے لئے کوئی خاص امتیاز حاصل ہے البتہ اس کے فرائض میں داخل ہے کہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے مبارک کام کے لئے جدوجہد جاری رکھنے کے لئے ایک محکمہ قائم کرے اور اللہ پاک پر ایمان لانے دل و دماغ کو پاک صاف رکھنے پر زور دے، عقائد کی درستی کرنے کے ساتھ اعمال صالحہ کی ترغیب و تحریض میں کوتاہی نہ کرے اور فواحش و منکرات سے بچنے کے لئے مسلسل عذاب خداوندی سے ڈر لئے۔ اور امر بالمعروف کو چھوڑنے کفر اور بدعات کا ارتکاب کرنے پر کسی قسم کی مداہنت کو روا نہ رکھے چنانچہ شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب نے اسلامی حکومت کی بنیاد کو تین اصولوں پر استوار کیا۔ پہلا اصول ایمان باللہ کی دعوت کو عام کرنا اور تمام عبادات کا مستحق صرف ایک اللہ پاک کی ذات کو سمجھنا دوسرا اصول امر بالمعروف کا سلسلہ جاری رکھنا تیسرا اصول فواحش و منکرات سے روکنے کی مساعی کو عمل میں لانا یہ تین سنہری اصول وہی ہیں جن پر اللہ پاک کے تمام پیغمبر کاربند رہے اور ان پر عمل پیرا ہونے کی دعوت دیتے رہے زندگی کے تمام مقتضیات کے لئے ان تینوں اصولوں کو رہنما اصول کی حیثیت دیتے رہے معاشرہ میں جب بھی ایمان کو کوئی خطرہ لاحق ہونے کا احتمال ہوا اور عقیدہ پر براہ راست زد پڑتی ہو تو ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اصلاح کی کوشش کرے اور غیر شرعی وساوس اور خطرات سے عقائد کو پاک صاف رکھنے کیلئے کمر ہمت باندھ کر رضائے الٰہی حاصل کرے۔

شیخ الاسلام عقائد کی اصلاح سے غافل نہ تھے جب انہوں نے دیکھا کہ اہل بدعت گمراہ لوگوں نے توحید کے صاف ستھرے عقیدے کو مسخ کر دیا ہے اور عقائد میں ضعف رونما ہو چکا ہے تو اسلام کے بتائے ہوئے اصولوں کی روشنی میں عقائد کی اصلاح کے لئے

وعظ و ارشاد کا سلسلہ جاری فرمایا نہایت مؤثر انداز میں عقیدہ کی بیماریوں کے ازالہ میں کوشاں رہے لیکن بدعات سے شغف رکھنے والے امرا ، کاسہ لیس علما اور صراطِ مستقیم سے غافل عوام نے شیخ الاسلام کی تبلیغ کے خلاف تشدد کے ہتھیاروں کے ساتھ مقابلہ کیا تو شیخ الاسلام بھی مجبور ہو گئے وہ بھی اسلحہ سے مسلح ہو کر ان کے حملوں کا دفاع فرماتے رہے اور عقائد کی اصلاح کے لئے اپنی توانائیوں کو صرف فرماتے رہے۔ اس مقابلہ میں شیخ الاسلام کو اللہ پاک نے کامیاب فرمایا اور وہ ایک اسلامی حکومت کے قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے جس کی بنیادیں اسلامی اصولوں پر رکھی گئی اور اس کی نگرانی کے فرائض کو باحسن طریق سرانجام دیا اگرچہ مملکت اسلامیہ کے سربراہ محمد بن سعود تھے اور شیخ الاسلام بھی ان کے ہاتھ پہ بیعت کر چکے تھے لیکن مملکت اسلامیہ کی بنیاد رکھنے والے اور اس کے دستور کا ڈھانچہ تیار کرنے والے اور اسکی حفاظت کے لئے دوڑ دھوپ کرنے والے شیخ الاسلام تھے اب ان دونوں انسانوں کے باہمی اتفاق اور انتھک مساعی سے اسلامی حکومت کے قیام کے ساتھ ساتھ اسلامی معاشرہ وجود میں آچکا تھا لوگ اسلامی معاشرہ کی برکات سے متمتع ہو رہے تھے۔ امن و سکون کی دولت کی فراوانی نے مسرتوں اور خوشیوں کا بازار گرم کر رکھا تھا۔

محمد بن سعود کی وفات

اس اثنا میں محمد بن سعود فوت ہو گئے اور عبدالعزیز بن محمد بن سعود منصب حکومت پر فائز ہو گئے۔ انہوں نے دینی تعلیم شیخ الاسلام سے حاصل کی تھی۔ ان میں حکومت چلانے کی تمام صلاحیتیں موجود تھیں شیخ الاسلام نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی اور اسلامی حکومت کے جملہ امور میں ان کے معاون اور مشیر رہے دونوں میں باہم مکمل اتفاق تھا وہ دو قالب یک جان تھے البتہ حسب سابق تنازعات کا فیصلہ کرنا شیخ الاسلام کے فرائض میں داخل تھا۔

شیخ الاسلام کی تعلیمی سرگرمیاں:- شیخ الاسلام حالات کا جائزہ لینے کے بعد اس نتیجہ پہ پہنچے کہ شیخ عبدالعزیز

میں حکومت کے فرائض سے عہدہ برآ ہونے کی صلاحیتیں موجود ہیں۔ لہٰذا ان پر اعتماد کرتے ہوئے حکومت کے تمام امور ان کے سپرد کر دیئے اور چونکہ طالب علم ہزاروں سے متجاوز حصول علم کے لیے درعیہ میں موجود تھے اس لئے شیخ الاسلام منصب تدریس پر رونق افروز رہے اور سینکڑوں کی تعداد میں ایسے افراد تیار ہو گئے جو تحریک وہابیت کے پھیلانے میں ان کے معاون ثابت ہوئے۔ شیخ الاسلام کے حلقہ درس میں صرف دعوت وارشاد کے افراد ہی کو تیار نہیں کیا جاتا تھا بلکہ انہیں اسلامی حکومت کے چلانے کے بنیادی اصولوں کی تعلیم سے بھی روشناس کرایا جاتا تھا اور تفصیلاً شرعی دلائل اور ان کے مصادر سے کما حقہ آگاہ کیا جاتا تاکہ وہ علم وبصیرت کی روشنی میں تمام فیصلے کر سکیں۔ لیکن تدریسی فرائض کی بجا آوری کے ساتھ ساتھ حکومت کے اہم معاملات ان کی نظروں سے اوجھل نہ تھے اور نہ ہی حکومت کے فیصلے ان کے مشوروں کے بغیر طے پاتے تھے اگرچہ عنان حکومت عبد العزیز کے ہاتھ میں تھی لیکن عملاً شیخ محمد بن عبد الوہاب ہی حکومت کی پالیسیاں وضع کرنے اور چلانے کے مجاز تھے اس لئے کہ وہ شریعت اسلامیہ کی روح سے کما حقہ آگاہ تھے اور مملکت میں دستور اسلامی کی دفعات کو اُن سے زیادہ جاننے والا کوئی نہیں تھا۔ اس سلسلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب گرامی جو آپ نے یمن کے گورنر عمرو بن حزم کی طرف ارسال کیا۔ اسلامی حکومت کے منشور کی حیثیت سے بہترین یادگار کا حامل ہے۔

مکتوب گرامی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم تحریر فرمانے کے بعد آپ نے وضاحت کرتے ہوئے فرمایا۔

هَذَا بَيَانٌ مِنَ اللهِ وَرَسُولِهِ	کہ یہ اللہ پاک اور اس کے رسول کے
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ عَهْدٌ	احکامات ہیں۔ اے ایمان والو معاہدوں
مِنَ النَّبِيِّ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللهِ إِلَى	کا ایفا کرو۔

عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ ۔ الخ

یہ مکتوب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے عمرو بن حزم کی طرف تحریر کیا

جارہا ہے جو اسلامی حکومت کی طرف سے یمن کا گورنر ہے۔

دفعہ اوّل :۔ تمام معاملات میں اللہ کا خوف اور ڈر شامل حال رہے اس لئے کہ اللہ پاک ڈرنے والوں اور احسان کرنے والوں کے ساتھ ہیں۔

دفعہ دوم :۔ فرمودات خداوندی کے مطابق حق وصداقت کا ساتھ دیجئے۔

دفعہ سوم :۔ لوگوں کو نیک کام کرنے کا حکم دیجئے اور اس پر انہیں خوش خبری سے نوازیئے۔ قرآن پاک کی تعلیم اور تفسیر کے لئے انتظامات کیجئے اور دیکھنا قرآن پاک کو کوئی ناپاک انسان ہاتھ نہ لگائے۔

دفعہ چہارم :۔ لوگوں کو ان کے فرائض اور ان کے فوائد دینوی اخروی سے آگاہ کیا جائے۔

دفعہ پنجم :۔ حق کے کاموں میں لوگوں کو مصروف دیکھ کر نرمی کا برتاؤ کیا جائے اور ظلم کے کاموں میں مشغول دیکھ کر سختی کی جائے اور ان سے روکا جائے اللہ پاک کا ارشاد ہے (لَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الظّٰلِمِیْنَ)

دفعہ ششم :۔ لوگوں کو جنت میں لے جانے والے کاموں کے عمل کرنے کی رغبت دلائی جائے، بشارتوں سے نوازا جائے، جہنم کی طرف لے جانے والے کاموں سے ڈرایا جائے اور جہنم کی ہولناکی کو واضح کیا جائے۔

دفعہ ہفتم :۔ کوئی شخص ایک کپڑے میں نماز ادا نہیں کرسکتا۔ ہاں اگر ایک کپڑا اس قدر فراخ ہے کہ اس سے دونوں کندھوں کے کنارے ڈھانپے جاسکتے ہیں تو کچھ مضائقہ نہیں۔ صرف ایک چادر پہننے کی صورت میں اس کے کناروں سے گھٹنے باندھ کر بیٹھنا بھی ناجائز ہے جبکہ شرمگاہ کے ننگے ہونے کا خدشہ ہو۔

دفعہ ہشتم :۔ سر کے بالوں کو گدی میں مجتمع کرکے باندھنے سے روکا جائے۔

دفعہ نہم :۔ کفار کے ساتھ جنگ وجدال کی صورت میں اسلامی لشکر کو قبائلی خاندانی انداز پر اکٹھا نہ کیا جائے بلکہ صرف اسلام کے نام پر جمع کیا جائے اور جو شخص بھی اسلام کی دعوت کو چھوڑ کر قبائلی خاندانی عصبیت کی بنیاد پر جہاد کی دعوت دے اس کے ساتھ جنگ

کی جائے تا آنکہ اس کی دعوت خالصتہً اللہ وحدہٗ لاشریک اور اسلام کے کلمہ کو بلند کرنے کے لئے ہو۔

دفعہ دہم:۔ وضو کرنے کی تعلیم دی جائے کہ وضو میں چہرہ دھویا جائے۔ ہاتھوں کو کہنیوں اور پاؤں کو ٹخنوں تک دھویا جائے اور سر کا مسح کیا جائے۔ غرض اعضاء کے دھونے میں احتیاط ملحوظ رہے۔

دفعہ یازدہم:۔ نماز پڑھنے میں وقت کی پابندی کا لحاظ رکھا جائے، رکوع وسجود درست ہو، خشوع وخضوع کا خیال رکھا جائے۔ صبح کی نماز غلس میں شروع کی جائے۔ ظہر کی نماز زوال شمس کے ساتھ ہی ادا کی جائے۔ عصر کی نماز جب سورج روشن ہو البتہ زمین کی طرف جھکا ہوا ہو، مغرب کی نماز جب دن رخصت ہونے کے بعد رات سایہ افگن ہو اور عشاء کی نماز رات کے اوّل حصہ میں ادا کی جائے۔

دفعہ دوازدہم:۔ جمعہ کی اذان سے پہلے غسل کیا جائے، اذان سنتے ہی مسجد کا رخ کیا جائے۔

دفعہ سیزدہم:۔ غنیمت کے مال سے پانچواں حصہ بیت المال میں داخل کیا جائے۔

دفعہ چہاردہم: جو زمینیں چشموں یا بارش کے پانی سے سیراب ہوتی ہیں۔ ان کی آمدنی سے دسواں حصہ اور رکنوؤں کے پانی سے سیراب ہونے والی زمین کی آمدنی سے بیسواں حصہ وصول کیا جائے۔

دفعہ پانزدہم:۔ پانچ اونٹوں کی زکوٰۃ ایک بکری اور بیس اونٹوں کی زکوٰۃ چار بکریاں ہیں اور پچیس اونٹوں میں بنت مخاض (جو دوسرے سال میں داخل ہو) ہے۔
(تفصیل کتب حدیث میں ملاحظہ فرمائیں)

دفعہ شانزدہم:۔ تیس گائے میں ایک سال کا بچھڑا اور چالیس میں دو سال کا بچھڑا لیا جائے۔

دفعہ ہفدہم:۔ چالیس بکریوں سے ایک بکری وصول کی جائے زکوٰۃ وصدقات میں فرائض اللہ کی نشاندہی کردی جائے اور جو شخص مقرر کردہ حد شرعی سے زائد صدقہ دینے کا خواہشمند ہو اس کے لئے اجازت ہے بلکہ ایسا کام بہ فعل مستحسن ہے۔

دفعہ ہشتدہم :۔ جو یہودی، عیسائی اسلام میں داخل ہوگا اور اسلام کی صداقتوں کا اعتراف کرے گا اس کو دیگر مسلمانوں کی طرح حقوق و مراعات حاصل ہوں گے اور عام مسلمانوں پر جو فرائض عائد ہوتے ہیں اس پر بھی بدستور عائد ہوں گے لیکن جو یہودی عیسائی اپنے مذہب کو چھوڑنا پسند نہیں کرتا۔ اسلام اس پر جبر کو جائز نہیں سمجھتا ہاں اس سے ٹیکس وصول کیا جائے جس کی شرح ایک دینار ہے یا اس کے برابر کوئی سامان وغیرہ لیا جائے ٹیکس کی اس شرح میں مرد، عورت، آزاد، غلام سبھی مساوی ہیں۔

دفعہ نوزدہم :۔ جو یہودی عیسائی یہ ٹیکس ادا کرتا رہے گا اس کے خون و مال کا تحفظ اسلامی حکومت کے ذمہ ہوگا اور جو شخص اس ٹیکس کے ادا کرنے سے انکار کریگا۔ وہ ایمانداروں بلکہ اللہ پاک اور اس کے رسول کا دشمن سمجھا جائے گا پھر دستور کی مذکورہ بالا دفعات صرف یمن کے گورنر کے لئے خاص نہیں بلکہ جو شخص بھی مسلمانوں کا حاکم ہوگا اس کے فرائض میں داخل ہے کہ وہ ان دفعات کے مطابق نظام حکومت چلائے اور نہ چلانے کی صورت میں قیامت کے روز اس سے باز پرس ہوگی۔ امیر المومنین کے لئے ضروری ہے کہ وہ حقیقت پسندانہ ذہن رکھتا ہو اس کا دل تقویٰ کی دولت سے مالا مال ہو۔ ایمان کی پختگی عقیدہ کی صفائی کے ساتھ ساتھ اس کا ظاہر عمل بھی اسلام کے تقاضوں کے مطابق ہو اپنی صفائی کے بعد رعیت کے حالات پر کڑی نگرانی رکھے فیصلے عادلانہ، منصفانہ ہوں۔ دینی دنیوی علوم کی تعلیم حاصل کرنے کے انتظامات کرے۔ حقوق انسانی کے بارے معلومات بہم پہنچائے تاکہ نہ وہ کسی کے حقوق سلب کرنے کی جرأت کرسکیں اور نہ ہی ان کے حقوق سے انہیں محروم کیا جاسکے۔

اسلام میں حکومت اسلامیہ کے سربراہ کی ذمہ داریوں کی فہرست خاصی طویل ہے شرعاً حاکم وقت اس بات کا مکلف ہے کہ وہ رعیت کے تمام افراد کو نہ صرف کبائر گناہوں سے باخبر رکھے بلکہ امکانی حد تک صغائر کے ارتکاب سے بھی پرہیز کرنے کی تلقین کرتا رہے۔ یہاں تک کہ اس کی ذمہ داریوں میں یہ بھی شامل ہے کہ وہ لوگوں کو لباس کے بارے میں اسلامی نقطہ نظر سے روشناس کرائے اور کوئی فرد نہ تو تنگ لباس پہننے کی

کوشش کرے اور نہ ہی عریاں لباس استعمال کرے۔ اسی طرح سر کے بالوں کا پیچھے گدی پر گٹھڑ بنانا بھی اسلامی روایات کے منافی ہے۔

شیخ الاسلام کی مثالی زندگی

خلاصہ یہ ہے کہ اسلامی سربراہ حکومت کی زندگی ہر لحاظ سے مثالی ہونی چاہیئے اسکے اخلاق وعادات غیر اسلامی کلچر و ثقافت سے محفوظ ہوں اس لحاظ سے شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب کی زندگی عہد رسالت کے مسلمانوں کی زندگی کا عکس دکھائی دیتی ہے ایمان کی دولت کی سرشاری کے ساتھ ساتھ بہترین اخلاق وعادات کا نمونہ تھے۔ ایک اسلامی سربراہ کی حیثیت سے رعایا کے جملہ امور کی نگرانی میں پوری دلچسپی لیتے تھے امر بالمعروف نہی عن المنکر کے فرائض کی ادائیگی میں ہمہ وقت کوشاں رہتے۔ امام ابو یعلیٰ نے (الاحکام السلطانیہ) میں اسلامی حکومت کے سربراہ کے لئے دس شرطیں ذکر کی ہیں۔

پہلی شرط:۔ سلف صالحین کے اجماعی اصولوں کی روشنی میں دین اسلام کی حفاظت کرنا۔

دوسری شرط:۔ اسلامی احکام کا نفاذ اور عدل و انصاف کی روشنی میں فیصلے کرنا۔

تیسری شرط:۔ دارالسلطنت کی حفاظت کے لئے خاطر خواہ انتظام کرنا اور رعایا کو بیرونی خطرات سے محفوظ رکھنے کے لئے کوششیں جاری رکھنا۔

چوتھی شرط:۔ حدود شرعیہ کا نفاذ۔

پانچویں شرط:۔ دفاعی تیاریوں میں مصروف رہنا اور دشمن کی سرگرمیوں سے باخبر رہنا۔

چھٹی شرط: جہاد فی سبیل اللہ کے لئے ہر وقت تیار رہنا۔

ساتویں شرط: غنیمت اور صدقات کے مال کو نصوص شرعیہ کی روشنی میں تقسیم کرنا۔

آٹھویں شرط:۔ مشاہرات کے تعین میں افراط و تفریط کے پہلوؤں سے ہٹ کر معتدل رویہ اختیار رکھنا اور مالیات کے معیار کو بلند رکھنا۔

نویں شرط:۔ سرکاری ملازمین کے انتخاب میں امانت دار انسانوں کو ترجیح دینا

اوران سے حلف وفاداری لینا۔ ان کی سرگرمیوں پر کڑی نگاہ رکھنا اور بدعنوانیوں پہ سخت محاسبہ کرنا۔

دسویں شرط :۔ سربراہ مملکت کا ضرورت کے مطابق حالات کا جائزہ لیتے رہنا اور تمام شعبوں کی نگرانی کرنا۔ اس لئے کہ ملازمین پر مکمل اعتماد کرنا بعض اوقات سخت خطرات سے دوچار کرتا ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے۔

یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى [1]	اے داؤد ہم نے تم کو زمین میں بادشاہ بنایا ہے تو لوگوں میں انصاف کے فیصلے کیا کرو اور خواہش کی پیروی نہ کرنا۔

اس آیت میں اللہ پاک نے داؤد علیہ السلام کو صرف مملکت کے امور تفویض نہیں فرمائے بلکہ حکم دیا کہ مملکت کے اُمور کا فیصلہ خود کرے۔

ارشادِ مصطفوی ہے (کُلُّکُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ) یعنی تم تمام حاکم ہو اور تم میں سے ہر شخص سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔

امام ابو یعلیٰ نے جن شرائط کا ذکر کیا ہے یہ ان کے دماغ کی اختراع نہیں ہے بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امن انسانی کے لئے سربراہ مملکت کو جن شرائط سے آگاہ کیا ہے۔ ان سے ماخوذ ہیں اسلامی حکومت کے اوّلین فرائض میں یہ داخل ہے کہ وہ رعایا کو امن وامان کی ضمانت عطا کرے۔ خوفناک دہشت ناکی کی فضا کو ختم کرنے کے لئے وسائل بروئے کار لائے اور صرف اللہ پاک کی عبادت کی طرف لوگوں کو متوجہ کرے۔

ارشاد خداوندی ہے۔

فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ	(لوگوں کو چاہیئے کہ (اس نعمت کے شکر میں)

[1] ص (۲٦)

الَّذِیْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ وَّ اٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ [1] — اس گھر کے مالک کی عبادت کریں جس نے ان کو بھوک میں کھانا کھلایا اور خوف سے امن بخشا۔

شیخ الاسلام کی خصوصیات

شیخ الاسلام میں وہ تمام امتیازی اوصاف بدرجہ اتم موجود تھے۔ جن کا اسلامی سربراہ میں پایا جانا ضروری ہے وہ خود پاکباز صالح انسان تھے۔ لوگوں کے حقوق کی نگہداشت میں ذرہ برابر کوتاہی نہ کرتے امر بالمعروف، نہی عن المنکر کے فریضہ کی انجام دہی میں کوشاں رہتے۔ تعلیم و تعلم کے مشغلہ میں پوری دلچسپی رکھتے دینی تعلیم کے فروغ کے لیے سرگرداں رہتے۔ اجماع امت کے اصولوں کی روشنی میں دین اسلام کی اہمیت لوگوں کے دلوں میں اتارتے۔ ان کے تمام فیصلے عدل و انصاف پر مبنی ہوتے حدود الٰہیہ کا نفاذ کرتے۔ ملک کے حدود کے تحفظ کے ساتھ ساتھ ملت اسلامیہ اور اس کے اساسی عقائد کا تحفظ کرنے کے ذرائع کا بغور جائزہ لیتے رہے اور ان کے مطابق عمل پیرا رہتے۔ اسلامی عقائد کے خلاف جب بھی کسی طرف سے کوئی آواز اٹھتی اس کو دبا دیا جاتا۔ جہاد فی سبیل اللہ کے پاکیزہ جذبہ کو اجاگر کیا گیا غنیمت، صدقات کو بیت المال میں جمع کیا جانے لگا اور اس کو اللہ اور اس کے رسول کے فرمان کے مطابق خرچ کیا جانے لگا۔

شیخ الاسلام میں بہترین اعلیٰ صلاحیتیں وافر مقدار میں موجود تھیں۔ اس کے باوجود وہ پسند نہیں کرتے تھے کہ ابن سعود سے حکومت چھین کر خود سربراہ سلطنت ہو جاتے۔ وہ خوب اچھی طرح سمجھتے تھے کہ اسلام ایک ایسا دین ہے جو بیک وقت عبادت خداوندی کی طرف بھی راغب کرتا ہے اور دنیوی کامرانیوں کے حصول کی راہیں بھی بتاتا ہے۔ یہ سمجھنا کہ اسلام میں علماء زہاد کا صرف یہ کام ہے کہ وہ

---

[1] القریش (۳-۴)

عوام کا اللہ پاک کے ساتھ رابطہ قائم کریں اور یہ کہ یہ فرقہ ایک الگ حیثیت کا حامل ہے اور یہی لوگ اسرار الٰہیہ کے رموز سے واقف ہیں اور دین کی تشریح میں اُن کی بات حرف آخر ہے اور ان کے متعین کردہ راہوں کے علاوہ دیگر راستوں پر چل کر کوئی شخص تقرب الی اللہ حاصل نہیں کر سکتا۔ اسلام کی تعلیمات کے بالکل منافی ہے اسلام صرف ایک نظریہ نہیں بلکہ مسلسل جدوجہد سعی پیہم اور عمل کا نام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب اور ابن سعود میں کچھ فرق نہ تھا جب تک دونوں زندہ رہے کامل اتحاد، یگانگت کے ساتھ اعلاءِ کلمۃ اللہ میں مصروف رہے اور ان کے فوت ہونے کے بعد ان کے خاندانوں میں مکمل اتحاد جلوہ فرما رہا اور آج تک منسلک ہیں اور اسلام کی ترقی اور خوشحالی کے لئے دونوں خاندان پہلو بہ پہلو چل رہے ہیں۔

شیخ الاسلام کی وفات

شیخ الاسلام ابھی بیس برس کی عمر کو بھی نہ پہنچے تھے کہ انہوں نے دعوت الی اللہ کا کام شروع کیا اگرچہ اس وقت تو دعوت الی اللہ کا دائرہ محدود تھا لیکن آہستہ آہستہ دعوت پھیلتی گئی۔ اور اس کے مخلص جاں نثار ساتھی پیدا ہوتے چلے گئے دوسری طرف دعوت کے مخالفین بھی بڑھتے چلے جا رہے تھے اور ان کی قوت میں دن بدن اضافہ ہو رہا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ شیخ الاسلام کو متعدد شہر چھوڑنے پڑے اور آخر کار درعیہ میں مستقل قیام کیا اس لئے کہ وہاں کی حکومت نے تحریک کو سہارا دیا۔ نتیجتہً شیخ الاسلام امن و اطمینان کے ساتھ تحریک کے فروغ کے لئے محنت شاقہ فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ اپنی زندگی کے آخری سالوں میں وہ خوشی سے پھولے نہ سماتے تھے جب دیکھتے کہ نہ صرف جزیرۃ العرب کے اطراف و اکناف میں تحریک کے ساتھ وفاداری رکھنے والی جابجا کی تنظیمیں موجود ہیں بلکہ جزیرۃ العرب کے علاوہ مصر، ترکی میں بھی اس کی شاخیں منظم ہو کر کام کر رہی ہیں اور ہزاروں کی تعداد میں طالب علم ان کے حلقہ درس میں شریک ہو کر اسلامی تربیت کے زیور سے مزین ہو رہے ہیں اور مختلف ملکوں میں تحریک کے مشن کو پایہ تکمیل

تک پہنچانے کے لئے سرگرم عمل ہیں جب شیخ الاسلام نے اپنی زندگی میں ہی اپنی جدوجہد اور محنت شاقہ کے بہترین نتائج اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ لئے اور صحیح معنوں میں اسلامی معاشرہ وجود میں آگیا یہاں تک کہ جنگل میں رہنے والوں کو مہذب شہری بنا دیا۔ جہلا کو علم کی دولت عطا کی۔ روحانی بیماروں کو شفایاب کیا۔ تنگ دستوں کو مالدار بنا دیا اور پریشان حال لوگوں کو اطمینان سے ہم کنار کیا۔ اس وقت شیخ الاسلام کی عمر ۸۶ سال سے متجاوز تھی اور ہزاروں طلبہ ان کی زیر تربیت تحصیل علم، اکتساب فیض میں مصروف تھے۔ ماشاء اللہ عمر کی اس منزل میں بھی نہ جسم میں کوئی بیماری تھی اور نہ عقل وادراک میں ضعف تھا۔ اگرچہ زندگی بھر مسلسل محنت فرماتے رہے۔ آرام و آسائش کی لذتوں سے دور رہے اور مسلسل ۷۰ سال جہاد میں مصروف رہے۔ اگرچہ زندگی کے آخری سالوں میں چپ چاپ آرام کے ساتھ گوشہ عافیت میں بیٹھ جاتے تو کچھ حرج کی بات نہ تھی لیکن شاید وہ مسلسل محنت اور علمی جدوجہد میں مصروفیت ہی کو آرام و آسائش سمجھتے تھے اور تحریک کے استحکام کے لئے جادہ پیما رہنے میں ان کے نشاط میں اضافہ ہوتا تھا اور کبھی بھی ایسی بیماری سے دوچار نہ ہوتے۔ جس کی وجہ سے انہیں بستر علالت پر لیٹنا پڑے۔

شوال ۱۲۰۶ھ میں ایک بیماری کے عارضہ نے شیخ الاسلام کو بستر علالت پر لٹا دیا۔ وہ شخص جو زندگی بھر طلبہ کے ہجوم میں چہکتا رہا۔ علمی جواہرات کی بارش برساتا رہا۔ آج ایک خوفناک مرض کے ہاتھوں مجبور ہو کر گھر کے ایک کونے میں پابند ہو گیا تھا۔ ذی القعدہ کے آخری دن ۲۲ رجون ۱۷۹۲ء کو علم و عمل کا یہ آفتاب ڈوب گیا لیکن انکی فکری توانائیوں، ایمانی قوتوں اور انتھک مساعی نے جغرافیہ عالم میں ایک اسلامی ریاست کا نقشہ اجاگر کر دیا تھا اور نجد کی یہ اسلامی ریاست دن بدن زور پکڑتی جارہی تھی۔ آج اللہ پاک کے فضل وکرم سے دنیا کے عالم میں سب سے بڑی قوت رکھنے والے ملک بھی اس کی قوت اور استحکام کے قائل ہیں۔

شیخ الاسلام کی وفات کی خبر جنگل کی آگ کی طرح آناً فاناً گرد و نواح کے علاقوں

میں پھیل گئی۔ تمام لوگ اس خبر سے رنج والم کی تصویر بنے ہوئے تھے جنازے کے ساتھ ہزاروں کی تعداد میں ان کے شاگرد اور دیگر معتقدین موجود تھے۔ اکابر جید علماء نے ان کی وفات پر مرثیے کہے اور ان کے کارہائے نمایاں کو اجاگر کیا اور انہیں خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا کہ ان کی انتھک مساعی کی وجہ تھی کہ انکی زندگی میں لاکھوں انسان ان کی تنظیم میں شامل ہو چکے تھے چنانچہ علامہ محمد بن علی شوکانی [1] یمنی نیل الاوطار جیسی ضخیم کتاب کے مؤلف نے بھی ان کا مرثیہ کہتے ہوئے مندرجہ ذیل اشعار کہے۔

مرثیہ کے اشعار

لَقَدْ مَاتَ طَوْدُ العِلْمِ قُطْبُ رَحَی العُلَا
وَمَرْكَزُ أَدْوَارِ الفُحُولِ الأَفَاضِلِ

إِمَامُ الهُدَیٰ مَاحِي الرَّدَیٰ قَامِعُ العِدَیٰ
وَمُرْوِي الصَّدَیٰ مِنْ فَيْضِ عِلْمٍ وَنَائِلٍ

مُحَمَّدٌ ذُو المَجْدِ الَّذِي عَزَّ دَرْكُهُ
وَجَلَّ مَقَامًا عَنْ طَوْقِ المُطَاوِلِ

لَقَدْ أَشْرَقَتْ نَجْدٌ بِنُورِ ضِيَائِهِ
وَقَامَ مَقَامَاتُ الهُدَیٰ بِالدَّلَائِلِ

علم کا پہاڑ اونچائیوں کا مرکز فوت ہو گیا ہے
وہ فاضل نادرۂ روزگار علماء کی محفلوں کا مرکز تھا
ہدایت کا پیشوا، ہلاکت آفرینیوں کو ختم کرنیوالا، دشمنوں کا قلع قمع کرنے والا
فیضانِ علم سے پیاسوں کو سیراب کرنے والا تھا۔
جس کا نام محمد جو عظمت والا اونچے ادراک کا مالک تھا

---

[1] الامام المصلح محمد بن علی الشوکانی الزبیدی۔ الیمنی المتوفی ۔ نیل الاوطار کے علاوہ الدر النضید فی اخلاص کلمۃ التوحید، القول المفید فی ابطال التقلید، شرح الصدور بتحریم رفع القبور کے مؤلف ہیں۔

اس کا علمی مقام اتنا بلند کہ کوئی فخر کرنے والا وہاں پہنچنے کی طاقت نہیں رکھ سکتا۔
تمام نجد کا علاقہ اس کے آفتاب کی کرنوں سے روشن ہو چکا ہے۔
اور دلائل کی قوت نے ہدایت کی منزلوں کو پرشکوہ بنا دیا ہے۔

شیخ الاسلام کس قدر خوش نصیب ہیں کہ انہوں نے اپنی زندگی میں ہی اپنی آرزوں کے نخلستان کو بار آور دیکھا اور ہزاروں کی تعداد میں ان کے مخلص پیروکار تحریک کے فروغ کے لئے ہر قسم کی قربانی دینے والے موجود ہیں اگرچہ بظاہر شیخ الاسلام منوں مٹی کے نیچے آرام فرما رہے ہیں لیکن ان کے علم وفضل کا آفتاب چمک دمک رہا ہے اور اس کی روشنی کی کرنیں فضائے بسیط کو منور کر رہی ہیں۔ جزیرۃ العرب کے علاوہ دور دراز ممالک چین، ہند، جاوا، افریقہ میں بھی ان کی عقیدت مند جاں نثار توحید کی اشاعت میں مصروف ہیں اور جہاد فی سبیل اللہ کی ادائیگی میں شب و روز منہمک ہیں۔

سید احمد بریلوی رح

چنانچہ ہندوستان میں سید احمد بریلی نے ان کے مشن کو زندہ کیا اور وہاں کے کفار کے ساتھ برسر پیکار رہے اور ۱۲۵۶ھ میں سکھوں سے لڑتے ہوئے میدان جنگ میں شہادت نوش فرما گئے۔ انکی شہادت کے بعد ایسے سرفروش مجاہدین موجود رہے جنہوں نے اپنی تمام تر خدمات اسلام کی سربلندی کے لئے وقف کر دیں لیکن مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ انکی تعداد میں کمی ہوتی چلی گئی۔

نائیجیریا میں شیخ احمد بلو کے اصلاحی کارنامے

نائیجیریا کے لیڈر افریقہ کے عظیم مصلح شیخ احمد بلو شمالی نائیجیریا کے وزیر اعظم اسلام کا بہت بڑا قلعہ ثابت ہوئے۔ شر پسند عناصر نے ان کی مساعی کو غضب آلود نگاہوں سے دیکھا اور ہفتہ کے روز ۲۴ رمضان المبارک ۱۳۸۵ھ میں ان کو اور ان کی پاک باز بیوی کی زندگی کے چراغ کو زہر پلا کر گل کر دیا۔

شیخ الاسلام کی شخصیت

شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب دین کے تمام امور میں اسلام سے راہنمائی حاصل کرتے، سلف صالحین کی اتباع پر زور دیتے اور ان کے نقوش کی پیروی کو ضروری گردانتے۔ ان کے اخلاق جلیلہ، خصائل حمیدہ کو انسانیت کا شرف قرار دیتے ہوئے اپنی زندگی کو ان کے مطابق ڈھالنے میں کوشاں رہتے۔ یہی وجہ ہے کہ سلف کے اسوۂ حسنہ کے خلاف کوئی کلمہ ان کی زبان سے نہ نکلا اور نہ ہی کوئی قدم ان کی مخالفت میں اٹھا۔

شیخ الاسلام کا حلیہ مبارک

رنگ گندمی سفیدی مائل قد درمیانہ، چہرہ خوبصورت، خدوخال فربادی، اعضاء متناسب جسم گٹھا ہوا جو دیکھتا متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتا۔ حیرت اس کے دامن کو تھام لیتی، باطنی صفائی کے ساتھ ساتھ ظاہر اً بھی صاف ستھرا رہتے، لباس میں بھی نظافت کا خیال رکھتے اور مجال ہے کہ زبان سے کوئی ناشائستہ کلمہ نکل پائے، زاہد متواضع اور منکسرالمزاج تھے آواز میں گرج۔ صفائی۔ تموج کی جھلک نمایاں تھی۔ خاموش بیٹھے ہوتے ہوں یا گفتگو فرما رہے ہوں حاضرین پر انکی ہیبت چھائی رہتی اور لوگ مجسمہ حیرت بنے رہتے خطابت میں دلائل کی مضبوطی، اسلوب کی عمدگی، فصاحت و بلاغت کی دلکشی ان کا طرہ امتیاز تھی۔ متروکہ استعارات، سوقیانہ کلمات، فضول تنقید سے محترز رہتے۔ شاذ و نادر ہی ایسا ہوا کہ سخت ضرورت کے پیش نظر عوامی سطح پہ گفتگو کی ہو۔ آسان الفاظ بولتے۔ جو سامعین کے دلوں میں اترتے چلے جاتے۔ تکلف اور گھٹیا قسم کے کلمات سے انکی کتابیں مکاتیب، عام تقریریں بالکل خالی نظر آتی ہیں۔ زبان کی عمدگی شستہ کلامی کے ساتھ ساتھ ان میں کوئی عیب موجود نہ تھا۔ ایک پکے سچے مسلمان میں جن اعلیٰ اخلاقی قدروں کا موجود ہونا ضروری ہے وہ تمام ان میں موجود تھیں۔ خشیت الٰہی کے جذبہ سے سرشار زندگی بسر کرتے رہے اور قول و عمل میں اتباع سنت سے روگردانی کو گناہِ عظیم سمجھتے رہے۔

شیخ الاسلام پر بعض غلط اعتراضات

بعض دشمنوں نے ان پر طعنہ زنی کرتے ہوئے کہا ہے کہ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل بیت کے دشمن تھے۔ وہ آپ پر صلوٰۃ وسلام بھیجنے کو جائز نہیں سمجھتے تھے، حقیقت اس کے برعکس ہے۔ شیخ الاسلام کی تصنیفات اس اعتراض کو غلط اور مردود قرار دیتی ہیں اور دشمنوں کی کذب بیانی کو واضح کرتی ہیں۔ چنانچہ شیخ الاسلام شیخ احمد بن یحییٰ کی طرف ایک تحریر میں رقمطراز ہیں۔

تَفَكَّرْ فِي الْأَمْرِ الْأَوَّلِ وَهُوَ قَوْلِي لَا تُطِيعُونِي وَلَا تُطِيعُوا إِلَّا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهِ عليه وسلم وَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا يُنْجِيكَ إِلَّا اتِّبَاعُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالدُّنْيَا زَائِلَةٌ

پہلے میرے اس قول پر غور کرو کہ تم میری اطاعت نہ کرو بلکہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی ہی اطاعت کرو۔ یقین کرو کہ نجات صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں ہے اور دنیا تو ختم ہو جانے والی چیز ہے۔

شیخ فاضل آل مزید کی طرف لکھتے ہیں۔

اذكر لمن خالفني ان الواجب على الناس اتباع ما وصى به النبي صلى الله عليه وسلم۔ (منه) وَأَقُولُ لَكُمُ الْكُتُبُ عِنْدَكُمْ اُنْظُرُوا فِيهَا وَلَا تَأْخُذُوا مِنْ كَلَامِي شَيْئًا لَكِنْ إِذَا عَرَفْتُمْ كَلَامَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّذِي فِي كُتُبِكُمْ فَاتَّبِعُوهُ، وَكَيْفَ يَكُونُ الْمُسْلِمُ مُسْلِمًا وَهُوَ يُبْغِضُ رَسُولَ الْإِسْلَامِ الَّذِي

میرے مخالفین سے کہہ دیجئے کہ تمام لوگوں پر فرض ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کے مطابق زندگی گذاریں۔ میں تم سے کہتا ہوں کہ میری کتابیں تمہارے پاس موجود ہیں۔ ان کا مطالعہ کرو۔ میری کلام پر عمل نہ کرو البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات جو تمہاری کتابوں میں بھی موجود ہیں ان کا اتباع کرو۔ کیا کسی مسلمان کو مسلمان کہنا درست ہے جبکہ

جَاءَنَا بِالْهُدَىٰ وَدِيْنِ الْحَقِّ — وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دشمنی رکھتا ہے جس نے ہمیں دین حق کی ہدایت سے نوازا۔

معلوم ہوا کہ اس بات میں ذرہ بھر معقولیت نہیں ہے کہ شیخ الاسلام، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض رکھتے تھے کوئی عقلمند انسان شیخ الاسلام کے دشمنوں کے اس اتہام کو صحیح نہیں سمجھ سکتا، شیخ الاسلام کا قول وعمل اللہ پاک اور اس کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے تابع تھا۔ ان کی کتابیں اس کا واضح ثبوت ہیں کہ ان کا تعلق اللہ پاک کے ساتھ کس قدر گہرا اور پختہ تھا اور شیخ الاسلام کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر درود بھیجنے سے روکنا بھی ان کے خلاف سنگین الزام ہے اسی طرح یہ کہنا کہ انہوں نے دلائل الخیرات کے جلانے کا حکم صادر فرمایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر پر بنے ہوئے گنبد کے گرانے کا حکم دیا اور اپنے متبعین کے علاوہ سبھی لوگوں کو کافر قرار دیا جھوٹ کا پلندا ہیں۔ ان کی افترا پردازی شیخ الاسلام کی کتابوں کے مندرجات سے واضح ہو رہی ہے۔ شیخ الاسلام کا وہ مکتوب جو انہوں نے شیخ عبدالرحمان بن عبداللہ سدیری بغدادی کی طرف لکھا اس کا بین ثبوت ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

أَمَّا مَا ذَكَرْتُمْ إِنِّي أُكَفِّرُ جَمِيعَ النَّاسِ إِلَّا مَنِ اتَّبَعَنِي وَأَزْعُمُ أَنَّ أَنْكِحَتَهُمْ غَيْرُ صَحِيحَةٍ وَيَا عَجَبًا كَيْفَ يَدْخُلُ هٰذَا فِي عَقْلِ عَاقِلٍ وَكَذٰلِكَ قَوْلُهُمْ إِنَّهُ يَقُولُ لَوْ أَقْدِرُ أَهْدِمُ قُبَّةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَهَدَمْتُهَا

تمہارا کہنا کہ میں اپنے پیروکاروں کے علاوہ سبھی کو کافر سمجھتا ہوں اور ان کے نکاح کو غیر صحیح قرار دیتا ہوں سخت تعجب انگیز ہے۔ کوئی عقلمند انسان کیسے ان باتوں کا اظہار کر سکتا ہے نیز ان کا یہ الزام لگانا بھی قرین قیاس نہیں کہ اگر مجھ میں قبر اطہر کے گنبد کو گرانے کی طاقت ہوتی تو اس کو منہدم کر دیتا۔

دلائل الخیرات کے بارے حکم : دلائل الخیرات اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود

نہ بھیجنے کے بارے میں رفتطراز ہیں۔

دلائل الخیرات کے بارے میں نے اپنے بھائیوں کو اخلاص کے ساتھ مشورہ دیا ہے کہ اگر ان کے دلوں میں دلائل الخیرات کے پڑھنے کی عظمت قرآن کی تلاوت سے زیادہ ہے تو چونکہ اس میں قرآن پاک کی توہین ہے اس لئے اس کی تلاوت سے باز رہا جائے لیکن ان کا یہ کہنا کہ میں نے دلائل الخیرات کے جلانے کا حکم دیا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے سے منع کیا ہے میں اپنے دامن کو ان الزامات کی آلودگی سے پاکیزہ سمجھتا ہوں۔

شیخ الاسلام کے رسائل اور کتابیں واضح شہادت پیش کر رہی ہیں کہ وہ سلفی العقیدہ انسان تھے، پرہیزگار تھے۔ دینداری اور عقیدہ توحید میں سلف کا نمونہ تھے اگر ان کے بعض متبعین جادۂ مستقیم سے ہٹ کر غلو کی راہ اختیار کر چکے ہوں تو اس کی ذمہ داری شیخ الاسلام پر عائد کرنا درست نہیں ہے شیخ الاسلام کی احتیاط کا یہ عالم تھا کہ ان کی تلوار بلا ضرورت شرعی کبھی نیام سے باہر نہیں نکلی وہ ہمیشہ عفو و درگذر کو اختیار کرتے لیکن جب دیکھتے کہ دشمن کی تلوار ان کے سر پر لہرا رہی ہے یا اسلام کے اساسی عقیدہ کے خلاف دشمن مسلح ہو کر میدان میں کود پڑا ہے تو اس وقت مجبور ہو کر تلوار ہاتھ میں پکڑتے اور شرعی دفاع کے ان حدود (جن کو شریعت الٰہیہ نے متعین کیا ہے) سے سرمو تجاوز نہ کرتے حالانکہ ان کی شجاعت و بسالت کے واقعات کا عام چرچا تھا اور پھر شجاعت ہی تمام انسانی فضائل و محامد کا سرچشمہ ہوتی ہے اور یہ سمجھنا کس قدر غلط ہے کہ شجاعت و مردانگی کے جوہر کا اظہار میدان جنگ میں ہی ہوتا ہے۔ حقیقت میں بہادر آدمی وہ ہے جس کی تلوار بے نیام سے دشمن فوج کے بہادروں کے سر قلم ہوں لیکن کمزور انسانوں، بچوں اور عورتوں پر تلوار چلانا شجاعت کے بنیادی اصولوں کے خلاف ہے کیا کسی بہادر انسان کا ضمیر اور انسانی ہمدردی ایسا کرنے کی اجازت دے سکتی ہے؟ جب کہ تاریخ کی ورق گردانی کرنے سے یہ بات اظہر من الشمس ہو رہی ہے کہ کسی بہادر انسان کی تلوار کسی ضعیف کمزور

انسان کے خون سے رنگین نہیں ہوئی ۔

شیخ الاسلام اپنے نظریات کے پرچار میں باوجود تن تنہا ہوتے کے خوفزدہ نہ ہوئے تمام قوم مقابلہ کررہی ہے علماء سوء بھی قوم کا ساتھ دے رہے ہیں لیکن شیخ الاسلام دلائل کی بوچھاڑ کررہے ہیں مخالفین ان کے دلائل کا جواب نہیں دے سکتے اس کے باوجود خاموش نہیں رہتے اور نہ ہی اپنی شکست کا اعتراف کرتے ہیں لیکن شیخ الاسلام ہمت نہیں ہارتے وہ اللہ پاک پر اعتماد کرتے ہوتے نہایت بہادری کے ساتھ سلسلہ وعظ و ارشاد جاری رکھتے ہیں بلا خوف وخطر دشمنوں کے درمیان کھلم کھلا توحید کا وعظ فرما رہے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ زندگی اور موت اللہ پاک کے ہاتھ میں ہے جب اللہ کا حکم آجائے گا تو اس میں تقدیم تاخیر کا ہونا ممکن نہیں ہوگا لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ وہ فرقہ جبریہ کے اعتقادات کے حامل تھے غلط ہے ایک سچا مومن اس یقین کے اظہار سے رہ نہیں سکتا کہ تقدیر پر ایمان رکھنا ضروری ہے اور اسی بات کا تقاضا تھا کہ وہ موت سے خائف نہ تھے اور اہل بدعت کو نشانہ بنا رہے تھے اہل بدعت بھی زیادہ عرصہ خاموش کس طرح رہ سکتے تھے چنانچہ وہ بھی جنگ و جدال کے لئے مسلح ہوکر مقابلہ میں اُتر آئے اور باطل کی حمایت میں جمع ہوگئے لیکن کیا ان کے مقابلہ میں شیخ الاسلام نے بھی کسی باطل نظریہ کا سہارا لیا یا مصلحت کوشی اختیار کی ہرگز نہیں۔ وہ برابر حق کی حمایت اور باطل کی بیخ کنی میں کوششیں فرماتے رہے اگرچہ انکی مخالفت کرنے والوں کی قوت میں دن بدن اضافہ ہو رہا تھا۔ عوام اور علماء کی مخالفت کے ساتھ ساتھ حکومتیں بھی ان کی مخالفت پر اُتر آئی تھیں اور انہیں نیچا دکھانے کے لئے پورا زور صرف کر رہی تھیں لیکن شیخ الاسلام ان کا دلیرانہ مقابلہ کرتے رہے نہ خوف نے ان کے دامن کو تھاما نہ دہشت اور رعب داب کی گرد ہی نے ان کے عزائم کو ختم کیا بلکہ مخالفت کی شدت ان کے جذبات کو مزید اشتعال بخش رہی تھی اور ان کی مساعی کا میدان وسیع تر ہو رہا تھا اور ان کی شجاعت ضرب المثل صورت اختیار کر چکی تھی ۔

آغاز دعوت میں جب وہ حرملا میں سکونت پذیر تھے تو وہاں وہ بالکل اکیلے تھے ان کا کوئی ساتھی نہ تھا اور پھر حرملا ان کا اپنا آبائی شہر نہ تھا نہ وہاں ان کی جماعت تھی اس کے باوجود انہوں نے مخالفین کی مخالفت کی پرواہ نہ کی انہوں نے حرملا کی سیاست کا بغور مطالعہ کیا وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ حرملا شہر میں اقتدار پر دو قبیلوں کے انسان قابض ہیں وہ دونوں قبیلے بھی آپس میں متحارب ہیں لیکن ان دونوں قبیلوں کے ماتحت زندگی بسر کرنے والے عوام مظلومانہ زندگی بسر کر رہے ہیں اور انہیں جبر و تشدد کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ اس حقیقت کے باوجود کہ شیخ الاسلام کا وہاں کوئی رشتہ دار نہ تھا لیکن وہ اس ظلم کو دیکھ کر برداشت نہ کر سکے اور ہمدردی کے جذبہ نے ان کو مخالفین کے سامنے لا کھڑا کیا اور مظلوموں کی حمایت کرتے ہوئے ظالموں کو للکارا اور دو ٹوک الفاظ میں اعلان کیا کہ اگر تم ان پر ظلم کرنے سے باز نہیں آؤ گے تو تمہیں اس کی سزا سے کوئی طاقت نہیں بچا سکے گی۔ بلاشبہ وہ لوگ اثر و رسوخ کے مالک تھے اقتدار ان کے ہاتھ میں تھا وہ مسلم بھی تھے اور سینکڑوں انسان انکے ظلم و ستم کا نشانہ بن چکے تھے اور ان کی انسانیت سوز حرکات سے وہ اسقدر خوفزدہ ہو چکے تھے کہ عوام میں کوئی شخص بھی شکایت کا لفظ اپنے منہ پر نہیں لا سکتا تھا۔ ظالموں نے شیخ الاسلام کے اس دلیرانہ اقدام کو حیرت و استعجاب کی نگاہوں سے دیکھا اور ان کے قتل کا منصوبہ بنایا لیکن شیخ الاسلام گھبرانے والے کہاں تھے، وہ اس بات پر مصر تھے کہ ان کو ان کی کرتوتوں کا بدلہ ضرور دیا جائے گا اور اسلامی شریعت کا نفاذ کر کے ہی دم لیا جائے گا۔

موسم سرما کی ایک رات چند ذلیل لوگوں نے شیخ الاسلام کے گھر پر حملہ کرنے کے لئے گھر کا محاصرہ بھی کیا لیکن بروقت اللہ پاک کے فضل و کرم سے باہر سے آنے والے لوگوں کی ایک جماعت نے انہیں چور سمجھ کر ان کا تعاقب کیا۔ شور مچایا تو وہ بھاگ گئے۔ صبح شیخ الاسلام کو ان کی اس ذلیل حرکت کا علم ہوا تو انہوں نے مصلحتاً حرملا شہر کو چھوڑنے کا عزم کیا۔

شیخ الاسلام صرف واعظ خطیب، مصنف، مدرس ہی نہ تھے بلکہ تلوار اور نیزے سے مسلح ہو کر میدانِ جہاد میں بھی شریک ہوتے اور صف اول میں مردانگی کے جوہر دکھاتے اور ثابت قدمی کے ساتھ ڈٹ کر مقابلہ کرتے۔ دشمن سے چھپنے کی کوشش نہ کرتے، سینہ تان کر دشمن کی نظروں کے سامنے ہی رہتے اور رفقاء کو شجاعت و مردانگی کے کاموں پر ابھارتے رہتے۔

شیخ الاسلام جہاں شجاعت کی صفت کے ساتھ متصف تھے وہاں ان میں سخاوت بھی موجود تھی۔ زہد و قناعت کی زندگی بسر کرتے اور ضرورت کے مطابق تحریک کے داعیوں، طالب علموں، فقیروں، ضرورتمندوں پر بے دریغ خرچ کرتے اور ان کے لئے ہمیشہ ان کا دروازہ کھلا رہتا۔ ان انسانی شرافتوں کے ساتھ ساتھ علم کے زیور سے بھی آراستہ تھے چنانچہ اپنے دور کے نابغہ روزگار علماء کی فہرست میں شمار ہوتے تھے اور ان کی علمی ثقافتی سرگرمیاں اسلامی سانچہ میں ڈھلی ہوتی تھیں۔

شیخ الاسلام اگر ایک طرف بہت بڑے مصلح تھے اس لئے کہ اسلام کے لئے امت میں نشوونما نے ان کی فطری صلاحیتوں کو اجاگر کر دیا تھا اور ان کی عظمت و شرافت کے گیت گائے جاتے تھے تو دوسری طرف انہیں یہ فخر بھی حاصل تھا کہ وہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور ان کے تلمیذ ارشد علامہ ابن القیمؒ کے نقش قدم پر چل رہے تھے بلکہ یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ سیاسی امور میں وہ اپنے ان دونوں اساتذہ سے کہیں آگے نکل گئے تھے جیسا کہ ان دونوں کے علاوہ دیگر مصلحین امت کی مساعی بھی ان کی مساعی کے مقابلہ میں کچھ حیثیت نہیں رکھتیں۔ پس شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب کا مقام اصلاحی کارناموں میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ، ابن القیم، علامہ جمال الدین افغانی علامہ محمد عبدہ جیسے عظیم المرتبت مصلحین سے کہیں زیادہ ہے اس لئے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ان ائمہ کی کوششوں سے معدودے چند افراد اسلام کے سچے خادم ثابت ہوئے اور وہ اپنے مقاصد کی نشر و اشاعت میں اس لئے کامیاب نہ ہو سکے کہ وہ مادی قوت سے محروم تھے اور سیاسی شاطرانہ چالبازیوں کی وجہ سے انہیں تحفظ حاصل نہیں تھا

پس وہ نظر و فکر کے حدود سے آگے نہ نکل سکے اور عملاً اسلامی تحریک کی کامیابی کا منظر نہ دیکھ سکے لیکن ان سب کے برعکس شیخ الاسلام کی تحریک صرف دعوت کے میدان کو ہی زینت نہیں بخشتی بلکہ وہ سیاسیات کے میدان میں بھی پوری قوت کے ساتھ اترتے ہیں اور جان نثار رفقاء کی جمعیت ان کا تعاون کرتی ہے بالآخر وہ اسلامی حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہوتے ہیں بحمد اللہ آج تک وہ اسلامی حکومت قائم ہے اور امر بالمعروف نہی عن المنکر کا فریضہ سر انجام دے رہی ہے بلکہ روئے زمین پر صرف یہی ایک حکومت ہے جس کو صحیح معنوں میں اسلامی حکومت کہنا درست ہوگا۔ جہاں شریعت اسلامیہ کے مطابق فیصلے ہوتے ہیں۔

شیخ الاسلام کی طرح قفقاز میں شیخ شامل ہندوستان میں سید احمد بریلی، سوڈان میں مہدی سوڈانی اسلامی حکومت کے قیام میں کوشاں رہے لیکن شیخ الاسلام کو ہی یہ خصوصیت عطا ہوئی کہ وہ اسلامی حکومت کے قیام میں کامیاب ہوئے اور اب تک وہاں اسلام کی بالادستی مسلم ہے۔

ارشاد نبوی ہے

لَا تَزَالُ عِصَابَۃٌ مِنْ اُمَّتِیْ یُقَاتِلُوْنَ عَلٰی اَمْرِ اللہِ ظَاھِرِیْنَ لَا یَضُرُّھُمْ مَنْ خَالَفَھُمْ حَتّٰی تَاْتِیَھُمُ السَّاعَۃُ وَھُمْ عَلٰی ذَالِکَ	میری اُمت سے ایک جماعت اسلامی حکومت کے قیام کے لئے کوشاں رہے گی۔ ان کی مخالفت کرنے والے کچھ نہ بگاڑ سکیں گے وہ قیامت تک اسی طرح جہاد میں مصروف رہیں گے۔

شیخ الاسلام کا زہد و ورع

شیخ الاسلام کا مقصد دعوت و ارشاد سے مال و دولت حاصل کرنا نہیں تھا اور نہ ہی وہ دین کی خدمت کے روپ میں تجارت، مالی منفعت، زندگی کے آرام کے خواہاں تھے اور نہ ہی سرمایہ کاری، اقتدار، حکومت حاصل کرنے کے متمنی تھے۔

شیخ الاسلام کی تحریک سے پہلے اور بعد کی زندگی کا جائزہ لینے سے پتہ چلتا ہے کہ کبھی بھی ان کا مقصد دنیوی منفعت نہیں رہا بلکہ مخلصانہ انداز میں اللہ کی رضا جوئی کے لئے دعوت وارشاد کے مُبارک کام میں محونا و نوش رہے۔

شیخ الاسلام کے والد نہ تو فقیر تھے اور نہ ہی زیادہ دولت مند تھے شیخ الاسلام کا بچپن اور جوانی کا زمانہ تحصیل علم میں گذرا اور دنیا کی زیب وزینت ان کے راہ میں حائل نہ ہو سکی۔ جونہی وہ تحصیل علم سے فارغ ہوئے تو انہوں نے اپنے گردو پیش کا جائزہ لیا اور زندگی کی جولانیوں کا بغور مطالعہ کیا تو اگر وہ چاہتے تو اپنے علم کو دولت آفرینی کا ذریعہ بنا سکتے تھے لیکن وہ دنیا کی دھوکہ بازیوں فساد آرائیوں حیلہ سازیوں کی گرفت سے کہیں بلند تھے اس لئے وہ دنیا کے فتنوں سے محفوظ رہے۔

شیخ الاسلام دنیوی حسن وجمال اور اس کی زیب زینت کے فریب سے محفوظ رہے اور دین اسلام کی خدمت میں لگے رہے لیکن شاید انہوں نے کبھی یہ سوچنا بھی گوارا نہ کیا ہو کہ دنیا کی فریب کاریوں سے بچنے کے لئے گوشۂ عافیت اختیار کیا جائے اور معاشرہ کی ناہمواریوں سے تحفظ کا ذریعہ رہبانیت کے اپنانے میں ہے اس لئے کہ دین اسلام معاشرہ سے الگ تھلگ کنج عزلت اختیار کرنے کی اجازت نہیں بخشتا۔ اسلام تو اجتماعی معاشرہ کو جنم دیتا ہے اور دنیوی معاملات میں بھی راہِ ہدایت عطا کرتا ہے اور مدعی ہے کہ ایک مسلمان انسان کا دنیوی اُمور میں اعتدال پسندی اختیار کرنا اور مقررہ حدود کے اندر رہ کر معاشیات کے مسائل کو حل کرنا عین اسلام ہے۔

شیخ الاسلام اگر چاہتے تو دولت کے انبار لگا لیتے اور اقتدار پر قابض ہو جاتے لیکن ان کا مطمع نظر دعوت وارشاد کے فریضہ کو سرانجام دینا تھا وہ اقتدار سے کنارہ کش رہے اور ابن سعود کے ہاتھوں اقتدار سونپ دیا اس لئے کہ ابن سعود میں وہ تمام خصوصیتیں موجود تھیں جن کا ایک اسلامی حکمران میں پایا جانا ضروری ہے البتہ شریعتِ الٰہیہ کے نفاذ اور کتاب اللہ کے فیصلوں کے مطابق لوگوں کے

تنازعات کو نبٹانے کی ذمہ داری اپنے اوپر لے رکھی تھی بلکہ ابنِ سعود بھی ان کے مشورہ کے بغیر کوئی فیصلہ کرنے کا مجاز نہ تھا۔

شیخ الاسلام نے دعوتِ اسلامی کے پرچار میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا اور اپنے آپ کو خدمتِ اسلام کے لئے وقف کر دیا۔ مملکت کا حصول بھی دینِ اسلام کی خدمت کے لئے تھا اگرچہ مال و دولت کی چمک دمک ان کے صدق و اخلاص کو فریب زدہ نہ کر سکی۔ ان تمام خدمات کے صلہ میں انہوں نے بیت المال سے کچھ معاوضہ طلب نہ کیا البتہ تھوڑی سی زرعی زمین ان کے پاس تھی جس سے سادگی کے ساتھ خوراک، لباس کی ضرورتیں پوری ہو رہی تھیں۔

طالبانِ علم کا ہجوم

شیخ الاسلام کے ہاں حصولِ علم کے لئے نجد، احساء سے ہزاروں طالب علم آرہے تھے اور دعوت الی اللہ کے لئے تربیت حاصل کر رہے تھے غریب طالب علم اپنی خوراک، لباس رہائش کے انتظام کرنے سے قاصر تھے لہٰذا شیخ الاسلام اپنی ذاتی آمدنی سے ان کی ضروریات پوری فرماتے اور بیت المال پر ان کے مصارف کا بوجھ ڈالنے سے گریز کرتے۔ اس سلسلہ میں انہیں قرض لینا پڑتا اور قرض کی ادائیگی اس رقم سے کی جاتی جو شیخ الاسلام کی دعوت کی وجہ سے بسلسلہ تبلیغ ان کے سپرد کی جاتی تھی چنانچہ اس کا نتیجہ تھا کہ جب شیخ الاسلام فوت ہوتے ہیں تو وہ ہزاروں پونڈ کے مقروض تھے چنانچہ ابنِ سعود نے بیت المال سے ان کے قرض کو ادا فرمایا۔

شیخ الاسلام اپنے پیچھے کوئی جائداد چھوڑ کر نہیں گئے البتہ ان کی وراثت ان کا علم اور لوگوں کی تربیت و اصلاح تھی علماء انبیاء کے صحیح اور سچے جانشین اس وقت ہوتے ہیں جب وہ اپنے پیچھے مال چھوڑ کر نہ جائیں جس طرح انبیاء صرف علم کی دولت چھوڑ کر جاتے ہیں مال چھوڑ کر نہیں جاتے اسی طرح ان کے جانشین بھی علم کی دولت چھوڑیں مال چھوڑ کر نہ جائیں۔

شیخ الاسلام فیاض، سخی انسان تھے، طمع لالچ سے کوسوں دور تھے۔ حلال رزق کھاتے رہے اور عمر بھر لوگوں کو اپنے علمی فیوض اور ذاتی مال و دولت سے نوازتے رہے تا آنکہ جب فوت ہوئے تو ان کے پاس ایک درہم بھی موجود نہ تھا بلکہ مقروض تھے کیا اس کے بعد شیخ الاسلام کے زہد و ورع کے اثبات کے لئے مزید کسی دلیل کی ضرورت باقی رہتی ہے؟

شیخ سنوسی

وہابی تحریک کے ساتھ ساتھ الجزائر میں سنوسی تحریک دعوت الی اللہ کے مشن میں سرگرم عمل تھی اس تحریک کے بانی سید محمد بن علی ادریسی سنوسی ہیں سنہ ۱۲۰۲ھ بموافق ۱۷۸۷ء میں پیدا ہوئے اور سنہ ۱۲۸۶ھ بموافق ۱۸۵۹ء میں فوت ہوئے۔

شیخ سنوسی عرب علاقوں میں گھومتے رہے سنہ ۱۸۳۹ء میں برقہ گئے اور وہاں سے واحہ میں پہنچے وہیں فوت ہوئے۔

شیخ سنوسی دینی مصلحین کی فہرست میں شمار کئے جاتے ہیں کثرت کے ساتھ لوگ ان سے متاثر ہوئے تبلیغ کے ساتھ ساتھ چند کتابیں اور رسائل تالیف کئے۔

شیخ عقاد کا بیان

تحریک وہابیت، سنوسیت کا تقابل کرتے ہوئے شیخ عقاد لکھتا ہے کہ یہ دونوں تحریکیں بڑی دلیری بے باکی کے ساتھ کھلم کھلا دین اسلام کی طرف دعوت دیتی رہیں۔ بدعات خرافات سے ہٹا کر کتاب و سنت کی طرف لوگوں کو راغب کرتی رہیں۔

شیخ الاسلام کی خدمات جلیلہ

شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب سے لے کر آج تک تحریک وہابیت کے

علمبردار برابر دعوت الی اللہ کے فریضہ کی سرانجام دہی میں سرگرداں نظر آرہے ہیں اور اس سے آگے اسلامی حکومت کے قیام میں کامیاب ہوتے تاکہ اسلامی حکومت کا سربراہ قرآن پاک کے قوانین کا عملاً نفاذ کرے جبکہ دوسری تحریکوں کا دائرہ عمل وعظ وارشاد سے آگے نہ گذر سکا اس لحاظ سے یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب کامیاب مصلح ثابت ہوئے دیگر مصلحین کے درمیان انہیں منفرد حیثیت حاصل تھی کہ وہ دینی دعوت کی پشت پر ایک اسلامی حکومت کے قیام میں کامیاب ہوئے یہی وجہ ہے کہ اس تحریک کے اثرات تمام ممالک اسلامیہ میں داخل ہوئے ورنہ اس کی آواز بھی مساجد و مدارس کے گوشوں سے آگے رسائی نہ کر سکتی اور اگر اس تحریک کی مخالفت میں اس قدر شدت اختیار نہ کی جاتی تو یقیناً اس کا نقشہ موجودہ نقشہ سے کافی مختلف ہوتا۔

شیخ الاسلام کو تاریخ اسلام کے آخری قرون میں منفرد حیثیت حاصل ہے اسلئے کہ انہوں نے اسلامی علوم کو فہم و بصیرت کے ساتھ حاصل کیا علوم کی تحصیل سے فارغ ہوکر وہ نجد، حجاز، عراق کے ملکوں میں دعوت و عزیمت کے پرچار میں مصروف رہے وہاں شرک و بدعت کے بازار کو گرم دیکھ کر تلملا گئے کتاب وسنت کے درس کا سلسلہ جاری رکھا اور ثقافت اسلامیہ کے فروغ میں اپنی خداداد صلاحیتوں کو جھونک دیا اور خصوصیت کے ساتھ لوگوں کے ذہن نشین کرایا کہ اسلام صرف نظریاتی اصلاحات کا نام نہیں ہے بلکہ اصلاح عقیدہ کے ساتھ ساتھ مادی اصلاحات کے لئے بھی جامع پروگرام رکھتا ہے اس لئے کہ انسان کا وجود جسم اور روح سے مرکب ہے پس صرف روح کی بالیدگی کے لئے مساعی بروئے کار لانا اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ جسم بے فائدہ چیز ہے اور صرف مادی اصلاحات پر نظر رکھنا ایمان و ایقان کی شاندار عمارت کو منہدم کردینے کے مترادف ہے۔

شیخ الاسلام نے پوری شجاعت کے ساتھ اصلاحی مساعی کے کام کا بیڑا اٹھایا اور اس کے جملہ عوامل و اسباب کو یکجا کیا اور نہایت شیریں الفاظ، دلپذیر انداز کے

ساتھ صاف ستھرا نکھرا ہوا اسلام پیش کیا جو بدعات وخرافات کی آلائشوں سے بالکل مبرّی اور منزہ تھا پیغمبروں کے طریق کے مطابق عقائد کی اصلاح کی طرف خاص توجہ مبذول فرمائی ۔ عقائد کے مسائل کو کتاب وسنت کی نصوص صریحات کی روشنی میں پیش فرمایا ، علم کلام ، فلسفہ کی اصطلاحات غامضہ (جن سے عقائد کے فہم میں مزید الجھاؤ پیدا ہوتا ہے اور انسان ظن وتخمین کی وادیوں میں حیران وششدر رہتا ہے) سے مکمل اجتناب کیا عقائد کی اصلاح کے ساتھ ساتھ ارکان خمسہ کی اہمیت کو واضح فرمایا لیکن صاف صاف اعلان کر دیا کہ ظاہر باطن دونوں کی اصلاح ضروری ہے ظاہری اصلاح باطنی صفائی کے بغیر دھوکہ بازی فریب دہی ہے البتہ باطنی اصلاح ہو جانے کے بعد صحیح معنوں میں ظاہری اصلاح کا ہونا ممکن ہے ۔

شیخ الاسلام نے سوچا کہ عوام بادشاہوں کے تابع ہوا کرتے ہیں اس لیے کیوں نہ پہلے حاکم وقت کی اصلاح کی جائے چنانچہ درعیہ کے حاکم ابن سعود کے سامنے دعوت اسلام کو پیش کیا وہ پہلے ہی اس کام کے لئے تیار تھے ان کی رفاقت کا نتیجہ یہ نکلا کہ تمام رعایا بادشاہ کی آواز پر صدائے لبیک بلند کرتے ہوئے تحریک میں شامل ہو گئی اور درعیہ کی فضا شاہی محلات سے لے کر غریبوں کی جھونپڑیوں تک قرآن پاک کی تلاوت سے معمور نظر آنے لگی ۔

شیخ الاسلام باطنی اصلاح پر زور دیتے رہے تھے اس لئے کہ باطن کی اصلاح کا ظاہر پر اثر ہوتا ہے ۔

شیخ الاسلام کی اصلاحات کا دائرہ صرف درعیہ کے حدود تک محدود نہیں تھا بلکہ جہاں تک ممکن ہو سکا وہ اسلام کی تعلیمات سے روشناس کرانے کے لیے شہروں دیہاتوں میں گئے اور عوام کی اصلاح پر کمربستہ رہے اس کے لئے انہوں نے تشدد کے ذریعے کو بالائے طاق رکھتے ہوئے تحمل وبردباری کو اپنایا اور وعظ وارشاد کے لئے تربیت یافتہ علماء کو مختلف علاقوں میں بھیجا جو پوری ہوشمندی ، شائستگی کے ساتھ لوگوں کے سامنے دین کی دعوت پیش کرتے رہے نیز علماء ، امراء ، حکام

کی طرف دعوتی خطوط ارسال کرتے رہے اور انہیں قائل کرنے کی کوشش کی کہ صرف اسلام ہی سچا دین ہے اور اعلان کیا کہ میرا نصب العین اسلام کی اشاعت اور بدعات کا استیصال کرنا ہے اسلام کی حلال کردہ اشیاء میرے نزدیک حلال ہیں اور اسلام کی حرام کردہ اشیاء کو میں حرام سمجھتا ہوں چنانچہ ان کے پائے استقلال میں لرزہ پیدا کرنے کے لئے اہل بدعت کا لشکر جرار غیظ وغضب سے بھرپور ہو کر مست ہاتھی کی طرح شیخ الاسلام اور اس کے ساتھیوں کو موت کے گھاٹ اتارنے کی دھمکیوں میں مصروف تھا لیکن ان کے تشدد کے جواب میں شیخ الاسلام دلسوزی، دلجمعی کے ساتھ ڈٹے رہے اور نہایت دھیمے انداز میں ان کو مخالفت سے باز رکھنے کی کوشش فرماتے رہے لیکن وہ باز نہ آئے، یہاں تک کہ شیخ الاسلام کے لئے کوئی چارہ کار نہ رہا کہ وہ بھی دعوت الی اللہ کی حمایت کے لئے تلوار لے کر نکلیں اور شرعاً کسی داعی کا قوت کے مقابلہ میں اپنی قوت کو مجتمع کرنا اور میدانِ جنگ میں اُترنا کسی طرح بھی غیر مناسب نہیں ہوتا اور نہ ہی شرعاً اس پر کوئی قدغن عائد کی جا سکتی ہے جب اصلاح کے دیگر راستے مسدود ہو جائیں۔

چنانچہ شیخ الاسلام حکومت کی وساطت سے نجد میں اسلامی آئین کے نفاذ میں کامیاب ہوئے اور ایسا صاف ستھرا اسلام پیش کیا جو اہلِ بدعت، اہل قبور اہلِ خرافات کی آلائشوں سے بالکل مبرّیٰ تھا۔

اسلامی تاریخ میں کتنے ایسے داعیوں کا تذکرہ ملتا ہے جو کتاب وسنت کی حکومت قائم کرنے میں ناکام رہے اور ان کی ناکامی کی وجہ سیاسی قوت کا فقدان تھا، شیخ الاسلام کو بلاشبہ حکومت کا تعاون حاصل تھا لیکن اس کے ساتھ ساتھ ان کی شخصیت بھی پُرشکوہ باوقار حیثیت کی حامل تھی اور ان کی معنوی خصوصیات انہیں اس بات کی اجازت دینے کے لئے تیار نہ تھیں کہ وہ اپنے مادی اور معنوی دشمنوں کے سامنے سپر ڈال دیں بلاشبہ وہ عظیم مصلح کے مقام پر فائز تھے اور ان کی دعوت کے اثرات ممالک عربیہ سے گزرتے ہوئے بنگال، انڈونیشیا، نائیجیریا کے ملکوں میں داخل ہو چکے تھے اور ان کی

جدوجہد کا نتیجہ تھا کہ مسلمان ممالک جو کہ خواب غفلت میں مستغرق تھے ان کے لئے شیخ الاسلام کی دعوت صور اسرائیل ثابت ہوئی اور اگر درعیہ کے حاکم ابن سعود کی طرح دوسری مسلم حکومتوں کے حکمران بھی مادی، روحانی تعاون کا ثبوت پیش کرتے تو یقیناً دنیا بھر کے مسلمانوں کو ان کا چھنا ہوا اقتدار دوبارہ مل جاتا اور صدائے اسلام سے زمین کا چپہ چپہ گونج اٹھتا۔ شیخ الاسلام نے عالم اسلام کی فضا کو جمود کے بادلوں سے پاک صاف کیا، عقلوں کو نور بصیرت سے منور کیا، رفقاء کو جھنجھوڑا اور مخالفین کو مقابلہ کرنے پر آمادہ کیا تو وہ قلم و تلوار کے ساتھ مسلح ہو کر جنگ و جدال کے میدان میں اتر آئے لیکن شیخ الاسلام ان کے مقابلہ میں مستقل مزاجی کے ساتھ اپنے منشور کی تبلیغ میں ڈٹے رہے۔

شیخ الاسلام نے واشگاف الفاظ میں اعلان کیا کہ مسلمانوں کے تنزل کا اصلی سبب اسلام سے دوری ہے اگر آج بھی مسلمان کتاب و سنت کے ساتھ تمسک اختیار کریں تو انہیں کھویا ہوا اقتدار واپس مل سکتا ہے۔ پسماندہ قوموں نے جب اسلام کو اپنایا تو وہ ترقی یافتہ قوموں سے کہیں آگے نکل گئیں۔ اسلام ہی ایک ایسا نظام ہے جو اپنے ماننے والوں کو خوشحالی امن و سکون کی زندگی عطا کرتا ہے دلوں کی تاریکیوں کو ختم کر کے روشنی عطا کرتا ہے۔ اسلام اس بات کی ضمانت دیتا ہے کہ عوام کی اصلاح کرنے کے لئے اولاً داعی کا خود اصلاح یافتہ ہونا ضروری ہے۔ اور وہ حسن سیرت اور فرائض کی ادائیگی میں ممتاز حیثیت کا حامل ہو۔

شام کے علامہ محمد کرد علی کا تبصرہ

شیخ الاسلام کے متعلق شام کے علامہ محمد کرد علی رقمطراز ہیں:

شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب عظیم داعی تھے۔ لوگوں کو گمراہی سے نکال کر راہِ ہدایت پر لاتے۔ ان میں اور ان کے رفقاء میں تشدد کا باعث جنگل کی زندگی کی بود و باش تھی۔ شاید مسلمانوں میں کوئی بھی تحریک ایسی موجود نہیں جس کے کارکنوں

میں ان جیسا اخلاص ۔ دینداری اور سچ بولنے کا جذبہ کارفرما ہو۔ سالہا سال سے ہم ان کے عوام و خواص کی جانچ پڑتال کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ یہ لوگ جادۂ اسلام سے سرمو بھی منحرف نہیں ہوتے۔

مخالفین کے ساتھ ان کی جنگیں محض سیاسی نوعیت کی نہیں ہیں اور پھر دشمنوں نے صرف ان کو بدنام کرنے کے لئے ان پر الزام تراشیوں سے کام لیا جن کی حقیقت موجود نہیں ہے شیخ الاسلام نے سیاست کے میدان کے علاوہ دوسرے میدانوں میں لوگوں کو فکر و نظر کی دعوت دیتے ہوئے بدعات و خرافات سے دور رہنے کا سبق دیا اور انہیں بتایا کہ ایمان باللہ کا تقاضا ہے کہ صرف اللہ پاک کی عبادت کی جائے۔ کوئی فرشتہ، پیغمبر، ولی اور کوئی قبر اس لائق نہیں ہے کہ اس کی عبادت کی جائے۔

عقیدہ کی صفائی کے لئے ضروری ہے کہ بدعات شرک خرافات اور وثنیات سے کنارہ کش رہا جائے۔

شیخ الاسلام کی دعوت کا اثر مفید نتائج کا حامل ثابت ہوا چنانچہ عوام میں دینی جذبہ بیدار ہونے لگا اسلام کے ساتھ ان کی عقیدت میں استحکام جلوہ گر ہوا اور اتحاد و اتفاق کی فضا نے انہیں ترقی یافتہ حکومتوں کی صف میں لا کھڑا کیا اور ملک کے ایک آزاد شہری کی طرح آزادی کے ساتھ اسلام کے احکامات کے مطابق زندگی بسر کرنے لگے۔

شیخ الاسلام کو شرک و بدعت کی بیماریوں کے جراثیم کو تباہ و برباد کرنے میں بے پناہ مشکلات سے گزرنا پڑا۔ عقائد کی جکڑ بندیوں سے نکالنے میں ناقابل برداشت مصائب سے دوچار ہونا پڑا لیکن ان کی مؤمنانہ فراست کے پلئے استقلال میں لغزش کا معمولی شائبہ بھی راہ نہ پاسکا انہیں زندگی میں بیسیوں بار ایسے حالات سے دوچار ہونا پڑا کہ قریب تھا کہ ان کے جسم و روح کا رشتہ منقطع ہو جائے لیکن اس پر بھی وہ رضائے الٰہی کی تصویر وفا بنے رہے اور ظالمانہ جابرانہ حکومتیں نہیں

ان کے مشن سے روک نہ سکیں بلکہ مصائب کے بے پناہ سیل رواں نے ان کو مزید استحکام بخشا اور وہ ناقابل تسخیر چٹان ثابت ہوئے انہوں نے جب دعوت کے میدان میں ھل من مبارز کی ندا بلند کرنے کے عزم کو اختیار کیا تو ان کی نگاہوں کے سامنے مصائب و تکالیف کا تمام نقشہ گردش کر رہا تھا۔ بایں ہمہ وہ اکیلے ہی توحید کی دعوت کو لے کر میدان میں آئے انہیں اس سے کوئی مالی منفعت بھی مقصود نہ تھی یقیناً اگر وہ اتنے بار گراں کو اپنے کندھوں پر نہ اٹھاتے تو معاشرہ میں وہ آرام کی زندگی بسر کرتے اور شدائد و محن سے انہیں دوچار ہونا نہ پڑتا لیکن وہ تبلیغ کا تمام کام تطوعاً اور احتساباً کر رہے تھے بخوشی ہر قسم کی تکالیف کو برداشت کر رہے تھے اور ان کی مستقل مزاجی میں مزید استحکام رونما ہو رہا تھا۔ دراصل یہ ان کے دل کی آواز تھی اور اس کو دبانا مشکل تھا معاشرہ کی کج رفتاری پر خاموش تماشائی بن کر زندگی بسر کرنا انہیں بالکل گوارا نہ تھا۔ اگر وہ ایسا نہ کرتے تو معاشرہ میں کوئی شخص ان کا محاسبہ کرنے والا نہ تھا اور نہ ہی انہیں کسی طرف سے کوئی لالچ تھا کہ انہیں انعام و اکرام سے نوازا جائے گا۔ بلکہ یہ راستہ تو سراسر ایذا رسانیوں اور مختلف قسم کی پریشانیوں سے بھرپور تھا اور انہوں نے اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر بھی اس فریضہ کی انجام دہی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ تو انہیں خراج تحسین ادا کرتے ہوئے کہنا پڑے گا کہ وہ دیگر مصلحین کے مقابلہ میں ایسی بلند منزل پر پہنچ گئے۔ جہاں بہت کم خوش نصیب جلوہ افگن ہو سکے ہیں۔

شیخ الاسلام کے سامنے دو راستے تھے۔ ایک یہ کہ وہ معاشرہ سے آنکھیں بند کر لیتے اور اس کے خلاف وہ کوئی آواز بلند نہ کرتے۔ کون نہیں جانتا کہ اس راستہ پہ چلنے کی صورت میں انہیں ہر قسم کا آرام میسر آتا اور انہیں عزت و توقیر کی نگاہوں سے دیکھا جاتا۔ لیکن ان کی غیرت ایمانی نے اس راستہ پر چلنے سے انکے دامن کو تھام لیا۔ دوسرا راستہ یہ تھا کہ وہ اللہ پاک کے خلاف باغیانہ سرگرمیوں کا

پوری جرأت سے نوٹس لیتے اور سرکش لوگوں کے خلاف آواز بلند کرتے، شرک و بدعت کے استیصال میں پامردی کے ساتھ مسلسل جنگ کرتے اور خود کو مصائب و تکالیف کے سپرد کر دیتے اور آرام کی زندگی کو خیرباد کہہ کر مقتل میں جولانیاں کرتے تو انہوں نے اپنی عاقبت سنوارتے اور خدائے وحدہ لاشریک کی رضا ڈھونڈنے کے پرفتن راستہ پر چلنے کو پسند فرمایا۔ اس لئے کہ مصلح انسانوں کا شروع سے ہی یہ شیوہ رہا ہے کہ وہ جادۂ حق پر گامزن رہتے ہیں۔ احوال کی نزاکت اور زمانے کی مصلحتیں اُن کے راستے میں رکاوٹ نہ بن سکیں اور وہ ہمیشہ امن و اطمینان اور آرام کی زندگی پر پُرآشوب اور آلام سے بھرپور زندگی کو ترجیح دیتے رہے۔

شیخ الاسلام مضبوطی کے ساتھ اس نظریہ پر قائم تھے کہ دعوت الی اللہ کے مبارک کام کو چھوڑنا تباہی و بربادی کے مترادف ہے وہ مندرجہ ذیل آیت کو بار بار دہراتے۔

ارشاد خداوندی ہے۔

وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَةِ وَاَحْسِنُوْا اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ [1]

اور خدا کی راہ میں (مال) خرچ کرو اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو اور نیکی کرو بے شک خدا نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

اعلاء کلمۃ اللہ کے راستوں میں جان کی قربانی سے بڑھ کر اور کونسی قربانی ہو سکتی ہے اور ایک مسلمان کے لئے جہاد کو چھوڑنے سے زیادہ اور کون سا عمل تباہی و بربادی کا باعث ہو سکتا ہے۔ شیخ الاسلام کا ایمان تھا کہ اللہ پاک کی راہ میں جان سپاری سے پس و پیش کرنا، موت کی ہولناکیوں سے گھبرا کر جہاد کو ترک کر دینا اور دعوتِ حق سے روگردانی کرنا ذلت و پستی کو بخوشی قبول کرنا ہے۔

شیخ الاسلام دشوار گزار گھاٹیوں کو بخوشی عبور کر رہے تھے اور خدائے پاک و

---

[1] البقرہ (۱۹۵)

برتر کی عظمت وہیبت کا سکہ لوگوں کے دلوں میں بٹھا رہے تھے اپنی اصلاح کے ساتھ ساتھ عوام کی اصلاح میں گرم جوشی کے ساتھ مصروف تھے اور اولوالعزمی ثابت قدمی کے ساتھ امر بالمعروف، نہی عن المنکر کے فریضہ کو سرانجام دے رہے تھے۔ شیخ الاسلام اللہ پاک سے فتح و نصرت کی دعا کرتے ہوئے آگے بڑھتے رہے اور تجدیدی مساعی میں منہمک رہے۔ تا آنکہ انہیں کامیابی حاصل ہوئی اور وہ تحریک کے اثرات کی دلفریب رعنائیوں سے محظوظ ہوئے۔ انصار السنۃ کی تنظیم کو دیکھ کر ان کے دل کی پنکھڑی کھل گئی اور کتاب و سنت کی حکومت کے قیام سے ان کی مسرتوں اور خوشیوں میں بے پناہ اضافہ ہوا۔

قابلِ فخر بات یہ ہے کہ آج دو صدیاں گزر جانے کے باوجود بھی ان کا لگایا ہوا پودا اسی طرح بار آور ہے جس طرح کہ ان کی زندگی میں وہ تر و تازہ اور بار آور تھا۔ شیخ الاسلام کی وفات کے بعد ان کے پیروکار تلامذہ اور ان کی اولاد نے اس مشعل کو زندہ رکھا جس کو انہوں نے روشن کیا تھا۔ شیخ الاسلام کے وارث بھی تحریک کی آبیاری میں اپنے پیشوا کی طرح نہایت مخلص ثابت ہوتے اور انہوں نے اسلام کو تازگی عطا کرنے کے لئے بھرپور جد و جہد کو جاری رکھا اور شرک و بدعت کے تمام گوشوں کو مسدود کرنے میں بلا خوف و خطر رواں دواں رہے۔

آج بھی شیخ الاسلام کی اولاد سے سعودی حکومت میں متقی پرہیزگار وزراء، امراء حکومت کے معاملات کو اسلام کی روشنی میں حل کر رہے ہیں وفقہم اللہ اور ائمہ دین دعوت الی اللہ کے میدان میں خداداد صلاحیتوں کو صرف فرما رہے ہیں۔ اور کتاب و سنت کی مخالفت کرنے والے انسانوں کو خواہ وہ عوام سے تعلق رکھتے ہوں یا حکومت کے نمائندگان سے ہوں بالکل معاف نہیں کرتے ان کی تمام حرکات پر گہری نظر رکھے ہوتے ہیں اور فوراً نوٹس لیتے ہیں انجح اللہ مساعیہم۔

شیخ الاسلام کے تجدیدی مساعی کی روشنی میں اب بھی پورے زور و شور سے کام ہو رہا ہے اور اشاعت اسلام میں کروڑوں روپیہ صرف کیا جا رہا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ شیخ الاسلام کی دعوت اسلام کی تحریک کو اللہ پاک نے تحفظ فرمایا اور جب اللہ پاک کسی تنظیم یا تحریک کو تحفظ عطا فرما دیتے ہیں تو اس کی کامیابی اس کا مقدر بن جاتی ہے اور کوئی طاقت اس کو ختم نہیں کر سکتی۔ اس کا باقی رہنا اور قائم دائم رہنا بہر صورت ضروری ہوتا ہے یُرِیدُونَ لِیُطْفِئُوا نُورَ اللّٰهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُورِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ۔

شیخ الاسلام کی علمی و ثقافتی سرگرمیاں

شیخ الاسلام کے علم و فضل سے ناواقف لوگ خیال رکھتے ہیں کہ وہ کچھ زیادہ عالم نہ تھے ان کا علم شیخ الاسلام ابن تیمیہ ابن القیم کے بعض خیالات کے جاننے تک محدود تھا لیکن ان کا خیال حقیقت کے بالکل برعکس ہے ان کی تالیفات، رسائل دیگر تدریسی تبلیغی خدمات کے جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ الاسلام متبحر عالم، روشن دماغ نادرۂ روزگار، ناقابل تسخیر فہم و فراست کے مالک تھے اور علم و فہم تجدیدی مساعی اور اصلاحی کاوشوں میں منہمک ہونے کے لحاظ سے ان کا شمار اکابر علماء میں ہوتا ہے بچپن میں ہی قرآن پاک حفظ کر لیا تھا زندگی بھر کتاب و سنت کا درس دیتے رہے علوم قرآنی میں انہیں خاص عبور تھا ناسخ منسوخ، عام خاص، اسرار و حکم، اسباب نزول اور دیگر محتویات قرآن پاک ان کا خاص موضوع تھا۔

قرآن پاک کی متعدد تفسیریں ان کے زیر مطالعہ رہتیں۔ اقرب الی الحق تفسیر کو ترجیح دیتے۔ باطنی نظریات کے دلدادہ صوفیاء کی تاویلات کو اوہام اور گمراہی قرار دیتے، علم حدیث میں صحیحین امہات کتب حدیث مستدرک اور مسند کتابوں پر گہری نظر رکھتے تھے اس لئے ان کا درس حدیث ممتاز حیثیت کا حامل ہوتا اور ان کی علمی شہرت جلالت علمی کا سورج عین نصف النہار پر جلوہ افروز رہتا اور ہزاروں کی تعداد میں روشنی کے طالب اس کی ضیاء پاشیوں سے مستفیذ ہو رہے تھے اور قرآن و سنت کی دولت سے اپنے دامنوں کو بھر رہے تھے۔

مذاہب اربعہ اور شیعہ مکتب فکر کی فقہ، استنباط، استدلال، اجتہادات سے پوری طرح واقفیت رکھتے تھے۔

علم کلام کے مسائل، اصطلاحات حادثہ کے خلاف عام طور پر لیکچر دیتے اور ان کی گمراہیوں الحاد آمیز مناقشوں کا پردہ چاک کر کے ان سے احتراز کی تلقین فرماتے اور لوگوں کو قائل کرنے کی کوشش کرتے کہ کتاب اللہ ہی چشمۂ ہدایت ہے اس میں تمام مسائل کلامیہ کا حل موجود ہے اور جس انداز سے قرآن پاک میں انکار کرنیوالے کے ساتھ گفتگو کی گئی ہے اسی انداز کو صحیح قرار دینے اور اس کے مطابق ان کو انکار سے باز رہنے کی کوشش فرماتے۔

شیخ الاسلام علم کلام کے نقطۂ نظر کی نزاعی ابحاث کو ناپسندیدہ قرار دیتے اس لئے کہ متکلمین نے یونانی منطق کے اصولوں پر جدلیاتی انداز کو صحیح سمجھا ہے حالانکہ مجادلات، منازعات میں دلائل اور ان کی رد میں قرآن پاک کا اسلوب ہمارے لئے روشنی کا مینار ہے اس سے صرف نظر کرنا کسی لحاظ سے بھی درست نہیں۔

یونانی منطق کے اصولوں کی بنیاد یہ نظریہ ہے کہ مخالف کو بہر صورت مغلوب کیا جائے اگر راہ صواب سے ہٹ کر کسی مغالطہ کی مدد سے دشمن پر غلبہ حاصل کیا جا سکتا ہے تو بھی اس سے احتراز نہ کیا جائے ظاہر ہے کہ یہ نظریہ قرآن پاک کی تعلیمات کی روشنی میں حق وصداقت کا آئینہ دار نہیں کہلا سکتا فریب زدگی اور دھوکہ بازی کی اس سے زیادہ صورت اور کون ہو سکتی ہے

شیخ الاسلام نے ایک مکتوب شیخ عبداللہ بن سحیم کی طرف ارسال کیا اس کے مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ توحید میں شیخ الاسلام کس بلند منصب پر فائز تھے اور علم کلام یونانی منطق کی اصطلاحات کے بارے ان کا نقطۂ نظر کیا تھا۔ شیخ الاسلام کا یہ مکتوب دراصل ابن سحیم کے مکتوب کے جواب میں ارسال کیا گیا جس میں اس نے شیخ الاسلام سے مویس کی طرف سے ارسال کردہ مکتوب کے بارے میں مزید صراحت کرنے کے لئے تحریر کیا تھا جو شیخ الاسلام اور اس کی تحریک کا مخالف تھا۔ مکتوب ملاحظہ کیجیے۔

شیخ عبداللہ بن سحیم کے نام خط

سلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، اما بعد آپ کا مکتوب موصول ہوا جس میں آپ نے موسیس کے ارسال کردہ مکتوب" اہل وشم کی طرف " کے مطالب معلوم کرنے کا مطالبہ کیا ہے۔ مختصراً سمجھ لیجئے کہ کسی ایماندار انسان کے لیے راہِ حق سے انحراف کرنا جائز نہیں۔ بہرصورت حق کو اختیار کرنا اور اس کے مطابق عمل کرنا لازمی امر ہے۔

مکتوب علمِ کلام کے تین اہم مسائل پر مشتمل ہے اولاً علم العقائد جس میں اسماء اور صفات کو زیرِ بحث لایا جاتا ہے۔ ثانیاً توحید اور شرک کے حقائق سے پردہ کشائی کی جاتی ہے ثالثاً دلائل کی روشنی میں اہل علم کی اقتدا کرنا۔ عقائد کا مسئلہ چونکہ بہت گہرا ہے اس لئے اس کو اچھی طرح سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

امام احمد بن حنبلؒ اور سلف صالحین کا مسلک

امام احمد بن حنبل اور سلف صالحین عقائد میں قال اللہ وقال الرسول کے الفاظ سے سرمو انحراف کو درست قرار نہ دیتے اللہ پاک اور اس کے رسول نے اللہ عزوجل کے لیے جن صفات کو ثابت فرمایا ہے ان کو ثابت ٹھہرایا جائے مثلاً اللہ پاک کا عرش پر مستوی ہونا، کلام کرنا، اترنا، بلند ہونا وغیرہ صفات کتاب وسنت میں ثابت ہیں اسلئے ہم بھی ان صفات کو ثابت اور صحیح سمجھتے ہیں اور جن صفات کو اللہ پاک اور اس کے رسول نے اللہ عزوجل سے منتفی فرمایا ہے ان کی نفی کی جائے مثلاً اللہ کا مثل، ند سمی وغیرہ شرعاً منتفی ہے ہم بھی اللہ پاک کی ذات کو ان سے منزہ قرار دیتے ہیں اور وہ صفات جن کے بارے اللہ تعالےٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نفیاً یا اثباتاً" کچھ مروی نہیں ہے ان کو ثابت کرنا یا ان کی نفی کرنا شرعاً درست نہیں ہے چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اللہ کی صفات کی بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں

فَهٰذِهِ الْاَلْفَاظُ لَا يُطْلَقُ اِثْبَاتٌ وَلَا نَفْيًا كَلَفْظِ الْجَوْهَرِ وَالْجِسْمِ وَالتَّحَيُّزِ وَالْجِهَةِ وَنَحْوَ ذَالِكَ مِنَ الْاَلْفَاظِ۔

جوہر، جسم، تحیز، جہت وغیرہ الفاظ کا اللہ کی ذات پر اطلاق کرنا یا نفی کرنا شرعاً جائز نہیں۔ ابن سریج توحید کی تشریح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں

وَاَمَّا تَوْحِيْدُ اَهْلِ الْبَاطِلِ فَهُوَ الْخَوْضُ فِي الْجَوَاهِرِ وَالْاَعْرَاضِ وَاِنَّمَا بُعِثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاِنْكَارِ ذَالِكَ

باطل نظریات رکھنے والے جوہر، عرض کی بحثوں میں الجھے رہتے ہیں حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی غرض وغایت ان ابحاث سے کنارہ کش رہنے پر مبنی ہے۔

متکلمین اور علم کلام کی مذمت میں سلف صالحین کا نقطہ نظر نہایت واضح اور مفصل ہے ائمہ سلف نے اہلِ بدعت کی موافقت کرنے سے ہمیشہ انکار کیا۔ جسم، جوہر، جز وغیرہ صفات کو زیر بحث لانے سے اجتناب کیا نہ ان صفات کے اثبات کو جائز سمجھا اور نہ ہی ان کی نفی فرمائی۔ اہل سنت کے نفی نہ کرنے سے ان صفات کو ثابت کرنا درست نہیں اور یہ خیال بھی بالکل باطل ہے کہ اہل سنت ان صفات کی نفی کرتے ہیں بلکہ اہل سنت کا واضح روشن موقف یہ ہے کہ ان صفات کے بارے میں سکوت اختیار کیا جائے اور ان صفات کو ثابت کرنے والے اور ان کی نفی کرنے والے دونوں اہلِ بدعت ہیں۔

جہمیہ معتزلہ کا مذہب

جہمیہ معتزلہ جسم وغیرہ صفات کی نفی کرتے ہیں اور غلطی سے مؤلف نے جہمیہ اور معتزلہ کا مذہب سلف صالحین کا مذہب قرار دے دیا ہے اور ہشام اور اس کے ساتھی ان صفات کو اللہ پاک کے لئے ثابت کرتے ہیں۔

ابوالوفاء ابن عقیل مسئلہ کی وضاحت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

إِنَّا أقطع أنَّ أبا بكرٍ وعمرَ ماتا ما عرفا الجوهرَ والعرضَ. فإن رأيت أنَّ طريقةَ آلِ عليّ الجبائي وأبي هاشم خيرٌ من طريقة أبي بكرٍ وعمرَ فبئسَ ما رأيت	مجھے یقین ہے کہ ابوبکرؓ عمرؓ زندگی بھر جوہر عرض کی حقیقت سے ناآشنا رہے اگر کوئی مسلمان ابوعلی جبائی اور ابوہاشم کے طریق کو بہتر قرار دیتا ہے تو اس کا یہ طریق کس قدر غلط ہے۔

محولہ بالا اقتباسات کی روشنی میں شیخ الاسلام متکلمین کے نظریہ کو اسلام کے خلاف قرار دیتے رہے اور بالغ نظری کے ساتھ انکی تردید فرماتے رہے۔

چنانچہ شیخ عبداللہ بن محمد عبداللطیف شیخ الاحسار کی طرف ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

يقولُ ابنُ عبدِ اللهِ أجمعَ أهلُ العلمِ في جميعِ الأعصارِ والأمصارِ. أنَّ أهلَ الكلامِ أهلُ بدعٍ وضلالاتٍ لا يُعدُّونَ عندَ الجميعِ من طبقاتِ العلماءِ۔	ابن عبداللہ کہتے ہیں ہر دور کے سبھی علماء کا اس بات پر اجماع رہا ہے۔ کہ متکلمین بدعتی گمراہ لوگ ہیں ان کو علماء کی فہرست میں شمار نہ کیا جائے۔

شیخ الاسلام اپنے مکتوب میں رقمطراز ہیں۔

أنا أدعوكَ إلى التفكيرِ في هذهِ المسئلةِ وذالكَ أنَّ السلفَ قد كثُرَ كلامُهم وتصانيفُهم وتفكرُهم ومن ذكرَ هذا من متأخري الشافعيّةِ البيهقيُّ والبغويُّ وإسماعيلُ التيميُّ ومن بعدَهم كالحافظِ الذهبيِّ وأمّا متقدّموهم كابنِ جريجٍ والدارقطنيِّ وغيرِهما فكلُّهم على هذا الأمرِ	میں تجھے اس مسئلہ پر غور و فکر کی دعوت دیتے ہوئے آگاہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ سلف صالحین نے اپنی تصنیفات میں اصول دین کو زیر بحث لاتے ہوئے متکلمین کے افکار و نظریات کو باطل قرار دیا ہے چنانچہ متاخرین شوافع سے امام بیہقی البغوی، اسماعیل التیمی ان کے بعد حافظ ذہبی اور متقدمین سے ابن جریج

فَتَّشْ فِيْ كُتُبِ هٰؤُلَاءِ فَاِنْ اُنَبِّئُنِيْ بِكَلِمَةٍ وَاحِدَةٍ اَوْ اَنَّ مِنْهُمْ رَجُلًا وَاحِدًا اَنْكَرَ عَلَى الْمُتَكَلِّمِيْنَ وَلَمْ يُنْكِرْهُمْ فَلَا تَقْبَلْ مِنِّيْ شَيْئًا اَبَدًا

دار قطنی وغیرہ تمام ائمہ اسی نظریہ پر قائم رہے۔ ان کی تصنیفات کی ورق گردانی کرنے کے بعد ان میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں نکلے گا جس میں متکلمین کی مساعی کو سراہا گیا ہو۔

بلکہ بخلاف اس کے ان کو کافر کہا گیا ہے اور ان کے افکار و نظریات کو غلط قرار دیا گیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ سلف صالحین متکلمین کے طریق کو بالکل پسند نہیں فرماتے تھے اگر سلف صالحین کی اتباع کی روشنی میں شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب ان سے بیزاری کا اظہار کر رہے ہیں تو یہ کچھ اچنبھے کی بات نہیں ہے۔

غور کیجئے ایک روز رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ صحابہ کرام تقدیر کے مسئلہ پر جھگڑا کر رہے ہیں تو آپ ناراضگی کے عالم میں وہاں پہنچے اور فرمایا :-

يَا قَوْمِ بِهٰذَا ضَلَّتِ الْاُمَمُ قَبْلَكُمْ بِاخْتِلَافِهِمْ عَلٰى اَنْبِيَاءِهِمْ وَضَرْبِهِمُ الْكِتَابَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ اِنَّ الْقُرْاٰنَ لَمْ يَنْزِلْ لِتَضْرِبُوْا بَعْضَهُ بِبَعْضٍ وَلٰكِنْ نَزَلَ الْقُرْاٰنُ فَصَدَّقَ بَعْضُهُ بَعْضًا مَا عَرَفْتُمْ مِنْهُ فَاعْمَلُوْا بِهٖ وَمَا تَشَابَهَ مِنْهُ فَاٰمِنُوْا بِهٖ

اے لوگو! تم سے پہلے لوگ اس لئے گمراہ ہوئے کہ انہوں نے انبیاء سے اختلاف کیا اور اللہ کی کتاب کے ایک حصہ کی تکذیب کے لئے دوسرے حصہ کو پیش کیا۔ یاد رکھو۔ قرآن پاک اس لئے نازل نہیں ہوا کہ تم اس کے کسی حصہ کو دوسرے حصے کی وجہ سے جھوٹا قرار دو۔

قرآن پاک کے نزول کا مقصد یہ ہے کہ اس کے بعض سے دوسرے بعض کی تصدیق ہو جائے قرآن پاک کے جن معانی کا علم ہو جائے اس کے مطابق عمل کرو اور جن معانی کا علم نہ ہو سکے اس کو متشابہ کی فہرست میں شامل کرتے ہوئے اس پر ایمان رکھو۔

حدیث شریف میں ہے:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ نَتَنَازَعُ فِی الْقَدَرِ فَغَضِبَ حَتّٰی احْمَرَّ وَجْهُہٗ ثُمَّ قَالَ اَبِهٰذَا اُمِرْتُمْ اَمْ بِهٰذَا اُرْسِلْتُ اِلَیْکُمْ اِنَّمَا هَلَکَ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ حِیْنَ تَنَازَعُوْا فِیْ هٰذَا الْاَمْرِ عَزَمْتُ عَلَیْکُمْ اَنْ لَا تَنَازَعُوْا

ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ ہم تقدیر کے مسئلہ میں جھگڑا کر رہے تھے ناراضگی سے آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اور فرمایا کیا تمہیں اس کا حکم دیا گیا ہے۔ یا مجھے اس مقصد کے پیش نظر بھیجا گیا ہے تم سے پہلی امتیں تقدیر میں جھگڑنے کی وجہ سے تباہ و برباد ہو گئیں رہیں تمہیں سختی کے ساتھ حکم دیتا ہوں کہ تقدیر میں جھگڑنا بند کر دو۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس قدر سختی کے ساتھ روکنا محض اس لئے تھا کہ مسلمانوں کو بے فائدہ بحث و تمحیص سے احتراز کرنا چاہیئے اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ عقائد میں اضمحلال رونما ہو گا مسلمانوں کی وحدت پارہ پارہ ہو جائے گی۔ اتحاد و اتفاق میں رخنہ اندازی راہ پا لے گی اور کھلے بندوں اللہ پاک کے احکام کی نافرمانی ہونے لگے گی بلکہ کفر الحاد کی تیز آندھیوں سے بچنا مشکل ہو جائے گا۔

شریعت مصطفویہ میں واضح ہدایات موجود ہیں کہ جو مسلمان یونانی فلسفہ سے متاثر ہو کر اس کو دین اسلام کے اصولوں کے ساتھ ہم آہنگ کرنے میں متکلمین کا روپ دھار کر میدان میں اُترے ہیں وہ بزعم خویش سمجھتے ہیں کہ وہ دین اسلام کی بہت بڑی خدمت کر رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ اسلام کے ساتھ دشمنی کر رہے ہیں۔

چنانچہ جلیل القدر صحابہ کرام ابو الدرداء، ابو امامہ، انس بن مالک، واثلہ بن اسقع بیان کرتے ہیں کہ ہم دین کے کسی مسئلہ پر بحث کر رہے تھے آپ نے ہمیں اس حالت میں دیکھا تو آپ اس قدر ناراض دکھائی دے رہے تھے کہ شاید کبھی اس سے پہلے آپ کو

اتنے غصہ میں نہیں دیکھا گیا۔ تہدید آمیز لہجہ میں فرمانے لگے۔ اے میری اُمت کے لوگو! تم اپنے آپ کو کیوں پریشانی میں ڈال رہے ہو کیا میری طرف سے اس قسم کی بحث و تمحیص کرنے کا حکم دیا گیا ہے؟ نہیں! بلکہ میں نے تو اس سے سختی کے ساتھ منع کیا ہے پہلی اُمتوں کی ہلاکت کا سبب یہی تھا۔ پس آپس میں لڑائی جھگڑے کی فضا کو پیدا کرنا کسی افادی حیثیت کا حامل نہیں بلکہ آپس کی دشمنی بے شمار فتنوں کے دروازوں کو وا کرتی ہے اور شکوک و شبہات کی خلیج اس قدر وسیع ہو جاتی ہے کہ اس کو پاٹنا مشکل ہو جاتا ہے کیا یہ حقیقت نہیں کہ اتحاد کے بغیر تمام مساعی اکارت جاتی ہیں مومن کی شان کے لائق ہی نہیں کہ وہ اتحاد کو بالائے طاق رکھتے ہوئے لڑنے جھگڑنے پر اتر آئے۔ یاد رکھیے مسلمانوں کے درمیان جنگ وجدال کا رونما ہونا ناقابل معافی جرم ہے اور رسول اللہ کی شفاعت سے وہ لوگ محروم رہیں گے جو اتحاد و اتفاق کی فضا قائم کرنے کی کوشش نہیں کرتے اور باہمی انتشار کو تقویت دینے کے لئے سرگرداں رہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ جو مسلمان لڑائی جھگڑے کو ترک کر دیتا ہے اس کے لئے ضمانت دی گئی ہے کہ وہ قیامت کے روز جنت میں تین کوٹھیوں کا مستحق ہوگا ایک باغیچہ کے وسط میں دوسری جنت کے درمیان میں اور تیسری کوٹھی بہت اُونچائی میں واقع ہوگی۔

اُمّتِ مسلمہ میں افتراق

سمجھ لیجئے کہ غیر اللہ کی عبادت اور شراب سے ممانعت کے بعد اس سے باز رہنے پر زور دیا گیا ہے اس لئے لڑنے جھگڑنے سے باز آجاؤ تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ بنی اسرائیل کے آپس کے اختلاف نے ان کو اکہتر فرقوں میں تقسیم کر دیا اور عیسائی بہتّر فرقوں میں منقسم ہو گئے اور میری اُمت تہتّر فرقوں میں بٹ جائے گی ان میں سے صرف وہ لوگ جنت کے مستحق ٹھیریں گے جو میری سنت اور صحابہ کرام کے تعامل پر چلتے رہیں گے۔ نیز آپ نے فرمایا اسلام کے آغاز میں اس کا تعاون

غربائنے کیا اور بالآخر بھی غربا ہی اسلام کے دامن سے چمٹے رہیں گے پس غربا ر مبارکباد ی کے مستحق ہیں۔ صحابہ کرام نے سوال کیا۔ اے اللہ کے رسول غربا لوگ کون ہیں۔ آپ نے فرمایا غربا وہ لوگ ہوتے ہیں جو اس وقت بھی اصلاحی مساعی کو برقرار رکھتے ہیں اور دین اسلام میں جنگ وجدال کو جائز نہیں سمجھتے جب کہ عام لوگ فتنہ وفساد جنگ وجدال کی لپیٹ میں گرفتار دکھائی دیتے ہیں ۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فصیح وبلیغ خطبہ اس بات کا اعلان کر رہا ہے کہ جو لوگ دین اسلام میں داخل ہونے کے بعد بھی آپس میں لڑنا جھگڑنا نہیں چھوڑتے وہ اللہ پاک اور اس کے رسول اکرم کے غیظ وغضب کو دعوت دے رہے ہیں۔ مومن کی شان تو یہ ہے کہ وہ جھگڑوں جھمیلوں سے کنارہ کش رہے اور دین اسلام کو جھگڑے کا موضوع نہ بنائے وگرنہ خطرہ ہے کہیں اعمال رائیگاں نہ چلے جائیں اور اللہ پاک اور اس کے رسول اکرم کی ناراضگی اس کو شیطان کے دام تزویر میں نہ پھنسا دے ۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک مسلمانوں میں کوئی رخنہ موجود نہ تھا۔ تمام مسلمان اتحاد واتفاق کی فضا میں سانس لے رہے تھے عقیدوں میں مکمل ہم آہنگی موجود تھی، کتاب اللہ، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تشبث اور مکمل وابستگی تھی۔ حجۃ الوداع کے تاریخی خطبہ کے نتیجہ میں صحابہ کرام جس وحدت میں منسلک ہو چکے تھے اس کو برقرار رکھنے کے لئے منفرد رہبر کوشاں تھے اور وہ اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ جب تک مسلمان کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے ساتھ اعتصام برقرار رکھیں گے گمراہی ان کے قریب بھی نہیں آئے گی ۔

خلافت صدیقی میں اختلاف صحابہ

عملاً کتاب وسنت کے مطابق زندگی گزار رہے تھے اور جب خلافت کے موضوع پر مہاجرین اور انصار میں اختلاف رائے رونما ہوا تو بالآخر اختلاف کے بادل چھٹ

گئے اور فضا صاف ہو گئی اسی طرح دیگر اختلافات کا تصفیہ بھی کتاب وسنت کی روشنی میں کیا جاتا خلافت صدیقی میں اُمت مسلمہ عقائد کے لحاظ سے جادۂ مستقیم پر گامزن رہی۔ ہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ غلط فہمی کی بنا پر مرتدین اور مانعین زکوٰۃ کے ساتھ جنگ جاری رکھنے کے بارے جب معترض ہوئے اور کہا کہ شرعاً آپ کو ان کے ساتھ جنگ کرنے کا حق کیسے حاصل ہو سکتا ہے ؛ جبکہ ارشاد مصطفوی ہے کہ کفار کے ساتھ جنگ کرنے کی اجازت ہے لیکن جب وہ زبان سے لا الٰہ الا اللہ کا اعتراف کر لیتے ہیں تو ان کے مال اور خون کو تحفظ حاصل ہو جاتا ہے۔ حضرت عمر کی یہ بات سن کر حضرت ابوبکر صدیق برافروختہ ہو جاتے ہیں۔ اور تند و تیز لہجہ میں مخاطب ہوتے ہیں کہ ارشادِ مصطفوی میں اس حکم کے بعد کہا گیا ہے کہ مسلمانوں کے خون مال کے تحفظ کیلئے کلمہ شہادت پڑھنے کا تقاضا یہ ہونا چاہیئے کہ اقامت نماز، ادائیگی زکوٰۃ پر عمل پیرا ہوں پس اگر لوگ مجھے اونٹ کے گھٹنے باندھنے کی رسی دینے سے بھی انکار کریں گے حالانکہ وہ عہد رسالت میں دیتے رہے ہیں تو پھر بھی میں ان سے اعلان جنگ کروں گا۔ حضرت عمر اور ان کی رائے کے ساتھ اتفاق کرنے والے لوگ حضرت ابوبکر کے جواب سے بالکل مطمئن ہو گئے اس لئے کہ وہ لوگ اپنے تمام تنازعات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی روشنی میں حل فرمانے کی سعی کرتے اور اتحاد کو قائم دائم رکھنے کے لئے ایک جھنڈے کے نیچے جمع رہتے۔ کتاب وسنت کے احکامات کے بجالانے میں مستعد رہتے آپ کی زندگی کو اپنے جملہ معاملات میں اسوہ حسنہ قرار دیتے ہوئے اس کے مطابق عمل پیرا ہونے کے لئے کوشاں رہتے اور کتاب وسنت کے صراط مستقیم سے ہٹ کر نئی راہوں پر چلنے سے گریز کرتے اس لحاظ سے عہدِ صدیقی خیر و برکت کا مجموعہ تھا وہ عہد رسالت کے ساتھ ہر لحاظ سے ہم آہنگ تھا امن و اطمینان کا دور دورہ تھا کتاب وسنت کو بالادستی حاصل تھی ان کی رحلت فرمانے کے بعد عہد فاروقی میں کثیر فتوحات حاصل ہوئیں اور اسلام کی شعاؤں سے دور دراز کے ممالک بھی مستنیر ہوئے بایں ہمہ عقائد میں استحکام جلوہ فرما رہا اور کوئی ایسا قابل ذکر حادثہ رونما نہ ہوا جو عقائد

کی مضبوط عمارت میں تزلزل کے لئے راستہ ہموار کرنے کی قوت سے متصف ہوتا عہدِ رسالت، عہدِ صدیقی کے نقشِ قدم پر چلنے کی ترغیب و تحریص کا بازار گرم رہا اور کوئی مخالف قوت سربرآوردگی کے ساتھ مقابلہ میں نہ آئی۔

خلافت فاروقی کا دور

بلاشبہ عہدِ فاروقی کا دور خلافت جاہ و جلال حشمت و ہیبت کا دور تھا، روم فارس کی سلطنتیں اسلامی افواج کے سامنے سرنگوں ہو چکی تھیں۔ لیکن تسلط و قہرمانی کی فرمانروائی کا شائبہ تک موجود نہ تھا اسلام کے پیغام کو دلنشیں انداز میں پہنچایا جا رہا تھا ارشاد و ہدایت کے لئے مجلسوں کا انعقاد ہو رہا تھا اور دائرہ اسلام میں داخل ہونے والے خوش نصیب لوگوں کو خوشخبری دی جا رہی تھی کہ اسلام لانے کے بعد آپ کو اسلامی خلافت میں وہی حقوق حاصل ہوں گے جو کہ اسلامی سٹیٹ کے سربراہ کو حاصل ہیں۔
ہاں اسلام میں صرف وہ انسان زیادہ اکرام و اجلال کا مستحق ہے جو تقویٰ پرہیزگاری میں اونچے مقام پر فائز ہے پس اگر نچلے طبقہ کے غلاموں وغیرہ میں تقویٰ کی صفت آزاد لوگوں سے زیادہ ہوگی تو ان کو ان پر تفوق اور امتیاز حاصل ہوگا۔ عہدِ فاروقی اسلام کا درخشندہ دور ہے اس دور میں مختلف افکار و نظریات رکھنے والے لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے دور دراز ممالک کے مختلف ثقافتوں اور زبانوں کے حامل انسان اسلام کی ملک میں منسلک ہوئے اور کچھ لوگ بادلِ نخواستہ بھی اسلام میں آئے اور انہوں نے اسلام کی تعلیمات میں اپنے قدیم نظریات و افکار کو پیوندکاری کر کے اسلام کی صحیح خد و خال کو مشکوک بنانے کی کوششیں بھی ہیں۔ لیکن ایمان و ایقان کی نعمت سے بہرہ ور علماء فقہاء نے ان کی ناپاک مساعی کو ملیٹ کر کے رکھ دیا اور اسلام کے چہرے کو مسخ کرنے والے انسانوں کی چیرہ دستیوں سے تحفظ دیتے ہوئے اسلام کے پرچار میں ہمہ تن مصروف رہے۔
دیگر مذاہب سے دائرہ اسلام میں آنے والے علماء اور دانشور چاہتے تھے کہ وہ اپنے

نظریات وافکار کو اسلامی تعلیمات میں اس طرح سمو دیں کہ امتیاز ختم ہو جائے اور وہ اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ ہماری یہ کوششیں رائیگاں نہیں جا سکتیں اور ایسے لوگ بہر حال دام تزویر میں آسکتے ہیں جو ہمارے خیالات سے مکمل طور پر ہم آہنگ ہوں لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک ایسے بہترین معاشرہ کو تشکیل دیا تھا کہ اس کے مضبوط قلعہ میں کسی کے لئے گھسنے کی بالکل گنجائش نہ تھی۔ اسلامی اجتماع کی موجودگی میں اس کی مخالفت سے روکنے والے اور اس پر کڑی نگاہ رکھنے والے جلیل القدر صحابہ کرام موجود تھے اور خصوصیت کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کی کڑی نگرانی کے فرائض خود سرانجام دے رہے تھے تاکہ غیر اسلامی نظریہ اسلام میں داخل نہ ہونے پائے۔ عبداللہ بن عمر بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایسے انسان کو ملعون قرار دیتے جو نا ممکن الوقوع مسائل کے بارے سوال کرتے۔

عمر بن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ اکثر صحابہ کرام سیرت کے لحاظ سے بالکل سادہ طبیعت کے مالک تھے تکلفات کے قریب ہونا بھی پسند نہیں کرتے تھے وہ لایعنی مسائل میں غور وخوض سے احتیاط برتتے تھے چنانچہ الٰہیات کے مسائل میں بحث کرنے والوں سے کنارہ کش رہتے اور خود بھی ان میں دلچسپی لینے سے اپنے دامن کو محفوظ رکھنے کی کوشش کرتے ماوراء العقل، ما فوق الطبیعیات مسائل سے کچھ دلچسپی نہ رکھتے یہی وجہ ہے کہ وہ عقائد اسلامی میں محفوظ و مصئون رہے۔ اور کسی قسم کا نقص رونما نہ ہوا اور ان کی اقتدا کرنے والے لوگ بھی نصوص آیات کی روشنی میں چلتے رہے۔ اور قرآن پاک کے علاوہ کسی بھی کتاب کو اس قابل نہ سمجھا کہ اس سے ہدایت حاصل کی جائے۔

البتہ اسلامی فتوحات کی وسعتوں نے بعض ایسے فلاسفروں کو ضرور جنم دیا جنہوں نے مسلمانوں میں علاقائی ثقافتوں اور فنون کو رواج دینے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی انہوں نے اسلام کے واضح نقوش میں غیر مناسب اوہام کو مدغم کر کے اسلام کے اصلی خدوخال کو اوجھل کرنے کی کوششیں کیں۔

وجہ یہ تھی کہ کتاب وسنت کے ساتھ تمسک اختیار کرنے والے علماء فقہاء میں

ان کے مقابلہ کی طاقت نہ تھی غیر اسلامی ثقافت کا پرچار کرنے والوں کا سیلاب امڈا ہوا تھا اور اس کے روکنے کے لئے جن تدابیر کو عملی جامہ پہنانا ضروری تھا اس کی طرف توجہات ناپید تھیں۔ چنانچہ مسلمانوں کی کثیر تعداد غیر اسلامی ثقافت سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی، حالانکہ رسالت مآب نے غیر اسلامی تہذیب و ثقافت کے اختیار کرنے میں انہیں سختی کے ساتھ منع فرمایا ان کا فرض تھا کہ وہ ان ہدایات کی روشنی میں اپنا تحفظ کرتے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسئلہ تقدیر میں منازعت کرنے سے منع فرمایا صحابہ کرام نے تقدیر کے مسئلہ کو مبحث بنانے سے گریز کیا کتاب وسنت کے تحفظ کے لئے کوشاں رہے۔ کتاب وسنت میں جن مسائل کو زیر بحث لانے سے خاموشی اختیار کی گئی صحابہ کرام بھی خاموش رہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ شدت کے ساتھ لوگوں کو منع کرتے کہ جن مسائل کو کتاب الہیہ میں زیر بحث نہیں لایا گیا ان میں اُلجھنے اور بحث کرنے کی ضرورت نہیں۔

عہدِ فاروقی کا ایک واقعہ

حضرت عمر کے پاس ایک چور لایا گیا آپ نے اس سے سوال کیا تم نے چوری کیوں کی۔
اس نے تقدیر کا سہارا لیتے ہوئے کہا۔ اللہ پاک نے میری تقدیر میں یوں ہی لکھا تھا۔
حضرت عمر نے چوری کے جرم میں اس کے ہاتھ کو قطع کرنے کا حکم دیا اور تقدیر کا سہارا لینے کی وجہ سے اس کو کوڑے لگانے کا حکم دیا کہ اس نے اللہ کی طرف جھوٹ کو منسوب کیا۔

دوسرا واقعہ

صبیغ بن عسل نے متشابہ آیات کے متعلق اہانت آمیز انداز اختیار کیا۔
حضرت عمر کے پاس لایا گیا آپ نے اس کے بارے کھجور کی چھڑیوں سے مارنے

کا حکم دیا اور اس وقت تک اس کو مارا جاتا رہا۔ جب تک کہ اس نے اپنے غلط نظریہ سے معذرت نہ کر لی اور اس کا ذہن صاف نہ ہو گیا۔

صحابہ کا موقف

متکلمین کے بارے میں صحابہ کرام کا موقف سخت مضبوط رہا چنانچہ جب معبد جھنی غیلان ثقفی، جعد بن درہم نے مسئلہ تقدیر کو اچھالنے کی کوشش کی اور قیاس آرائیوں کے ساتھ مسئلہ کی پوزیشن کو مختل کرنا چاہا تو عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، جابر بن عبداللہ، ابوہریرہ، انس بن مالک، عبداللہ بن ابی اوفیٰ، عقبہ بن عامر جھنی وغیرہ صحابہ کرام نے انکی مخالفت کی اور لوگوں کو ان سے دور رہنے کا حکم دیتے رہے بلکہ اعلان فرمایا کہ کسی مسلمان کے لئے درست نہیں کہ ان کو سلام کہے، ان کی بیمار پرسی کرے اور ان کے جنازے میں شمولیت اختیار کرے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ مسلم بن یسار مسجد نبوی میں ایک ستون کے پاس تشریف فرما ہوتے اور مسلمان کو متکلمین سے دور رہنے کی نصیحت فرماتے رہتے اور بر ملا اظہار کرتے کہ معبد جھنی کی باتیں عیسائیوں کی طرح ہیں۔

علامہ احمد طاش کبریٰ زادہ کا ریمارک

مفتاح السعادہ ج ۲ ص ۱۹۔۲۶ پر علامہ طاش کبریٰ زادہ متوفی ۹۶۲ھ متکلمین اور علم کلم پر ریمارک کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"علم کلام وہ علم ہے جس میں عقائد دینیہ کے اثبات میں دلائل پیش کیے جاتے ہیں اور شبہات کا ازالہ کیا جاتا ہے۔ متقدمین کے نزدیک اس کا موضوع اللہ پاک کی ذات اور اس کی صفات کو زیر بحث لانا ہے۔

علم کلام اور الٰہیات میں نمایاں فرق موجود ہے کہ الٰہیات میں موجود مطلق کو عقلیات اور عقلیات کے لحاظ سے زیر بحث لایا جاتا ہے جب کہ علم کلام کا موضوع

وہ معلومات ہیں جن کے ذریعے عقائد دینیہ کا اثبات کیا جاتا ہے گویا کہ شرعی اُمور کی تائید میں عقلی دلائل پیش کئے جاتے لیکن نفس الامر میں واقفیت ہونا ضروری نہیں ہے اسی لیے معتزلہ کے عقائد چونکہ نفس الامر میں کتاب وسنت کے ساتھ ہم آہنگ نہیں ہیں تو انہیں علم کلام کی لسٹ میں شمار کیا جاتا ہے ۔

معلوم ہوا کہ علم کلام کے مسائل اگر کتاب وسنّت کے مطابق ہیں تو ان کو علوم شرعیہ میں شمار کیا جائے گا اور کچھ مسائل علم کلام میں ذکر کیے جاتے ہیں لیکن بظاہر ان کی مناسبت علم کلام سے نہیں ہوتی ان کے بارے میں سمجھ لیجئے کہ وہ مسائل من حیث المسائل شرعی ہیں اور من حیث الدلائل غیر شرعی ہیں لیکن بہرکیف سلف صالحین فقہا اور مجتہدین ہمیشہ علم کلام سے بیزاری کا اظہار کرتے رہے بلکہ اس دور کے بعض فقہا بھی علم کلام سے شغولیت رکھنے والے علماء کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے رہے اور دلائل کی روشنی میں ان سے اختلاف رکھتے رہے چنانچہ ائمہ اربعہ کے اقوال پیش کئے جاتے ہیں ۔

امام ابوحنیفہؒ کا واقعہ

امام ابوحنیفہ کے بیٹے حماد علم کلام میں دلچسپی رکھتے تھے امام ابوحنیفہؒ نے منع کیا تو اس نے جواب دیا کہ آپ بھی تو اس میں دلچسپی رکھتے ہیں مگر مجھے منع کر رہے ہیں اس کے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے امام صاحب نے فرمایا کہ بلاشبہ ہم بھی علم کلام میں شغولیت رکھتے ہیں لیکن ہم سخت محتاط رہتے ہیں کہ کوئی شخص جادہ مستقیم سے نہ ہٹنے پائے لیکن علم کلام میں تمہاری دلچسپیوں کا منتہائے نظر ہی یہ ہوتا ہے کہ اس سے کسی نہ کسی کا پاؤں ضرور پھسل جائے اور وہ کافر بن جائے اور جو شخص اس لئے کسی مسئلہ میں دلچسپی لیتا ہے تاکہ کوئی نہ کوئی ضرور کافر ہو جائے تو وہ انسان اس کے کافر ہونے سے پہلے کافر ہو جاتا ہے ۔

فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے علماء کی ایک جماعت علم کلام میں شغولیت کو ناپسندیدگی

کی نگاہوں سے دیکھتی ہے اس لئے کہ مناظرہ بازی بے شمار فتنوں اور بدعات کو جنم دیتی ہے اور عقائد کی عمارت کو منہدم کر دیتی ہے۔

امام ابویوسف سے مروی ہے کہ متکلمین کی اقتدا میں نماز ادا کرنا جائز نہیں ہے اگرچہ ان کی باتیں درست ہی کیوں نہ ہوں اس لئے کہ وہ بدعتی ہیں اور بدعتی کے پیچھے نماز جائز نہیں۔

امام مالکؒ کا قول

امام مالکؒ نے ان لوگوں کو اہل بدعت اور نفس پرست قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ ان کی شہادت معتبر نہیں اس قول کی تشریح میں ان کے شاگردوں سے منقول ہے کہ نفس پرست لوگوں سے مراد متکلمین ہیں خواہ وہ کسی بھی فقہی مسلک کے حامل کیوں نہ ہوں۔

امام شافعیؒ کا قول

امام شافعیؒ سے منقول ہے۔ فرماتے ہیں اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ علم کلام میں کس قدر نفس پرستی اور خواہشات کی آبیاری موجود ہے تو جس طرح لوگ شیر سے بھاگتے ہیں اسی طرح علم کلام اور متکلمین سے دور بھاگ جائیں نیز ان کا قول ہے کہ متکلمین کے متعلق میرا فیصلہ یہ ہے کہ ان پر ڈنڈے برسائے جائیں اور انہیں بازاروں گلیوں میں گھمایا جائے اور اعلان کیا جائے کہ جو شخص سنت کو چھوڑ کر علم کلام کو اختیار کرتا ہے، وہ ایسی ہی سزا کا مستحق ہوتا ہے نیز فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص اسم کو مسمیٰ یا اس کا غیر قرار دیتا ہے تو یقین کر لیجئے کہ وہ انسان متکلمین کے گروہ سے ہے اور اس میں دینداری کا شائبہ تک موجود نہیں نیز ان سے منقول ہے کہ میں نے متکلمین سے بعض ایسی معلومات کو پایا جن کے متعلق کبھی میں نے بدگمان بھی نہیں کیا تھا اور اگر کوئی انسان شرک کے علاوہ تمام منہیات کا ارتکاب کرتا ہے تو وہ انسان اس سے بدرجہا بہتر ہے جو علم کلام میں دلچسپی رکھتا ہے۔

امام احمدؒ کا قول

امام احمدؒ فرماتے ہیں علم کلام میں مشغولیت رکھنے والا کبھی نجات نہیں پا سکتا سمجھ لیجئے کہ علم کلام سے مزاولت رکھنے والا انسان بیمار دل کا مالک ہے علم کلام کو مذموم گردانتے ہوئے حارث محاسبی سے تعلقات کا انقطاع کر لیا تھا۔ حالانکہ اس کا زہد و ورع کا عام چرچا تھا اس لئے کہ اس نے جب اہل بدعت کے رد میں کتاب تحریر کی تو ان کے رد سے پہلے بدعات کے اثبات اور اہل بدعت کے کلامی افکار ذکر کرنے سے گویا اہل بدعت کے لئے بحث مباحثہ کے لئے مواد فراہم کیا اور متکلمین کو نظریاتی میدان میں قوت نصیب ہوئی اور میری دانست میں متکلمین زندیق ملحد لوگ ہیں۔

مفتاح السعادۃ کے مؤلف نے مشہور ائمہ کے اقوال نقل کر کے ثابت کرنا چاہا ہے کہ ان ائمہ کا منتہائے نظر کتاب و سنت کے ساتھ تمسک اختیار کرنا اور سلف صالحین کے طریق کو اپنانا جدلیات، مباحثات نیز اللہ پاک کی ذات اور صفات کے متعلق فلسفیانہ کج بحثوں سے احتراز کرنا تھا وہ نہیں چاہتے تھے کہ کتاب و سنت کو فلسفہ و متکلمین کی آراء کے تابع کیا جائے اسی لئے ان کے ریمارکس متکلمین کے خلاف شدید نوعیت کے تھے وہ خوب سمجھتے تھے کہ متکلمین کے دل و دماغ میں یونانی فلاسفروں کی عظمت خیمہ زن ہے اور کون نہیں جانتا کہ یونانی فلسفہ میں وثنیت کا عام چرچا رہے پس متکلمین کا ان سے متاثر ہونا ضروری تھا۔ ائمہ کرام نے جب انکی سرگرمیوں کا جائزہ لیا اور ان کے اجتہادات کا کتاب و سنت کے اصولوں کے ساتھ موازنہ کیا تو وہ اس بات کے کہنے سے رک نہ سکے کہ ان حالات میں ہمارا فرض ہے کہ دین اسلام کو منطقی استدلالات، فلاسفہ کے الجھاؤ سے پاک صاف رکھا جائے اور لوگوں کو بتایا جائے کہ قرآن پاک کچھ مشکل کتاب نہیں ہے نہ اس کے مسائل میں غموض موجود ہے اور نہ ہی اس کے دلائل عوام کے فہم و فراست

سے بالاتر ہیں بلکہ دین اسلام کو سمجھنا آسان ہے لیکن فلسفہ زدہ اہل علم جب علم کلام کی دقیق بحثوں میں اُلجھ گئے تو باوجود علم و معرفت کے وہ جادۂ مستقیم سے ہٹ گئے اور گمراہی نے ان کے دامن کو تھام لیا معتزلہ نے جب عقل کو معیار قرار دیا تو وہ اہل سنت سے الگ ہو گئے اور گمراہی کے عمیق گڑھے میں گر پڑے۔

متکلمین شیخ الاسلام کی نظر میں

شیخ الاسلام نے سلف صالحین کے طریق پر چلتے ہوئے متکلمین کو بدعتیوں کی فہرست میں شمار کیا اور ان پر تابڑ توڑ حملے شروع کر دیئے۔

شیخ الاسلام کے سامنے اسلامی فرقوں، متکلمین، اہل تشیع تمام مکاتب فکر کی کتابیں موجود تھیں ان کے مابین مباحثات و مناقشات کی دستاویزات بھی موجود تھیں وہ جانتے تھے کہ ان لوگوں کی فضول بحثوں کی وجہ سے اسلام کو کس قدر مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔

شیخ الاسلام اپنے دور میں اس قسم کے اہل بدعت متکلمین کو کتاب و سنت کی طرف واپس لوٹنے کا سبق دیتے رہے اور طریق محمدی پر گامزن رہنے کا وعظ فرماتے رہے سوفسطائیت جدلیت کے خلاف برسرپیکار رہے اور اعلان کیا کہ متکلمین تارکین سنت ہیں ماموارت کی مخالفت اور منہیات کا ارتکاب ان کا شیوہ ہے اور حق کو چھوڑ کر باطل کے پیچھے دوڑ رہے ہیں۔

شیخ الاسلام کا انداز تکلم نہایت سادہ مدلل اور واضح تھا وہ بلا تکلف اپنے خیالات کا برملا اظہار کرتے اور مبہم کلام کرنے سے کنارہ کش رہتے، شیخ الاسلام صحیح العقیدہ پختہ قسم کے مسلمان تھے لیکن مخالفین نے ان کے خلاف طعن و تشنیع کا بازار گرم رکھا انہیں خارج از اسلام قرار دیا اور چونکہ اس نے نیا مذہب نکال لیا ہے لہٰذا وہ مسلمانوں کی جماعت سے خارج ہو چکا ہے۔

لیکن مخالفین کے یہ سب اعتراضات باطل تھے حقیقت کے بالکل خلاف تھے

شیخ الاسلام نے اپنا مذہب واضح الفاظ میں پیش کر دیا تھا ان کی تحریر کردہ کتاب اور رسائل ان کے نقطہ نظر اور اعتقادات کی زندہ و تابندہ مثال موجود تھی جس سے مخالفین کی تہمت طرازیوں اور شبہات کا آسانی سے ازالہ ہو سکتا تھا شیخ الاسلام کے خلاف کیچڑ اچھالتے ہوئے انہیں بدعتی کافر کہا گیا اور اس بات کی تشہیر کی گئی کہ اس انسان کی اس سے زیادہ دیدہ دلیری اور کیا ہو سکتی ہے کہ یہ اپنے متبعین کے علاوہ تمام اُمت مسلمہ کو کافر کہتا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے سے منع کرتا ہے۔ دلائل الخیرات کے جلانے کا حکم دیتا ہے اُمت مسلمہ کے خلاف علم جہاد بلند کئے ہوئے ہے۔ شیخ الاسلام اپنے خلاف عائد کردہ الزامات کا جواب تسلی بخش دیتے رہے اور اپنے معتقدات و نظریات کا بار بار اعادہ کرتے رہے چنانچہ ان کا وہ مکتوب جو علامہ عراقی عبدالرحمان سویدی کے جواب میں تحریر کیا گیا اس کے چیدہ چیدہ مندرجات سن لیجئے۔

شیخ الاسلام نے تحریر کیا الحمدللہ میں سنت کا پیروکار ہوں بدعات سے دور بھاگتا ہوں اہل سنت والجماعت کے عقائد و نظریات پر کاربند رہنے کو اپنے لئے سعادت تصوّر کرتا ہوں ائمہ اربعہ اور ان کے متبعین کے طریق پر چلنے میں ہی نجاتِ اخروی کا قائل ہوں۔

شیخ الاسلام نے زوردار لفظوں میں فرمایا کس قدر تعجب انگیز بات ہے کہ میں اپنے پیروکاروں کے علاوہ سبھی کو کافر کہوں اور ان کے نکاحوں کو غیر صحیح قرار دوں۔ خود ہی سوچئے کیا کوئی عقلمند انسان اس قسم کی باتیں کر سکتا ہے۔ کس قدر گھٹیا الزام ہے کہ اگر میرے بس میں ہو تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر سے گنبد کو منہدم کر دوں کیا کسی مسلمان انسان کی زبان سے اس قسم کے بیہودہ کلمات نکل سکتے ہیں؟

ہاں دلائل الخیرات کے متعلق میں نے اپنے رفقاء سے اس قدر ضرور کہا ہے کہ ان کے دلوں میں دلائل الخیرات کی محبت کتاب اللہ کی محبت پر غالب نہیں

ہونی چاہیے کتاب اللہ کی تلاوت میں وہ انہماک موجود نہ ہو جو جذب و مستی دلائل الخیرات کی تلاوت میں موجود ہو تو یہ اندھی عقیدت یقیناً اس قابل ہے کہ اس کے خلاف آواز اٹھائی جائے لیکن اس کے جلانے کے متعلق مجھ پہ الزام عائد کرنا یا آپ کو درود پاک بھیجنے سے منع کرنا یہ سب مجھ پر اتہامات ہیں البتہ میرے متعلق یہ پرچار کرنا (کہ میں توحید کی طرف دعوت دیتا ہوں اور شرک کے خلاف آواز بلند کرتا ہوں) بالکل صحیح ہے اور اس انسان کو کافر سمجھتا ہوں جو دین محمدی کی حقانیت معلوم کرنے کے بعد اس کے خلاف زبان دراز کرتا ہے اور لوگوں کو دین اسلام کے طریق سے منحرف کرنے کی کوششیں کرتا ہے اگرچہ بحمداللہ ایسے انسان اُمت محمدیہ میں قلیل تعداد میں پائے جاتے ہیں اور اس کے خلاف جنگ کرنے کو جہاد سمجھتا ہوں جو محرمات شرعیہ کو نہیں مانتا اور امت مسلمہ کے خون کی حرمت کا قائل نہیں ارشادِ خداوندی جَزٰٓؤُا سَیِّئَۃٍ سَیِّئَۃٌ مِّثْلُھَا کا مفہوم اس کے ساتھ جنگ کرنے کو مباح قرار دینا ہے شیخ الاسلام نے ایک مکتوب شیخ عبداللہ بن سحیم کی طرف ارسال کیا جس میں مخالفین کے باطل مزعومات کی تردید کرتے ہوئے تحریر کیا۔

میرے متعلق یہ کہنا (کہ میں مذاہب اربعہ کی کتابوں کو فرسودہ سمجھتا ہوں اور تقلید سے بیزاری کا اظہار کرتا ہوں حجرہ عائشہ جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدفون ہیں اس کو گرانا چاہتا ہوں قبراطہر کی زیارت کا منکر ہوں والدین کی قبروں کی زیارت کرنے سے انکار کرتا ہوں غیر اللہ کی قسم اٹھانے والوں کو کافر سمجھتا ہوں) بالکل غلط ہے ان اتہامات کے جواب میں میری زبان سے صرف یہ کلمہ نکل سکتا ہے۔ سبحانک

ھٰذا بہتان عظیم

یہ لوگ جو میرے خلاف زبانِ طعن دراز کر رہے ہیں اور افترا پردازی میں منہمک ہیں ان لوگوں کی مانند ہیں جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پہ بہتان لگاتے ہوئے کہہ دیا کہ یہ انسان عیسیٰ بن مریم و دیگر صالحین کو برا بھلا کہتا ہے نیز فرشتوں، عیسیٰ علیہ السلام اور عزیر علیہ السلام کے متعلق نظریہ رکھتا ہے کہ وہ جہنم میں جائیں گے۔ حالانکہ اس کی

نفی فرماتے ہوئے اللہ پاک فرماتے ہیں ۔

إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُم مِّنَّا الْحُسْنَىٰ أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ ؎

جن لوگوں کے لئے ہماری طرف سے پہلے بھلائی مقرر ہو چکی ہے وہ اس سے دور رکھے جائیں گے ۔

شیخ الاسلام اپنے خلاف بہتان طرازیوں کا جواب احسن طریق سے دیتے رہے

کتاب وسنت کی روشنی میں انہیں خاموش کرانے کی کوشش کرتے ہوئے واضح الفاظ میں اپنا مسلک پیش فرماتے رہے اور لوگوں کی عیب جوئی اور نقطہ چینی سے بے پرواہ ہو کر اسلامی عقائد کا پرچار کرتے رہے چنانچہ ماکول اللحم کے پیشاب میں امام شافعیؒ کی مخالفت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ امام شافعیؒ کا اسکو نجس کہنا مشہور عرنیین کی حدیث اور آپ کا بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھنے کے خلاف ہے پس اگر امام شافعیؒ کی مخالفت کی وجہ سے مجھ پر اعتراض کیا جائے اور کہا جائے کہ کیا آپ امام شافعیؒ سے زیادہ عالم ہیں کہ ان کی مخالفت کر رہے ہو تو مجھے ان سے کہنا پڑے گا کہ میں اس مسئلہ میں ایک ایسے امام کی اتباع کر رہا ہوں جو علم وفضل میں امام شافعیؒ جیسے ہیں بلکہ ان سے زیادہ افضلیت کے حامل ہیں پس اگر میں امام شافعیؒ کی مخالفت کر رہا ہوں تو تم امام مالکؒ، امام احمدؒ کی مخالفت کر رہے ہو جب کہ صحیح احادیث کی روشنی میں ان کا مسلک یہ ہے کہ ماکول اللحم کا پیشاب پاک ہے ۔

استدلال کا غلط انداز

اِبْدَاْ بِنَفْسِكَ ثُمَّ بِمَنْ تَعُوْلُ (یعنی اولاً اپنے نفس پر خرچ کرو دوسرے درجہ پر اہل وعیال پر خرچ کرو) یہ حدیث اور اس مفہوم کی دوسری حدیثوں سے استدلال کرنا اور حدود الٰہیہ میں ترمیم کرنا کسی طرح بھی مناسب نہیں مثلاً اولاد سے لڑکیوں کو محروم کر دینا اور اپنی تمام جائداد (ابدا بنفسک) وغیرہ احادیث کی روشنی میں

؎ الانبیاء (۱۰۱)

بیٹوں کے نام پر وقف کر دینا یقیناً (یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْٓ اَوْلَادِکُمْ لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ [1] خدا تمہاری اولاد کے بارے میں اس طرح تم کو ارشاد فرماتا ہے۔ کہ ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے حصے کے برابر ہے) ضابطۂ شریعت کے خلاف ہے نقصان پہنچانے والے وقف کو بھی کالعدم قرار دیا جائے گا۔

کیا آپ کسی مسلمان سے یہ توقع رکھ سکتے ہیں کہ وہ صلۂ رحمی کی احادیث سے استدلال کرتے ہوئے خالہ، پھوپھی کے ساتھ نکاح کو جائز اور مستحسن سمجھ بیٹھے۔ جب کہ حدودِ الٰہیہ میں وضاحت کے ساتھ موجود ہے کہ وہ محرمات ابدیہ میں داخل ہیں ارشاد خداوندی ہے۔

وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَیَتَعَدَّ حُدُوْدَہٗ یُدْخِلْہُ نَارًا خَالِدًا فِیْھَا۔ [2]

اور جو خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کی حدوں سے نکل جائیگا اس کو خدا دوزخ میں ڈالے گا جہاں وہ ہمیشہ رہے گا۔

پس خالہ، پھوپھی کو فقیر گردانتے ہوئے صلہ رحمی کے پیش نظر ان سے نکاح کرنا کیسے جائز ہو سکتا ہے؟ اسی طرح کے دیگر خلاف شرع مسائل میں شیخ الاسلام کو ہدف مطاعن بنایا گیا اور سوقیانہ قسم کے اعتراضات سے بھی پرہیز نہ کیا گیا اور ایسی غلط باتیں ان کی طرف منسوب کی گئیں جن کے وہ کبھی قائل نہیں تھے دراصل اس قسم کے مغالطات، اتہامات سے ان کا مقصدِ وحید یہ تھا کہ شیخ الاسلام کی شہرت کو داغدار کیا جائے اور ان کی حیثیت کو مشکوک بنا کر لوگوں کو ان سے متنفر کر دیا جائے حالانکہ شیخ الاسلام کا دامن ان تمام غلط باتوں سے پاک صاف تھا ان کی تالیفات، رسائل کے محتویات کا مطالعہ کرنے کے بعد کہنا پڑتا ہے کہ شیخ الاسلام ہرگز ہرگز ان غیر اسلامی نظریات کے حامل نہ تھے۔

اہلِ علم کے ہاتھ چومنے، **سبز لباس پہننے کے بارے میں:** بعض علماء نے انکی

---

[1] النساء (۱۱) [2] النساء (۱۴)

توجہ اس مسئلہ کی طرف بھی مبذول کرائی کہ احساس برتری امتیازی حیثیت جتانے ہوئے سبز رنگ کا لباس پہنتا ہے اور لوگ اس کے ہاتھوں کا بوسہ لیتے ہیں لیکن وہ لوگوں کو اس سے منع نہیں کرتا۔ شیخ الاسلام نے انہیں سمجھایا کہ اہل فضل و شرف کے ہاتھوں کو بوسہ دینے کے مسئلہ میں اگرچہ اختلاف ہے تاہم ثابت ہے کہ زید بن ثابت نے عبداللہ بن عباس کے ہاتھوں کا بوسہ لیا اور کہا کہ ہمیں اہل بیت کے متعلق یہی حکم دیا گیا ہے۔ لہٰذا جس مسئلہ میں آپ کو واقفیت نہ ہو اس کا انکار کرنا درست نہیں اور اسی طرح اہل بیت کی امتیازی حیثیت کے نشان کے طور پر ان کے لئے سبز لباس کو مخصوص گردانا قدیم روایت چلی آتی ہے اس لئے کہ قدیم زمانہ سے لوگوں کو معلوم ہے کہ اہل بیت کا یہ مخصوص لباس ہے اور یہ لباس دیکھ کر لوگ ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتے ہیں اور ان پر ظلم کرنے سے باز رہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل بیت کے کچھ حقوق متعین فرما دیئے ہیں لہٰذا کسی مسلمان کو اجازت نہیں دی جا سکتی کہ وہ اہل بیت کے حقوق کا خیال نہ رکھے۔

شیخ الاسلام کا اسلوب

تالیفات میں شیخ الاسلام کا اسلوب نہایت آسان اور تکلف سے عاری تھا وہ تحریر میں مشکل الفاظ کے استعمال سے احتراز کرتے۔ مبہم اور متنافر کلمات سے انکی تحریر بالکل خالی ہوتی۔ فطرت کے مطابق مقاصد کو واضح کرتے ہیں ان کا اشہب قلم رواں دواں رہتا چنانچہ ان کی تالیفات کا مطالعہ کرنے سے جہاں ان کی وسعت علمی نکتہ آفرینی استدلال کی پختگی اور سلفی العقیدہ ہونے کا پتہ چلتا ہے وہاں ان کے اسلوب کی عمدگی اور فریفتگی کی داد دیئے بغیر بھی نہیں رہا جا سکتا ہم اپنی معلومات کی روشنی میں شیخ الاسلام کی تالیفات کی فہرست قارئین کے سامنے پیش کر رہے ہیں ممکن ہے کوئی رسالہ ہماری نظر سے اوجھل رہ گیا ہو اس لئے معذرت خواہ ہیں تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) مختصر صحیح البخاری (۲) التوحید فیما یجب من حق اللہ علی العبید۔
(۳) کشف الشبہات (۴) کتاب الکبائر (۵) اربع القواعد فی التوحید
(۶) مختصر زاد المعاد (۷) استنباط القرآن (۸) احادیث الفتن (۹) السیرۃ المختصرۃ
(۱۰) فضائل الاسلام (۱۱) اصول الایمان (۱۲) تفسیر القرآن (۱۳) مختصر الانصاف
(۱۴) مختصر الشرح الکبیر (۱۵) مسائل الجاہلیۃ (۱۶) مفید المستفید
(۱۷) الثلاثۃ الاصول (۱۸) آداب المشی الی الصلوٰۃ شیخ الاسلام کے خطوط و مکاتیب اور فتاوی کے مجموعے ان کے علاوہ ہیں جن سے ان کی علمی جلالت ذہنی جلا، حق و صداقت کی جستجو اور مطمح نظر کی سلامتی مترشح ہو رہی ہے۔

شیخ الاسلام کے دور کی عہد رسالت کے ساتھ مماثلت

تاریخ کی کتابوں کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ بعض مصلحین امت کی زندگیوں اور کارناموں میں بعض وجوہ سے مشابہت دکھائی دیتی ہے اس بنیاد پر جب ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخ الاسلام کے دور کے واقعات کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں کہنا پڑتا ہے کہ ان دونوں ادوار میں کچھ مماثلتیں موجود ہیں لیکن اس مماثلت سے کسی کو غلط فہمی میں واقع نہیں ہونا چاہیئے اور ہمارا ہرگز ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم شیخ الاسلام کے مقام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام کے برابر دکھانے کی کوشش کر رہے ہیں اس لئے کہ ہمارا ایمان ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت منفرد حیثیت کی حامل ہے بلا استثناء آپ تمام کائنات سے ارفع اعلیٰ اور بہتر ہیں اور کوئی اولوالعزم پیغمبر آپ کے مرتبہ پر فائز نہیں ہو سکا اگرچہ وہ اپنے دور میں افضلیت و ارفعیت کا مینار سمجھا جاتا تھا۔

پس ہم یقین کے ساتھ کہتے ہیں کہ ان دونوں شخصیتوں کے درمیان مراتب اور مدارج کے لحاظ سے نمایاں فرق موجود ہے اگر کسی انسان کے سائے کو بعینہ وہ انسان نہیں کہا جا سکتا تو اسی طرح شیخ الاسلام کو بھی آپ کے ساتھ ملانے

میں زیادہ سے زیادہ انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلے کے ساتھ تشبیہ دی جا سکتی ہے چنانچہ ڈاکٹر طہٰ حسین مجلہ الھلال مارچ ۱۹۳۳ء (الحیاۃ الادبیہ فی جزیرۃ العرب) عنوان کے تحت دونوں شخصیتوں کے مابین مماثلت کے چند پہلوؤں کا تذکرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

شیخ الاسلام، ڈاکٹر طہٰ حسین کی نظر میں

اتفاق زمانہ کہہ لیجئے کہ نجد میں جب وہابی تحریک کا آغاز ہوا تو اس وقت نجد اور اس کے ماحول میں اس قسم کے حالات رونما تھے جس قسم کے حالات سے حجاز اور اس کا ماحول دوچار تھا جب وہاں اسلام کی شعاعیں چمکیں۔ شیخ الاسلام نے ابتداً نرمی کے ساتھ تحریک کا منشور پیش کیا لیکن جب حالات نے نئی کروٹ لی تو پورے طمطراق کے ساتھ اپنے نقطہ نظر کو پیش کیا اور اس پرخطر اور پر محن راستہ کی مشکلات اور پریشانیوں کو خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کیا۔ خطرات کے مقابلہ میں ثابت قدم رہے اور مختلف قبائل کے رؤسا، امراء سے دعوت الی اللہ کے مشن کے ساتھ تعاون کا مطالبہ کیا جیسا کہ ابتداءً اسلام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آپ کو قبائل کے سامنے پیش کیا اور مسلسل تبلیغ فرماتے رہے اس طرح شیخ الاسلام نے جب دیکھا کہ نجد کی زمین بنجر ہے تو وہ اپنا علاقہ چھوڑ کر درعیہ کی طرف ہجرت کر کے چلے گئے وہاں کے لوگوں نے شیخ الاسلام کے ہاتھ پر ہر قسم کے تعاون کا یقین دلاتے ہوئے بیعت کی جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ مکرمہ کی فضا کو نامساعد محسوس کیا تو مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی۔

شیخ الاسلام نے نجد کے مشرک بدوؤں کو پختہ قسم کا مسلمان بنا دیا جیسا کہ اس سے گیارہ صدیاں پہلے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجاز کے باشندوں کو اسلام کا گرویدہ بنایا اور ان کے دلوں میں اسلام کی عظمت اور محبت کو پیوست فرمایا۔ ڈاکٹر طہٰ حسین نے صرف چند پہلوؤں کا تذکرہ کیا ہے ان کے علاوہ بھی مناسب

کے وجوہ کثرت کے ساتھ موجود ہیں۔ ان تمام کا جائزہ لینے کے بعد یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ شیخ الاسلام نے نہایت جانفشانی، جانکاہی کے ساتھ تحریک کو قوت و استحکام بخشا۔

عہدِ رسالت کے حالات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے کے وقت حالات ناگفتہ بہ تھے عقائد مشرکانہ ہونے کے ساتھ ساتھ اخلاق و عادات میں انتہائی کمینگی کے رجحانات کارفرما تھے چنانچہ جعفر بن ابی طالب نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے دربار میں عہدِ جاہلیت کے معاشرہ کی صحیح تصویر بیان کرتے ہوئے کہا :

ہم دورِ جاہلیت میں بتوں کی پرستش کرتے، مردار جانوروں کا گوشت کھاتے فواحش و منکرات کے مرتکب ہوتے، صلہ رحمی کا کچھ خیال نہ کرتے ہوئے پڑوسیوں کے ساتھ بدسلوکی سے پیش آتے، طاقتور انسان اپنے سے کمزور انسان کو رگیدتا ان حالات میں اللہ پاک نے ہماری اصلاح کے لئے ہم سے ہی ایک انسان کو رسول بنا کر بھیجا جس کے نسب سے ہم واقف ہیں اس کا صادق، امین اور عفیف ہونا مسلّم ہے، اس نے ہمیں اللہ کی توحید کی طرف بلایا، شرک سے باز رہنے کی تاکید کی بتوں کی عبادت سے کنارہ کش رہنے کا حکم دیا۔ اس نے ہمیں حکم دیا، اس نے ہمیں پیغام دیا، سچ بولو، امانتوں کو ادا کرو، صلہ رحمی کرو، پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک اختیار کرو، حرام چیزوں اور ناحق خون کرنے سے باز رہو، بے حیائی کے کاموں، جھوٹ بولنے اور یتیم کا مال کھانے سے بچو وغیرہ وغیرہ۔

حضرت جعفر نے معاشرہ کی صحیح عکاسی بیان کرتے ہوئے بیان کیا کہ وہاں شرک کا دور دورہ تھا۔ بتوں کی پوجا ہوتی تھی۔ یہاں تک کہ عین کعبہ معظمہ میں بتوں کی پرستش ہو رہی تھی۔

اگر غور کیا جائے تو اس قسم کے حالات شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب کے دور

میں نجد میں بھی پائے جاتے تھے برائے نام اسلام موجود تھا نہایت دیدہ دلیری کے ساتھ اسلام کی مخالفت ہورہی تھی۔

اور جس طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے عہد رسالت میں معاشرہ کو بیماریوں سے پاک صاف رکھنے کی مساعی فرمائیں نہ صرف جزیرۃ العرب بلکہ تمام عالم کی تاریخ کو جاہلیت کے دلدلوں سے نکال کر اسلام کی صداقتوں سے منور کیا اسی طرح شیخ الاسلام نے بھی جب نجد اور اس کے ماحول کے حالات کا جائزہ لیا تو اس نے محسوس کیا کہ نجد میں دورِ جاہلیت کے وہ تمام مفاسد موجود ہیں جن کی نشاندہی حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے بیان میں مذکور ہے اللہ پاک نے اپنے فضل وکرم سے شیخ الاسلام کو توفیق فرمائی تو انہوں نے کمال جرأت ومردانگی کے ساتھ حالات کو یکسر بدل دیا اور جاہلیت کی تاریکیوں کو ختم کرکے دینِ محمدی کو روشن فرمایا۔ نجد کی تاریخ کے دھارے کو بدل کر رکھ دیا۔ یہاں تک کہ نجد کو جاہلیت کی آغوش سے نکال کر اسلام کے سائے میں لاکھڑا کیا۔ اور جس طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت بیت اللہ میں بتوں کی تعظیم ہورہی تھی۔ قریش مکہ اور ارد گرد سے آنے والے لوگ آہ وزاری کے ساتھ ان کے سامنے گھٹنے ٹیک دیتے اور ان سے حاجتیں طلب کرتے اسی طرح شیخ الاسلام کے دور میں بھی بتوں کی عبادت ہورہی تھی اور ان سے حاجات طلب کی جارہی تھیں اور جس طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت انسانیت بے تابی کے ساتھ کسی مصلح کی آمد کے انتظار میں تھی تاکہ معاشرہ کی بدعنوانیوں سے رستگاری حاصل ہو۔ لاقانونیت کی جگہ ایسا بہترین نظام نافذ العمل ہو جس کی خیر وبرکت سے اطمینان اور سکون میسر آئے۔

اسی طرح شیخ الاسلام کے نجد میں کلمہ حق بلند کرنے کے وقت وہاں بیمار معاشرہ کسی روحانی معالج کی مساعی سے شفا یابی کا منتظر تھا اور سنت رسول علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کے احیاء کا متمنی تھا۔ صراطِ مستقیم کی جدوجہد، عقائد کی اصلاح، دلوں کی صفائی، کتاب وسنت کے مطالعہ کی طرف متوجہ کررہی تھیں اور جس طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پیدائشی وطن مکہ میں نہ رہ سکے۔ قریش اور دیگر قبائل کی مخالفانہ سرگرمیوں،

ایذا رسانیوں اور قتل کے منصوبوں نے آپ کو ترک وطن پر مجبور کر دیا اور آپ اپنے بہترین رفیق حضرت صدیق اکبر کے ساتھ مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرما ہوئے وہاں انصار نے آپ کو خوش آمدید کہا اور مکمل تعاون کا یقین دلایا نیز آپ کی طرح آپ کے متبعین بھی مکہ چھوڑ کر لوگوں کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر مدینہ منورہ ہجرت کر گئے۔

اسی طرح شیخ الاسلام کو بھی اپنے آبائی وطن حریملا میں شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ یہاں تک کہ شہر کے غنڈوں نے ان کو قتل کرنے کے لئے ان کے گھر کا محاصرہ کر لیا لیکن عین اسی وقت شہر میں ایک قافلہ کے پہنچ جانے سے وہ اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہنانے سے قاصر رہے (تفصیلاً اس کا تذکرہ سابقہ اوراق میں ہو چکا ہے) چنانچہ علی الصباح شیخ الاسلام حریملا چھوڑ کر درعیہ میں رہائش پذیر ہو گئے۔ وہاں کے حاکم ابن سعود نے دست تعاون دراز کیا۔ ان کے تعاون کا نتیجہ تھا کہ شیخ الاسلام نے اطمینان کے ساتھ دعوت الی اللہ کے مشن کو جاری فرمایا اور فضا کی سازگاری میں تعلیم و تربیت کے کام کا آغاز کیا۔ جب ان کے متبعین کو پتہ چلا کہ شیخ الاسلام درعیہ میں امن و سکون کے ساتھ زندگی بسر کر رہے ہیں تو وہ بھی وطن چھوڑ کر درعیہ میں سکونت پذیر ہو گئے۔

شیخ الاسلام صاف صاف اعلان کر رہے تھے کہ جس طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کے خلاف اعلان جہاد کیا جنہوں نے آپ کی دعوت کو قبول نہ فرمایا اسی طرح مجھے بھی ان لوگوں کے خلاف تلوار اٹھانا ہے جو عقائد کی بیماریوں میں جکڑے ہوئے ہیں جو لوگ اپنے عقائد کی اصلاح کرتے ہوئے ہماری تحریک کے رکن بن جائیں گے ان کا خون اور مال محفوظ ہو گا ورنہ جزیہ ادا کرنا پڑے گا اور اگر جزیہ ادا کرنے سے بھی انکار کریں گے تو پھر تلوار اٹھانے کے علاوہ کوئی صورت نہیں۔

جس طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حج کے دنوں، میلوں، اجتماعات میں قبائل کے سامنے اپنی دعوت پیش فرماتے کچھ لوگ دعوت کو شرف قبولیت بخشتے اور آپ کے معاون بن جاتے جب کہ اکثریت ان لوگوں کی ہوتی جو آپ کی باتوں کا

مذاق اڑاتے اور آپ کو ایذا پہنچانے کے درپے رہتے لیکن آپ ان کی تمام بیہودگیوں برداشت کرتے صبر و تحمل کی تصویر بنے رہتے اور مسکراتے ہوئے ان کی ہدایت کے لیئے دعا فرماتے اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِی فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ۔

اسی طرح شیخ عبدالوہاب بھی مختلف قبیلوں اور گروہوں کے سامنے دعوت الی اللہ کا فریضہ سرانجام دینے کے لئے ان کے گھروں چوراہوں عمومی اجتماعات میں پہنچ جاتے کچھ لوگ ان کی تبلیغ سے متاثر ہو کر تحریک میں شامل ہو جاتے اور ان کی مدد کرتے رہتے اور کچھ لوگ نہ صرف یہ کہ ان کے پیغام کے ساتھ اتفاق نہ کرتے بلکہ آپ کو پریشان کرنے کے لئے مختلف قسم کے ہتھکنڈے استعمال کرتے اور مخالفت کے لئے کوئی کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کرتے لیکن شیخ الاسلام ان کی ابلیسانہ فریب کاریوں کو بھانپ جاتے ان کے ساتھ مصالحت کرنے سے گریز پا رہتے، مداہنت کی ہلاکت خیزیوں کے اثرات سے اپنے آپ کو بچائے رکھتے مخالفین کی طرف سے انکی مستقل مزاجی کو ختم کرنے کی جملہ تدبیریں ختم ہو کر رہ گئیں جس طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ میں خطرات سے دو چار ہونا پڑا اور آپ کو ہلاک کرنے کے منصوبے بنائے گئے۔

اسی طرح آپ کے متبع شیخ الاسلام کو بھی مصائب و مشکلات سے سامنا کرنا پڑا ایک مصیبت سے نجات ملتی ______________ تو دوسری مصیبت راستے میں آن کھڑی ہوتی لیکن شیخ الاسلام پُر امید نگاہوں کے ساتھ اپنے مشن کی تکمیل میں جادہ پیما رہتے جس طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کے رجم فرمانے کا حکم صادر فرمایا جس نے آپ کی خدمت میں آکر اپنے گناہ کا اعتراف کیا اور صدق دل سے حد خداوندی کے نفاذ کا مطالبہ کیا حد کے نفاذ کے بعد آپ نے اس کے متعلق فرمایا کہ اس عورت کی توبہ کو اگر ستر انسانوں پر پھیلا دیا جائے تو انہیں بھی سایۂ رحمت میں جگہ مل جاتے۔

اس طرح شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب نے بھی ایک شادی شدہ عورت کے رجم کرنے کا حکم دیا جس کو بار بار واپس کیا گیا لیکن وہ گناہ سے پاک ہونے کے لیئے بار بار

حد کے نفاذ کا مطالبہ دہراتی رہی بالآخر اس کو رجم کیا گیا اور اس کی مغفرت کا اعلان کیا گیا۔

جس طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بنفسِ نفیس معرکوں میں تشریف لے جاتے اور جب طرفین سے جنگ کے شعلے شدت کے ساتھ مشتعل ہوتے تو آپ صحابہ کرام کے دلوں کو بہادر بناتے ہوئے شہادت کے فضائل و محامد کا وعظ فرماتے اور فتح و نصرت کی دعا فرماتے۔

اسی طرح شیخ الاسلام بھی ابن سعود کی معیت میں میدان جنگ میں پہنچ جاتے اسلامی لشکر کی قیادت فرماتے۔ جنگ کرنے کے ساتھ ساتھ جنگی مشوروں سے نوازتے اختلافات رائے کے وقت ان کی بات کو فیصلہ کن سمجھا جاتا اور اس پر عمل کیا جاتا۔

جس طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بادشاہوں قبائل کے سرداروں کی طرف خطوط بھیجتے انہیں توحید کی دعوت دیتے عدم تسلیم کی صورت میں ان کے خلاف اعلانِ جنگ فرماتے۔

اسی طرح شیخ الاسلام بھی سنت رسول علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کے ساتھ تمسک اختیار کرتے ہوئے اولاً خطوط بھیجتے انکار کی صورت میں ان کے خلاف لشکر کشی فرماتے۔

جس طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دشمنوں نے ساحر کذاب کہا اور قریبی رشتہ داروں نے بھی آپ کو پریشان کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی یہاں تک کہ آپ کے چچا ابولہب ہمیشہ آپ سے ناخوش رہا۔ اس نے آپ کے ساتھ مخاصمت کا بازار گرم رکھا اور لوگوں کو آپ کے خلاف اکساتا رہا اسی طرح شیخ الاسلام کو بھی ان کے دشمنوں نے آرام کے ساتھ بیٹھنے نہ دیا۔ کیچڑ اچھالا گیا بدنام کرنے کے لئے مختلف قسم کی تجویزوں کو عملی جامہ پہنایا گیا لیکن ان کے ترکش کے تمام تیر ناکامی کا نشانہ ہوئے اللہ کے فضل و کرم سے انہیں کامیابی حاصل ہوئی۔ کون نہیں جانتا کہ ان کا بھائی سلیمان بن عبدالوہاب ان کے راستے میں سب سے بڑا کانٹا تھا اس کی دشمنی ظاہر و باہر تھی اس نے بھائی کی زندگی کے چراغ کو گل کرنا چاہا لیکن وہ اپنے منحوس مقصد میں

متعدد بار کامیاب نہ ہو سکا۔ مخالفین کو مسلسل مخالفت پر آمادہ کرتا رہا۔ شیخ الاسلام کے خلاف زہر اگلتا رہا۔ تحریک کو ناکام بنانے میں تمام ذرائع استعمال کرتا رہا لیکن ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔

جس طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض جانی دشمن آپ کے ہاتھ پہ اسلام لائے اور آپ کے بہترین مددگار ثابت ہوئے۔

اسی طرح شیخ الاسلام کی مخالفت کرنے والے بھی معذرت پیش کرتے ہوئے ان کے قدموں میں آن گرے اور معافی کے خواستگار ہوئے۔

شیخ الاسلام نے محترمانہ انداز سے ان کا استقبال کیا تحریک میں شمولیت پر خوشی کا اظہار کیا نہ صرف یہ کہ ان سے عفو و درگذر سے کام لیا بلکہ انہیں عطیات سے بھی نوازا۔

جس طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی محمد بن عبداللہ ہے اسی طرح شیخ الاسلام بھی آپ کے ساتھ نام میں مماثلت رکھتے ہیں اور آپ کا نام بھی محمد بن عبدالوہاب ہے۔

شیخ الاسلام اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ان مماثلتوں کے بیان کرنے سے قطعاً ہمارا مقصد یہ نہیں ہے کہ ہم شیخ الاسلام کی شخصیت کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بلند اور عظیم شخصیت کے برابر دکھانا چاہتے ہیں بلاشبہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق سے بہتر اور تمام پیغمبروں سے افضل ہیں۔

اور شیخ الاسلام ان کے تابع خادم ہیں جنھوں نے غیرت ملی کے جذبہ کے تحت اپنی زندگی کو دعوت الی اللہ کے لئے وقف فرما دیا تھا۔

صلی اللہ علی سیدنا محمد وعلی آلہ وصحبہ وسلم

شیخ الاسلام کی دعوت کا انداز اور طریق کار

شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب کی دعوت کا مقصد اسلام کے حقائق کو کتاب و سنت

کی روشنی میں عوام کے سامنے پیش کرنا تھا۔

اس سلسلہ میں ہمیشہ ان کا طریق کار رہا کہ اپنی طرف سے کسی ایک شوشے کا بھی اضافہ نہ کیا جائے اس لئے کہ شیخ الاسلام کا ایمان تھا کہ تمام مسائل کا حل کتاب وسنت میں موجود ہے اور دین اسلام کامل اکمل دین ہے لہٰذا کتاب وسنت سے ہٹ کر نہ تو نئی چیزوں کو اسلام میں داخل کیا جائے اور نہ ہی اجتہاد کے دروازے کو کھلا رکھا جائے سلف صالحین کے اجتہادات کا ایک مجموعہ ہمارے سامنے موجود ہے اور تقریباً ہماری تمام ضرورتیں اس سے پوری ہو رہی ہیں ائمہ کرام نے استنباط، قیاس صحیح کی روشنی میں نئے نئے ابھرنے والے مسائل کا واضح حل پیش فرمادیا ہے اور ہمیں مزید استنباط، استدلال کی راہوں کو کھولنے سے مستغنی کردیا ہے۔

اجتہاد کی ضرورت کب ہوتی ہے

جب معاشرہ میں علوم وفنون کی جلوہ گری ہو، ثقافت، کلچر زمانہ کی رفتار کے ساتھ ارتقائی منازل طے کر رہی ہوں اور مختلف قسم کے نظام ہائے زندگی پروان چڑھ رہے ہوں اور محیر العقول ایجادات، اکتشافات منظر عام پر آرہے ہوں تو اس وقت اجتہاد کی ضرورت لاحق ہوتی ہے تاکہ جدید مسائل کے بارے فیصلہ کن رائے پیش کر کے عوامی تقاضوں کو پورا کیا جاسکے لیکن شیخ الاسلام محمدؒ بن عبدالوہاب کے دور میں نئے مسائل دریافت نہیں ہوتے تھے۔ پس انہیں دعوت کے میدان میں کسی ایسے مسئلہ سے سابقہ نہیں پڑا جس کا حل شریعت اسلامیہ میں پہلے سے موجود نہ تھا لہٰذا انہیں اجتہاد کی ضرورت پیش نہیں آئی۔

شیخ الاسلام ہر مسئلہ کا جواب کتاب وسنت سے تلاش کرتے وراثت محمدی میں اپنی رائے کو داخل کرنا گناہ سمجھتے اس لحاظ سے انہیں غیر مجتہد کہنا درست ہے لیکن چونکہ تجدید دعوت الی اللہ کے لئے ہمہ تن کوشاں رہتے اس لئے ان کو مجتہد کہنا بھی صحیح ہے۔

شیخ الاسلام کا اجتہاد سے الگ تھلگ رہنے کا ایک سبب تو یہ تھا کہ وہ وحی مقدس کو کافی وافی سمجھتے تھے غالبؒ دوسرا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ سمجھتے تھے کہ اس میدان میں مجتہدین سے شدید غلطیاں سرزد ہوئیں۔ لہٰذا بہتر یہی ہے کہ اجتہاد سے گریز کیا جائے اور اسلام کے روشن چہرے کو غبار آلودہ نہ بنایا جائے چنانچہ بطورِ مثال چند ائمہ کے اجتہادات قارئین کے سامنے پیش کئے جا رہے ہیں تاکہ اندازہ ہو سکے کہ ان اجتہادات سے اسلام کی تصویر میں کس قدر بگاڑ پیدا ہوا اور منہج اسلام کس قدر ژولیدہ ہوا۔

شیخ محمد عبدہٗ کا اجتہاد

ان کے بعض اجتہادات بالکل صحیح کتاب وسنت کے ساتھ موافقت رکھتے ہیں لیکن بعض مسائل اجتہادیہ میں صراطِ مستقیم سے دور نظر آتے ہیں مثلاً ایک سے زائد بیوی کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں سمجھتے ان کا یہ فکر اسلام کے مزاج کے بالکل خلاف ہے اسی طرح سورۃ فیل میں ابابیل کی تعریف کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ وہ دراصل ہائیڈروجن گیس تھا۔ جس کی وجہ سے وہ تباہ وبرباد ہو گئے سوال پیدا ہوتا ہے کہ کون سا داعیہ تھا جس کی وجہ سے وہ اسلام کی واضح صراحت کے خلاف ایک نئی راہ پر چل نکلے اس کا جواب کچھ مشکل نہیں وہ دراصل یورپ کے دانشوروں سے خوفزدہ تھے اسلام کے خلاف ان کے اعتراضات سے متاثر ہو کر تعددِ ازواج کے منکر ہو گئے ان کے عقلی استدلالات کا عقل کے ساتھ جواب دینے کی سکت سے اپنے آپ کو عاری پا کر ان کی رائے کے ساتھ متفق ہو گئے چنانچہ شیخ محمد عبدہٗ کے معتقدین اور مخالفین کے درمیان جھگڑا رونما ہوا جس سے اسلام کے مخالفین کو اسلام پر مزید اعتراضات کرنے کا موقع ملا لہٰذا بدعات کے فروغ کے لئے اجتہاد کو آلہ کار بنانا کیسے گوارا کیا جا سکتا ہے اس قسم کے اجتہاد سے سوائے اس بات کے کہ مسلمانوں کو گمراہ کیا جائے گا اور کچھ فائدہ حاصل نہیں۔

شیخ الاسلام اپنے دور کے داعی تھے دعوت الی اللہ کے فریضہ کی ادائیگی متقاضی تھی کہ اجتہاد سے روگردانی اختیار کی جائے اگر وہ اجتہاد کے مخصوص میں پھنس جاتے تو دعوت کا عظیم کام کیسے سرانجام پاتا۔

شیخ الاسلام نے جب دیکھا کہ جزیرۃ العرب میں شرک و بدعت کا بازار گرم ہے تو انہوں نے دعوت الی اللہ کے فریضہ کی انجام دہی میں خود کو جھونک دیا اور اطراف واکناف میں داعیوں کو بھیجنا شروع کر دیا۔ تاکہ شرک و بدعت کا قلع قمع ہو جائے اور دین اسلام اپنے اصل روپ میں جلوہ افگن ہو۔ شیخ الاسلام کی دعوت کسی شخص، محلہ، وطن، ملک کے ساتھ مخصوص نہ تھی بلکہ ان کی دعوت دنیا بھر کے تمام انسانوں کو اسلام کے دامن میں اکٹھا کرنے ان کو دینوی و اخروی سعادتوں سے ہمکنار کرنے کے لئے تھی۔

شیخ الاسلام وطنیت کے داعی نہ تھے اگر وہ صرف اپنے وطن کی اصلاح کا نعرہ لگاتے تو انہیں کیا ضرورت تھی کہ نجد بلکہ جزیرۃ العرب کے اطراف واکناف میں توحید کے پرچم کو لہرانے کے لئے سر دھڑ کی بازی لگاتے۔ ان کا مطمح نظر تو یہ تھا کہ اسلام کا پیغام امن تمام دنیا کے انسانوں کے لئے ہے لہٰذا اس کی صداقتوں سے دنیائے عالم کے انسانوں کے سینوں کو روشن کیا جائے۔

شیخ الاسلام رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا دین من وعن اسی طرح لوگوں کے سامنے پیش کر رہے تھے اس کے باوجود ان کی مخالفت کی گئی اور ان کی تحریک کو ختم کرنے کے لئے ہتھکنڈے استعمال کئے گئے جیسا کہ ہر نئی تحریک کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے لیکن شیخ الاسلام مستقل مزاجی کے ساتھ دین اسلام کی تبلیغ فرماتے رہے بادشاہوں حکومتوں، امراء، وزراء، عوام کی مخالفت کے باوجود سینہ سپر رہے اور بلا خوف و جھجک شرک و بدعت کے محلات کو مسمار کرتے رہے۔

انہدام قباب :۔ شیخ الاسلام دعوت الی اللہ کے ساتھ ساتھ عملاً قبروں پر

تعمیر شدہ عمارتوں اور قبوں کو گرا دیتے تھے اس لئے کہ یہی دراصل شرک اور بدعت کی آبیاری کے مرکز ہیں اور تمام عالم اسلام میں قبروں پر عمارتیں اور قبے بننے شروع ہو گئے تھے اگرچہ اسلام کے دور اوّل میں ان کا وجود نہیں تھا ان کے سبب اعتقادات، اخلاقیات میں بگاڑ رونما ہو چکا تھا، باطل پرستی، فساد انگیزی سے معاشرہ کا امن تہ و بالا ہو چکا تھا۔

شیطان کی فرمانروائی کو مٹانے کے لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر عمل فرماتے ہوئے شیخ الاسلام نے ان کا گرانا ضروری سمجھا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وثنیت، کہانت غیر اللہ کی عبادت کے تمام مراکز کے مسمار کرنے کے لئے صحابہ کرام کو بھیجا تو جس طرح جاہلی دور میں غیر اللہ کی پرستش کے سرچشموں کو بند کر دیا گیا اسی طرح ہر دور میں اس وقت کے علماء کے فرائض میں داخل رہا ہے کہ قبروں آستانوں شرک پھیلانے والے معبد خانوں کو منہدم کر دیا جائے۔

آج کل بھی یہ فتنہ تمام اسلامی ممالک میں موجود ہے اور نام کی اسلامی حکومتیں قبر پرستی کی حوصلہ افزائی کے مواقع فراہم کرتی ہیں عرس منائے جاتے ہیں چراغاں کیا جاتا ہے۔ پھولوں کی چادریں چڑھائی جاتی ہیں قوالی کی مجلسیں منعقد کی جاتی ہیں۔ طبلہ و رباب کے ساتھ رقص و سرود کی محفلیں جمتی ہیں، مردوں، عورتوں کا اختلاط جنسی بے راہروی، انارکی کی فضا کو تقویت بخشتا ہے۔ اخلاق سوز حرکات کا ارتکاب ہوتا ہے۔

شیخ الاسلام کی تحریک

اہل بدعت، تشیع وغیرہ کی نظر میں

شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب کے انہدام قباب پر اہل بدعت، شیعہ اور قبروں کے پجاری سیخ پا ہوتے اس وقت سے لے کر آج تک شیخ الاسلام پر رکیک

حملے کر رہے ہیں[1] اور ان کی شہرت کو داغدار کرنے کے لئے مختلف قسم کے حیلے بہانے تراش رہے ہیں اس لئے ہم عقیدۂ توحید کے بارے میں امام محمد عبدہ کا ایک ریمارکس پیش کرتے ہیں خیال رہے کہ شیخ الاسلام پر تنقید کرنے والے امام محمد عبدہ کو اپنا پیشوا تسلیم کرتے ہیں اور ان کی پیروی کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

امام محمد عبدہ کا ریمارکس

قبروں کی زیارت کرنے والے اور ان سے ضروریات طلب کرتے والے اللہ پاک سے اتنا نہیں ڈرتے جس قدر وہ نام نہاد اولیاء اللہ کی قبروں سے خوفزدہ رہتے ہیں ان کا اعتقاد ہے کہ یہ لوگ ہماری حاجتوں کو بڑی تیزی کے ساتھ قبولیت کے ہمکنار بنا دیتے ہیں حالانکہ وہ بے چارے بالکل بے خبر ہیں اس قسم کے مشرکانہ عقائد کیسے عقیدۂ توحید کے ساتھ باہم اکٹھے رہ سکتے ہیں۔

امام محمد عبدہ کی بات بالکل درست اور حقیقت کی آئینہ دار ہے بلاشبہ وہابیوں نے قبوں اور دیگر عمارتوں کو اس لئے منہدم کیا تاکہ وہ لوگ جو غیر اللہ کے آستانوں پر پیشانیاں رگڑ رہے ہیں اور ان سے حاجتیں مانگ رہے ہیں انہیں صرف ایک اللہ پاک کے آستانے پر پہنچا دیا جائے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی مساعی عقیدہ توحید کے تحفظ کے لئے وقف تھیں۔ پس ہم ان کی کوششوں کو قدر و منزلت کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں اور محسوس کرتے ہیں کہ ان لوگوں نے قولاً عملاً وثنیت، بُت پرستی کے خلاف محاذ قائم کیا اور جس طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی دعوت کے پھیلانے میں کوششیں فرمائیں بالکل اسی طرح شیخ الاسلام اور ان کے رفقا ممکن وسائل بروئے کار لاتے ہوئے میدانِ عمل میں سرگرداں رہے۔

---

[1] شیخ الاسلام پر اتہامات کی تفصیل کے لئے ابوزہرہ کی کتاب تاریخ المذاہب الاسلامیۃ کا مطالعہ کیجئے۔

شیخ الاسلام مشرکانہ رسوم کی بیخ کنی میں مدلل انداز اور نرم لب ولہجہ اختیار کرتے لیکن عوام الناس عقلی اور مدلل باتوں کو سننا کب گوارا کر سکتے تھے، امراء حکام اپنے اقتدار کو سرنگوں دیکھنا کیسے برداشت کر سکتے چنانچہ وہ لوگ اپنے اقتدار کو سہارا دینے کے لئے شیخ الاسلام کے ساتھ جنگ کرنے پر آمادہ ہو گئے مقابلہ کے لئے اپنی تمام قوتوں کو مجتمع کیا علماء سوء جو بدعات وخرافات کے بل بوتے پر جی رہے تھے حکام کی جی حضوری کر کے شکم پروری کر رہے تھے وہ بھی شیخ الاسلام کے مخالف کیمپ میں پہنچ گئے اور ان کے خلاف نفرت اور حقارت کی باتیں کرنے لگے ان تمام مخالفتوں کے باوجود شیخ الاسلام کے ذہن میں دعوت اسلامی کا جو نقشہ مرتسم ہو چکا تھا وہ اس کی روشنی میں تحریک کو آگے بڑھا رہے تھے۔ اور اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ کی سچی تصویر بنے ہوئے تھے لیکن جب کوئی شخص بات سننے کے لئے تیار ہی نہ ہو اور افہام وتفہیم کے حدود سے متجاوز ہو کر جنگ وجدال پر آمادہ ہو جائیں اور میدان میں للکارنے لگ جائیں تو اس وقت چار و ناچار ہر مصلح اور داعی مقدس جہاد کے فریضہ کی ادائیگی کے لئے مقابلہ میں اترتا ہے اس لئے کہ جب کوئی مریض بخوشی دوائی پینے سے گریز کرتا ہے تو انکار اور ہٹ دھرمی کی صورت میں جبراً اس کے منہ میں دوائی کو انڈیلنا پڑتا ہے تاکہ وہ شفایاب ہو جائے اسی طرح شیخ الاسلام نے دیکھا کہ ان کی بیماری خطرناک صورت اختیار کر چکی ہے تو وہ مجبور ہو کر ان کے مقابلہ میں تلوار پکڑ کر میدان میں اترتے ہیں خیال ہے کہ نیکی کے فروغ اور برائی کے استیصال کے لئے جنگ کرنے کا نام شریعت مطہرہ میں جہاد ہے۔ اور اس کی مشروعیت سے کون انکار کر سکتا ہے۔

شیخ الاسلام دعوت الی اللہ والرسول میں حکمت وموعظت کے دامن کو تار تار نہیں ہونے دیتے اور کوئی شخص ان کی تلوار کی زد میں نہیں آتا لیکن کیا کیا جائے جب مخالفین نے شیخ الاسلام کو للکارا اور تلوار میان سے نکال کر

میدان میں نکل آئے تو اس وقت آل سعود کی حمایت کے لیے انہیں میدان میں اترنا پڑا۔ وگرنہ ابتداءً انہوں نے کبھی اپنی قوت کے بل بوتے پر کسی پر جارحانہ حملہ نہیں کیا اور نہ کوئی شخص ان کی تلوار کا لقمۂ اجل بنا چنانچہ اللہ پاک اپنی محکم کتاب میں فرماتے ہیں۔

وَاِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا فَاِنْ بَغَتْ اِحْدٰهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰى تَفِیْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ فان فاءت فاصلحوا بینهما بالعدل واقسطوا ان اللّٰه یحب المقسطین[1]

اور اگر مومنوں میں سے کوئی دو فریق آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرادو اور اگر ایک فریق دوسرے پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے سے لڑو یہاں تک کہ وہ خدا کے حکم کی طرف رجوع لائے پس جب وہ رجوع لائے تو دونوں فریق میں مساوات کے ساتھ صلح کرادو اور انصاف سے کام لو کہ خدا انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

پس محولہ بالا آیت کی روشنی میں دین اسلام کے باغیوں سے جہاد کرنا ضروری ہے تاکہ عقیدۂ توحید کے تحفظ سے خیر و برکت کے چشمے پھوٹیں اور باغیوں کی بغاوت کو فرو کیا جائے۔

شیخ الاسلام پر ایک اعتراض اور اس کا جواب

شیخ الاسلام اور اس کی دعوت حقہ کے مخالفین ان پر تنقید کرتے ہوئے الزام دھرتے ہیں کہ شیخ الاسلام کی تحریک وہابیت اور زلزلوں لازم ملزوم رہیں چنانچہ علامہ ابوزہرہ تاریخ المذاہب الاسلامیہ میں رقمطراز ہیں[2]۔ کہ تحریک وہابیت کا دائرہ کار صرف دعوت توحید ہی نہ تھا بلکہ تحریک کے بانی اور اس کے پیروکار مسلح

---

[1] الحجرات [2] تاریخ المذاہب الاسلامیہ لابی زہرۃ ١: ٢٥٣

ہو کر مخالفین کو بدعتی کہتے ہوئے ان پر پے در پے حملے کرتے رہے اور انہیں موحد بنانے کی فکر میں رہے۔

ابو زہرہ کی رائے کے مطابق شیعہ بھی تقریباً اسی قسم کی رائے کا اظہار کرتے ہیں چنانچہ محمد جواد مغنیہ شیعہ عالم جو شیخ الاسلام کے معاصر اور تاریخ وہابیت کے شدید مخالف رہے ہیں اپنی کتاب "هذه هي الوهابية" میں کہتا ہے۔

تحریک وہابیت کا شعار ہی تلوار تھا جو شخص تحریک میں داخل ہو جاتا اسے امن و امان مل جاتا اور انکار کرنے والے انسان کو تہ تیغ کیا جاتا اس کے بچوں کو ذبح کر دیا جاتا اور اس کے مال کو لوٹ لیا جاتا اور ہر وہابی اپنے مخالف کو کافر سمجھتا اس کی بیوی سے نکاح کو جائز سمجھتا اور اس کے مال کو لوٹنا مباح جانتا۔

لیکن تحریک وہابیت کے مخالفین کا یہ اعتراض بالکل غلط ہے تاریخ کے صفحات شہادت دے رہے ہیں کہ شیخ الاسلام نے بالآخر مجبوراً اپنی جان اور عقیدہ توحید کو تحفظ دیتے ہوئے تلوار اٹھائی اگر اس کے پیروکاروں میں سے کسی نے ناحق کسی کا خون گرایا ہے اور زیادتی کا مرتکب ہوا ہے تو اس سے شیخ الاسلام کے دامن کو آلودہ کرنا یا اس کی تحریک کو برا بھلا کہنا درست نہیں ہے۔ اور تقریباً ہر تحریک میں ایسے احمق انسان گھس آتے ہیں جن کی بے وقوفیوں سے تحریک کے کاز کو نقصان پہنچتا ہے لیکن تحریک پر اعتراض اس وقت صحیح تسلیم کیا جا سکتا ہے جب وہ اس قسم کے انسانوں کی بے ہودگیوں کو پسندیدہ نگاہوں سے دیکھے یا تحریک کے اصولوں میں ایسی صراحت موجود ہو کہ ابتداً گمراہی مخالفین پر تعدی کی جائے اور انہیں تشدد کا نشانہ بنایا جائے لیکن شیخ الاسلام کی دعوت خالصتاً اسلامی دعوت تھی اور اس کا طریق کار وہی تھا جس کو اسلام نے اپنایا اور اس پر چلنے کا حکم فرمایا جس طرح اسلام پر تبصرہ کرتے ہوئے مخالفین کہتے ہیں کہ اسلام نے آ کر امن و امان کو غارت کیا اور بزور شمشیر

لہ هذه هي الوهابية لمحمد جواد مغنية ص ۷۷ - ۷۸ - الطبعة الاولى ۱۹۶۴ م

اسلام کو پھیلایا حالانکہ اسلام پر یہ الزام کسی صورت میں بھی تسلیم نہیں کیا جاتا اسی طرح شیخ الاسلام اور اس کی تحریک پر بھی تشدد کے جملہ الزامات بے بنیاد اور جھوٹ کا پلندا ہیں۔ تحریک پر بھی تشدّد کے جملہ الزامات بے بنیاد ہیں اور جھوٹ کا پلندا ہیں اور تحریک وہابیت پر بچوں کے ذبح کرنے کا الزام دھرنا اسلامی تعلیمات کے کس قدر مخالف ہے اور پھر تاریخ وہابیت میں کوئی ایک واقعہ بھی اس قسم کا موجود نہیں ہے بلکہ اس کے بالکل مخالف شیخ الاسلام بہترین اخلاق کا نمونہ تھے۔ طبیعت میں نرمی اور لطافت کا بہرہ وافر موجود تھا۔

ایک واقعہ:۔ ایک ملاقاتی سگریٹ پیتا ہوا آیا اتفاقاً اس کے ہاتھ سے سگریٹ گر پڑی۔ شیخ الاسلام نے خود اٹھا کر اس کے ہاتھ میں تھما دی لیکن اتنا خیال ضرور رکھا کہ کہیں ان کے تلامذہ معتقدین نہ دیکھنے پائیں اس لئے کہ تحریک وہابیت سے متاثر افراد سگریٹ نوشی کو بہت برا سمجھتے تھے۔ کیا شیخ الاسلام کے اس طرز عمل سے ثابت نہیں ہوتا کہ انہوں نے اس کی سگریٹ نوشی پر تشدد نہیں فرمایا بلکہ نہایت لطافت کے ساتھ سگریٹ اس کے سپرد کر دی شاید وہ آپ کی اخلاقی بلندی سے متاثر ہو کر سگریٹ نوشی سے تائب ہی ہو جاتے۔

دوسرا واقعہ:۔ جن لوگوں نے شیخ الاسلام کے قتل کے منصوبے بنائے اور ان کو عملی جامہ پہنانے کے لئے سرگرداں رہے شیخ الاسلام جب برسر اقتدار آئے اور حکومت کی زمام اقتدار ان کے ہاتھ میں آئی تو اس وقت ان تمام کو معاف فرما دیا اور خیال رہے کہ شیخ الاسلام کبھی اپنی ذات کی خاطر کسی پر ناراض نہیں ہوتے۔ بس اس کا مشن یہ تھا کہ جن لوگوں کے ساتھ اللہ اور اس کے پیغمبر کی جنگ ہے۔ میری بھی ان کے ساتھ جنگ ہے اور جن لوگوں کے ساتھ اللہ پاک اور اس کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مصالحت ہے میری بھی ان کے ساتھ مصالحت ہے اور وہ میرے بھائی ہیں۔

شیخ الاسلام ابتداءً وعظ و تبلیغ میں مشغول رہے اسلام کی خوبیوں کا

پرچار کرتے۔ شرک و بدعت سے بچنے کی تاکید فرماتے رہے کتاب و سنت کی روشنی میں صراط مستقیم پر چلنے کی دعوت دیتے رہے جب لوگ ان کی باتوں کو قبول کر لیتے تو ان سے جنگ و جدال کرنے کی ضرورت ہی نہ سمجھتے البتہ جو لوگ اسلام کی صداقتوں کے قبول کرنے سے انحراف کرتے اور مقابلہ کے لئے میدان میں اُتر آتے۔ ان کے ساتھ جہاد کرنے کو ضروری سمجھتے۔

پس کوئی منصف مزاج انسان تحریک کے ادوار کا بغور جائزہ لینے کے بعد شیخ الاسلام پر اس قدر سنگین اتہامات نہیں لگا سکتا۔

خلاصہ یہ ہے کہ شیخ الاسلام کی دعوت الی اللہ سلف صالحین کے نقش قدم پر تھی اور ان پر اسلام کی مخالفت کا الزام لگانا بالکل بے بنیاد ہے

وہابی تحریک اور اس کے حقائق

شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب کی تحریک کو بدنام کرنے کے لئے مختلف قسم کے الزامات وضع کئے گئے اور ایسی غلط بیہودہ باتیں ان کی طرف منسوب کی گئیں جن سے ان کا دامن کبھی آلودہ نہیں ہوا تھا یہاں تک کہ شیخ الاسلام اور اس کے متبعین پر کفر کے فتوے لگائے گئے اگر حقیقت بیں نگاہوں سے ان کا جائزہ لیا جائے تو ان کے خلاف عائد کردہ جملہ الزامات بے بنیاد نظر آتے ہیں۔ شیخ الاسلام پر تبصرہ کرنے والوں کا فرض ہے کہ وہ ان کی زندگی کے حالات اور ان کے قول و فعل کی روشنی میں ان پر تنقید کریں لیکن انہوں نے راہِ اعتدال کو چھوڑ کر محض انہیں بدنام کرنے کے لئے من گھڑت افسانے ان کی طرف منسوب کر دیئے ہیں۔ جب ہم ان کی تصنیفات، اقوال افعال کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں ان کی زندگی اسلام کے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق نظر آتی ہے وہ زندگی بھر لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دیتے رہے اور عقائد کی اصلاح میں کوشاں رہے ان کا زاویہ نظر کتاب و سنت کی حکمرانی قائم کرنا

باطل فرسودہ نظریات کو حرفِ غلط کی طرح نیست و نابود کرنا تھا وہ اصلاح امت کے لئے بے قرار رہتے اور اسلام کے صحیح خدوخال کو اجاگر رکھنے کے عزم کو لیکر ہر اس شخص سے الجھ پڑتے جو اسلام کے نصوص، اصول، فروع میں تبدیلی کے احساسات کو عملی جامہ پہنانے کی سعی لاحاصل کرتا۔

کس قدر غلط کار ہیں وہ علماء جو شیخ الاسلام کے معاصر ہیں اور ان کی دعوت کا اسلام کے ساتھ کچھ لگاؤ نہ تھا حالانکہ ان کی دعوت میں اسلام کی صداقتوں کو نہایت پرکشش انداز میں پیش کیا گیا تھا درحقیقت ان لوگوں نے شیخ الاسلام کے اقوال کو محرف بنا کر پیش کیا اور نہایت ہوشیاری، چابکدستی کے ساتھ عوام کو دھوکہ دینا چاہا اور پھر ان کا یہ فعل نہایت شرمناک ہے اس سے شیخ الاسلام کی شخصیت مجروح تب ہو سکتی ہے۔ البتہ یہ لوگ سیدھے راستہ سے بھٹک گئے اور عذاب خداوندی کے مستحق تھے

شیخ الاسلام کیخلاف کہا جاتا ہے کہ اس نے قبوں کو پیوندِ خاک کر دیا اور اس پر خوب شور و غوغا برپا کیا جاتا ہے حالانکہ ان کا قبوں کو گرانا کچھ نیا کام نہ تھا بلکہ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر چلتے ہوئے اس کام کے مرتکب ہوئے۔

اسلام برملا اس بات کا مدعی ہے کہ قبروں پر قبے وثنیت، شرک و بدعت کی آماجگاہ کا سبب بنتے ہیں اس بنیاد پر شیخ الاسلام نے زید بن خطاب کی قبر پر تعمیر شدہ قبے کو منہدم کروا دیا اس طرح بدعت، وثنیت کا خاتمہ کر کے انہوں نے اپنے نامۂ اعمال میں ایک نیک کام کا اضافہ کیا۔

عیینہ میں جو درخت شرک کے اڈے بن چکے تھے ان کے کٹوانے کا حکم دیا ان کا یہ کارنامہ قابل ستائش ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرتے ہوئے انہوں نے درختوں کو کٹوایا۔

آپ کے زمانے میں ذات انواط ایک درخت تھا، مشرک لوگ اس پر ہتھیار لٹکاتے اور وہاں جا کر اعتکاف بیٹھتے آپ ان کے فعل کو اللہ کی ناراضگی کا باعث گردانتے ہوئے اس کے کٹواتے کا حکم صادر فرماتے ہیں۔

شیخ الاسلام پر الزام لگایا گیا کہ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل بیت

کے ساتھ عداوت رکھتا ہے حالانکہ شیخ الاسلام مسلمان تھے اور کوئی مسلمان بھلا مسلمان رہ سکتا ہے اگر وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دشمنی عداوت رکھتا ہے شیخ الاسلام کے رسائل اور ان کی کتاب کے مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے دل میں رسول اکرم کے ساتھ کس قدر محبت موجزن تھی اور ان کی تصنیفات میں شاید ایک آدھ جملہ ایسا ہو جس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صلی اللہ علیہ وسلم کا لفظ موجود نہ ہو اور پھر دعوت الی اللہ کا مشن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت کی علامت ہے۔

اسی طرح شیخ الاسلام اہل بیت کی قدر و منزلت کے معترف تھے چنانچہ ان کا ایک مکتوب جو انہوں نے محمد بن سویلم وثنیان کی طرف تحریر کیا اس میں فرماتے ہیں کہ کسی شرعی حکم کا انکار کرنا اس وقت صحیح ہے جب پہلے اس کی حقیقت معلوم کر لی جائے۔ پس خیال رہے کہ

ہاتھوں کے چومنے کے بارے میں علماء میں اختلاف ہے زید بن ثابت کا عبداللہ بن عباس کے ہاتھوں کا بوسہ لینا ثابت ہے لہٰذا اس سے انکار کرنا درست نہیں اہل بیت کے ہاتھوں کا احتراماً بوسہ لینا صحیح ہے۔ اسی طرح اہل بیت کا امتیازاً سبز لباس پہننا بھی صحیح ہے تاکہ کوئی شخص ان پر ظلم نہ کرے اس لئے کہ اللہ پاک نے لوگوں پر ان کے حقوق واجب فرما دیئے ہیں پس ان کے حقوق کو پامال کرنا جائز نہیں۔ شیخ الاسلام کے خلاف متعصب علماء کا الزام لگانا کہ انہوں نے ایک نئے مذہب کا دروازہ کھولا ہے یہ بھی غلط ہے اس لئے کہ شیخ الاسلام تو اسلام کے تمام اصول فروع کے قائل تھے مسئلہ توحید اور فقہ اسلامی میں ان کا نقطۂ نظر امام احمد بن حنبلؒ کے مسلک کی ترجمانی کرنا تھا اور شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ ابن القیم رحمھما اللہ کی تفاصیل کو اقرب الی الصواب قرار دیتے ہوئے ان کے پرچار کے لئے زندگی بھر کوشاں رہے۔

اگر دنیا پرست علماء اور بعض سیاسی طالع آزما ان کی دعوت کے مقابلہ میں

نہ اترتے تو شیخ الاسلام نہایت مختصر عرصہ میں اپنے مشن کو پایۂ تکمیل تک پہنچا دیتے لیکن انہوں نے شیخ الاسلام کے خلاف زبردست ہنگامہ برپا کیا اور غلط الزامات لگا کر رائے عامہ کو انکی مخالفت پر آمادہ کیا۔ اللہ پاک ایسے علماء سوء کو تباہ و برباد کر دیتے ہیں جو مسلمانوں کی صفوں میں اختلاف کی خلیج کو وسیع بنا دیتے ہیں۔ مسلمانوں میں دشمنی عداوت کا بیج بوتے ہیں اور لوگوں کو ہر داعی الی الحق کی مخالفت کیلئے اکساتے اور اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے مجتہدین کو خارج از اسلام قرار دیتے چنانچہ شیخ الاسلام کے خلاف بھی لوگوں کو اکسایا گیا کہ یہ وسیلہ اور دعا کرانے کے خلاف ہیں صرف اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی طرف دعوت دیتے ہیں اور شرک سے روکتے ہیں۔ نتیجتہً مفسدہ پرداز لوگوں کی پیروی کرتے ہوئے عوام ان کے مخالف ہو گئے اور تحریک وہابیت کے خلاف دلوں میں نفرت اور حقارت کو جاگزین کرا دیا۔ نیز خود غرض شر پسند علماء نے کہا کہ وہابیت شرارت و رذالت کا مجموعہ ہے وحشیت، جمود، درندہ صفت انسانوں کو وہابی کہا جاتا ہے آیاتِ احادیث کی من مانی تاویلات کرتے ہوئے کذب بیانی، دھوکہ بازی سے کام لیتے ہوئے وہابیوں کے خلاف فضا کو مسموم زدہ بنا دیا گیا۔

تعجب انگیز بات

کس قدر حیرت کا مقام ہے کہ شیخ الاسلام کی دعوت کو بدنام کرنے کے لئے ان کے والد کی طرف اس کی نسبت کرتے ہوئے وہابیت کا لقب دیا گیا حالانکہ تحریک کے بانی محمد بن عبدالوہاب ہیں جو تحریک کو کامیابی سے ہمکنار کرتے میں شدید مشکلات سے دوچار ہوئے اگر اللہ پاک کی مدد شامل حال نہ ہوتی تو ممکن تھا کہ انہیں قتل کر دیا جاتا۔

پس تحریک کی نسبت ان کی طرف کرتے ہوئے محمدیت نام رکھنا چاہیئے لیکن شاید اس لئے یہ نام نہیں رکھا گیا کہ اس میں محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے ساتھ اشتباہ ہوتا تھا اور بدنام کرنے کی کوئی صورت نہ تھی اور پھر اس نام میں خوبصورتی، حلاوت اور کشش موجود تھی۔ ان کی دعوت کا نام وہابیت رکھنے سے ان کا مقصد صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس نام سے لوگوں کو تحریک سے خوفزدہ اور متنفر کرنا چاہتے تھے اور مخالفین کا سب سے بڑا کامیاب ہتھیار کسی تحریک کو ناکام بنانے کے لیے اس کو ناجائز طریقوں سے بدنام کرنا ہوتا ہے تاکہ اس کی شہرت داغدار ہو جائے اور اس کے اثرات مخصوص دائرہ سے متجاوز نہ ہو سکیں۔ لیکن ہم وہابیت کا لفظ محض شہرت کی وجہ سے استعمال کر رہے ہیں ورنہ نجد کے علماء، رؤسا اس لفظ کو استعمال کرنا قبیح سمجھتے ہیں۔

وہابیت کوئی نیا مذہب نہیں

وہابیت کوئی نیا مذہب نہیں اہل سنت والجماعت ہی کا دوسرا نام وہابیت ہے شیخ الاسلام کی کتابوں کا مطالعہ کرنے والے لوگ کبھی یہ کلمہ اپنی زبان پر نہیں لا سکتے کہ یہ اسلام کے خلاف کوئی تحریک ہے یا اس کے اصول کتاب وسنت کے ساتھ متصادم ہیں البتہ فروع میں امام احمد بن حنبل، علامہ ابن تیمیہ، ابن القیم قاضی ذہبی، قاضی حنبلی کے مسلک کو ترجیح دیتے ہیں۔

شیخ الاسلام کے خلاف شرمناک جسارت

علماء سوء اپنے مفادات کی حفاظت کرتے ہوئے شیخ الاسلام کو بدعتی کا لقب دیتے ہیں اور ان پر الزام لگاتے ہیں کہ یہ انسان زندگی بھر سلف صالحین کی قبروں کو گراتا اور انہیں گالیاں دیتا رہا اس نے اسلام پر ایک نئے فکر کی طرح ڈالی لیکن شیخ الاسلام نے اپنے خلاف عائد کردہ الزامات، اتہامات کو بے بنیاد قرار دیتے ہوئے سب کا جواب دیا ہے چنانچہ اس سلسلہ میں وہ شریف مکہ غالب بن مساعد کی طرف تحریر فرماتے ہیں (جبکہ شریف نے عبدالعزیز بن سعود

حاکم درعیہ کی طرف لکھا تھا کہ وہ بحث ومناظرہ کے لئے کسی وہابی عالم کو میرے پاس بھیجے) کہ میں شیخ عبدالعزیز الحصین کو بحث کے لئے بھیج رہا ہوں اور مکہ کے علماء کی خدمت میں ایک مکتوب بھی بھیج رہا ہوں۔

شیخ الاسلام کا ایک خط

مکتوب کا خلاصہ درج ذیل ہے:۔

یہ مکتوب محمد بن عبدالوہاب کی طرف سے مکہ مکرمہ کے اعاظم علماء کی طرف مرسل ہے۔ اللہ پاک ان کی مساعی سے سید الانام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کو غالب فرمائے۔ سلام مسنون کے بعد واضح ہو کہ ہمارے خلاف شورش بپا ہے کہ ہم نے نیک لوگوں کی قبروں پر تعمیر شدہ قبے گرا دیئے ہیں اور ان سے دعائیں مانگنے سے منع کر دیا ہے اس لئے کہ ہر قسم کی دعا صرف اللہ پاک سے ہی کرنا لائق ہے اس شورش میں عوام کے ساتھ علماء سوء کا ایک طبقہ بھی شریک ہے جنہوں نے اپنی خواہشات کو اپنا خدا بنا رکھا ہے وہ ہمارے خلاف غلط پروپیگنڈہ کر رہے ہیں کہ ہم اللہ کے نیک بندوں کو گالیاں دیتے ہیں اور ایسی فرسودہ لایعنی باتوں کی ہماری طرف نسبت کر رہے ہیں کہ اس کے بیان کرتے سے شرم محسوس ہوتی ہے پس ہم نے ضروری سمجھا کہ تمہیں اصل حقائق سے باخبر کر دیا جائے کہیں تم بھی ان کی جھوٹی گمراہ کن باتوں کو صحیح سمجھ کر ہماری مخالفت کرنے لگو پس ہم اعلان کرتے ہیں کہ ہم بدعتی نہیں ہیں بلکہ بحمد اللہ ہم لوگ فروع میں امام احمد بن حنبل کے پیروکار ہیں اور اجماعی مسائل میں اجماع کی مخالفت کو ناجائز سمجھتے ہیں۔ پس ہم اللہ پاک، فرشتوں اور تم کو گواہ بناتے ہوئے اعتراف کرتے ہیں کہ ہم اللہ پاک اور اس کے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین پر ہیں اور اہل علم کے اجتہادات پر کاربند ہیں خصوصاً امام احمد بن حنبل کے اجتہادات کو

ترجیح دیتے ہیں۔

شیخ الاسلام کے اس مضمون پر کثیر تعداد میں مکاتیب موجود ہیں جن میں انہوں نے اپنے متبع ہونے کا اقرار کیا اور مبتدع بننے سے انکار کیا لیکن مخالفین ان تمام یقین دہانیوں کے باوجود انہیں بدنام کرتے رہے اور امراء و وزراء کو ان کے خلاف اکساتے رہے معلوم ہوتا ہے کہ مخالفت کرنے والے عدل وانصاف کے تقاضوں سے بالکل نابلد تھے ورنہ اگر حقائق کی روشنی میں شیخ الاسلام کے ان مکاتیب کا مطالعہ کرتے تو کیا ایسے انسان سے جنگ وجدال کر سکتے تھے جو اللہ وحدہٗ لاشریک کی طرف دعوت دیتا ہے اور معاشرہ کی اصلاح کے لئے کوشاں ہے لیکن وہ کسی قیمت پر مفاہمت کے لیے آمادہ نہ تھے اور نہ ہی ان کی باتوں پر کان دھرنے کے لئے تیار تھے وہ بدعات کو محبوب جانتے تھے

یہاں تک کہ اصول دین سے سنت کو نکال کر بدعات کو داخل کر دیا تھا اور ان کی تشہیر واشاعت میں محو تھے۔ شیخ الاسلام نے اہل بدعت کو راہ راست پر لانے کے لئے صرف مکاتیب بھیجنے کافی نہ سمجھے بلکہ ان کی اصلاح کے لئے برابر اپنے شاگردوں کو بھیجتے رہے چنانچہ شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ الحصین کو بھی بھیجا تاکہ وہ بدعات وخرافات کے ازالہ کی کوشش کرے۔ چنانچہ قلیل تعداد میں لوگوں نے حق کو قبول کیا مخالفت کرنے والے شیخ الاسلام اور اس کی دعوت کے خلاف گھناؤنے الزامات تراشتے رہے اور جس قدر شیخ الاسلام کی دعوت کو استحکام فروغ حاصل ہوتا گیا مخالفت کا بازار زیادہ گرم ہوتا چلا گیا۔

شیخ الاسلام کے متبعین اور ان کا تشدد

شیخ الاسلام کے خلاف غلط پروپیگنڈا کے ساتھ ساتھ ان کے متبعین کو متشدد شقی القلب کہا گیا، اگرچہ بعض تلامذہ میں شدت موجود تھی لیکن شیخ الاسلام

پر اس کی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی جب کہ وہ امر بالمعروف نہی عن المنکر میں تشدد کی پالیسی سے بچنے کی تلقین کرتے اور انہیں اس سے باز رکھنے کی کوشش فرماتے۔

شیخ الاسلام کا ایک خط

چنانچہ اپنے متبعین کو خط تحریر فرماتے ہیں۔

بعض متدین قسم کے لوگ بدعات امور منکرہ کو دیکھ کر تشدد پر اتر آتے ہیں جس سے مسلمانوں کے درمیان افتراق رونما ہوتا ہے پس اس سے احتراز کیا جاتے۔ اللہ پاک فرماتے ہیں۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقَاتِہٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا[1]

مومنو! خدا سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور مرنا تو مسلمان ہی مرنا اور سب مل کر خدا کی (ہدایت کی) رسی کو مضبوط پکڑے رہنا اور متفرق نہ ہونا۔

ارشاد نبوی ہے:

اِنَّ اللّٰہَ یَرْضٰی لَکُمْ ثَلَاثًا اَنْ تَعْبُدُوْہُ وَلَا تُشْرِکُوْا بِہٖ شَیْئًا وَاَنْ تَعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَلَا تَفَرَّقُوْا وَاَنْ تَنَاصَحُوْا مَنْ وَلَّاہُ اللّٰہُ اَمْرَکُمْ

اللہ پاک تمہارے لئے تین چیزوں کو پسند فرماتے ہیں اول تم اس کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور اللہ کی رسی کو مضبوطی کے ساتھ تھامے رکھو اور افتراق کو ختم کرو اور اپنے حکام کی خیر خواہی کا خیال رکھو۔

اہل علم کا قول ہے۔

امر بالمعروف نہی عن المنکر کا فریضہ سر انجام دینے والا تین باتوں کا محتاج ہے۔
جس چیز کا حکم دے رہا ہے یا اس سے منع کر رہا ہے اس کو خوب جانتا پہچانتا ہو

---

[1] آل عمران (۱۰۳)

امر بالمعروف نہی عن المنکر میں نرمی اختیار کرے اس راہ میں آنے والے مصائب پر صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے۔

یاد رکھو تم میری ان باتوں کو سمجھنے کے بعد ان پر عمل کرو اس لئے کہ بدعملی ہی خرابیوں کی جڑ ہے تمام اعمال میں اللہ پاک کا ڈر ملحوظ خاطر رکھو اور سمجھداری سے کام لو اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو جب تم کسی برائی کو برا کہو گے تو خطرہ ہے کہ کہیں اس سے فساد رونما ہو جائے افتراق کی وسیع خلیج نہ حائل ہو جائے اور اسلام کو گزند نہ پہنچنے پائے۔

شیخ الاسلام کے ان فرمودات کی روشنی میں کہنا پڑے گا کہ مخالفین نے ان پر افتراق، اختلاف، تشدد وغیرہ کے جو الزامات لگائے ہیں وہ ان سے بری ہیں اور ان کی دعوت کسی نئے مذہب کی طرف نہ تھی بلکہ وہ معاشرہ سے بدعات خرافات کا قلع قمع کرنے کی فکر میں رہتے ہیں دعوت وہابیہ کا بنیادی نقطہ ایک اللہ پاک کی عبادت کی طرف لوگوں کو دعوت دینا اور تمام قسم کی عبادتوں کو اس کے لئے خاص کرنا اور ان میں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا اللہ پاک کو اس کی ذات، صفات افعال میں اکیلا سمجھنا صفات میں کمال کا اعتقاد رکھنا اس جیسا کسی کو نہ سمجھنا اور نہ اس کے مشابہ کسی کو گردانا تمام عیبوں، کمزوریوں سے اس کو منزہ جاننا تھا۔

غور کیجئے کیا یہ نظریات سبھی مسلمانوں کے نہیں ہیں اور کیا وہابیوں کے نظریات عام مسلمانوں کے نظریات کے مخالف ہیں۔

تحریک وہابیت نے اہمیت کے ساتھ جن مسائل کی طرف لوگوں کو دعوت دی درج ذیل ہیں۔

ہر قسم کی عبادات صرف ایک اللہ پاک کے لئے سزاوار ہیں اللہ پاک کے غیر سے مدد مانگنا فریاد رسی کرنا وسیلہ طلب کرنا ناجائز ہے۔ اولیاء اللہ کی شفاعت پر انحصار کرتے ہوئے اعمال کی ضرورت محسوس نہ کرنا۔ قبروں والوں سے عقیدت میں غلو اختیار کرتے ہوئے احترام و اجلال کے ساتھ وہاں آنا جانا شریعت مصطفویہ کی روح کے منافی ہیں۔ نشہ آور چیزوں کو حرام جاننا سگریٹ نوشی، حقہ نوشی کو ناجائز سمجھنا جانوروں

کو اللہ پاک کے نام پر ذبح کرنا اور اپنے تمام معاملات کو اس کی طرف منسوب کرنا۔
ارشادِ خداوندی ہے۔

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

توکل، خشیت، انابت الی اللہ کو راسخ کیا جائے۔ ارشادِ خداوندی ہے۔

عَلَی اللّٰہِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْہِ اُنِیْبُ ؁

وَمَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسْبُہٗ ؂ — اور جو خدا پر بھروسہ رکھے گا تو وہ اس کو کفایت کرے گا۔

فَلَا تَخْشَوْھُمْ وَاخْشَوْنِیْ ؃ — سو ان سے مت ڈرنا اور مجھ سے ڈرتے رہنا۔

مسئلہ توسل بالانبیاء۔ شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب نے توسل کے متعلق اہل سنت والجماعت کا نقطہ نظر پیش کرتے ہوئے واضح کیا کہ پیغمبر کی زندگی میں اس سے بارش وغیرہ کی دعا کروانا ثابت ہے لیکن اس کی وفات کے بعد اس کا وسیلہ پکڑنا جائز نہیں۔ ہاں کسی نیک آدمی کا وسیلہ پکڑنا جائز ہے اس پر اجماع سکوتی ہو چکا ہے چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب ہم قحط سالی کا شکار ہوتے ہم پیغمبر کا وسیلہ پکڑتے تو اللہ پاک ہم پر بارش برساتے اب ان کی وفات کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا عباس کا وسیلہ پکڑتے ہیں معلوم ہوا۔ فوت شدہ لوگوں کا وسیلہ پکڑنا درست نہیں اگرچہ انبیاء کیوں نہ ہوں، اس مسئلہ پر ائمہ کرام نے متعدد رسائل تحریر کیے ہیں۔ ان میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا رسالہ التوسل والوسیلہ اور شوکانی کا الدر النضید قابل ذکر ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے۔

اُولٰئِکَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ یَبْتَغُوْنَ اِلٰی رَبِّھِمُ الْوَسِیْلَۃَ اَیُّھُمْ اَقْرَبُ ؄ — یہ لوگ جن کو خدا کے سوا پکارتے ہیں وہ خود اپنے پروردگار کے ہاں ذریعہ تقرب تلاش کرتے ہیں کہ کون ان میں خدا کا زیادہ مقرب ہوتا ہے۔

؁ الرعد ؂ الطلاق (۳) ؃ البقرۃ (۱۵۱) ؄ بنی اسرائیل (۵۷)

پس اللہ تعالیٰ کے غیر سے مدد مانگنا، وسیلہ پکڑنا جائز نہیں۔ ہاں وہ کام جن میں انسان ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں ان میں کسی سے تعاون کرنا مدد مانگنا درست ہے۔

مسئلہ شفاعت اور تحریک وہابیت

وہابیوں کا عقیدہ ہے کہ قیامت کے دن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا شفاعت کرنا صحیح ہے چنانچہ کشف الشبہات میں مرقوم ہے کہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا منکر نہیں ہوں۔ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شافع مشفع سمجھتا ہوں اگرچہ فی الحقیقت تمام شفاعتیں اللہ کے لئے سزاوار ہیں ارشاد خداوندی ہے۔

قل لله الشفاعة جميعًا [1] کہہ دو کہ سفارش تو سب خدا کے ہی اختیار میں ہے۔

نیز فرمایا:

من ذا الذی یشفع عندہ الا باذنہ [2] کون ہے کہ اس کی اجازت کے بغیر اس سے (کسی کی) سفارش کر سکے۔

نیز فرمایا

ولا یشفعون الا لمن ارتضی [3] اور وہ اس کے پاس کسی کی سفارش نہیں کر سکتے۔

معلوم ہوا کہ کوئی شخص یہاں تک کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اللہ پاک کی اجازت کے بغیر کسی کی شفاعت نہیں کر سکتے اور صرف موحدین کی شفاعت کی جائیگی۔ پس میں اللہ پاک سے ہی شفاعت طلب کرتے ہوئے دعا گو ہوں اللّٰھم لا تحرمنی شفاعتہ اللّٰھم شفعہ منی۔

صحیح حدیث میں موجود ہے کہ قیامت کے دن انبیاء کرام کے علاوہ فرشتے اولیاء اللہ بھی شفاعت کریں گے اس لئے کہ اللہ پاک نے ان کو شفاعت کا استحقاق

---

[1] الزمر (۴۴) [2] البقرة (۲۵۵) [3] الانبیاء (۲۸)

عطا کیا ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ انبیاء، فرشتوں، اولیاء کی عبادت کی جائے۔
یا ان سے دعائیں کی جائیں۔ ارشاد خداوندی ہے

فلا تدعوا مع اللہ احدًا

شیخ الاسلام کتاب التوحید کے باب الشفاعۃ میں رقمطراز ہیں۔
شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں تمام کائنات پر صرف اللہ پاک کا قبضہ ہے اللہ کے علاوہ جن کے بارے مشرکین اعتقاد رکھتے ہیں کہ ان کا بھی اس کائنات کے تصرف میں حصہ ہے یا اللہ پاک ان کی معاونت سے کائنات کے امور سرانجام دیتے ہیں مشرکانہ عقائد ہیں البتہ رب العزت جن لوگوں کو سفارش کرنے کی اجازت بخشیں گے وہ سفارش کریں گے۔ مشرکین جس شفاعت کا تصور رکھتے ہیں اور اس کی بنیاد پہ شرک کرتے ہیں قیامت کے روز معلوم ہو جائے گا کہ انہوں نے غلط سمجھا تھا۔
شفاعت کے متعلق رسول اکرمؐ نے فرمایا کہ قیامت کے روز میں بارگاہ الٰہی میں پہنچ کر سجدہ کروں گا اس میں اللہ پاک کی حمد وثنا کروں گا اس پر اللہ پاک فرمائیں گے اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنا سر سجدہ سے اٹھائیں۔ ہم آپ کی بات سنیں گے۔ سوال کیجیے ہم آپ کے سوال کو پورا کریں گے۔ سفارش کیجیے ہم آپ کی سفارش قبول کریں گے۔
اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ فوراً بارگاہ الٰہی میں پہنچتے ہی سفارش کرنا نہیں شروع کر دیں گے بلکہ اللہ پاک کی حمد وثنا کے بعد اس کی اجازت مرحمت ہونے کے بعد سفارش فرمائیں گے۔
ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ نے آپ سے سوال کیا کون لوگ آپ کی شفاعت کے مستحق ہونگے۔ آپ نے فرمایا۔ میری شفاعت کے حق دار وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اخلاص کے ساتھ لا الٰہ الا اللہ پڑھا۔ مشرک لوگ شفاعت کے مستحق نہیں ہونگے۔
شفاعت کی حقیقت یوں معلوم ہوتی ہے کہ ایک طرف شفاعت کرنے والوں کو اللہ پاک اعزاز واکرام عطا کرنا چاہتے ہیں اور مقام محمود کی سرفرازی سے ہمکنار کرنا چاہتے ہیں۔ دوسری طرف وہ لوگ جو خلوص قلب کے ساتھ اللہ پاک کو وحدہٗ لاشریک

سمجھتے ہیں ان پر الطاف و افضال کی بارش کرنا چاہتے ہیں۔

کتاب التوحید کے حاشیہ میں شفاعت کی تعریف میں تحریر کیا گیا ہے کہ شفاعت گناہوں سے معافی کی درخواست کا نام ہے۔ حافظ ابن القیم نے شفاعت کی چھ قسمیں بیان فرمائی ہیں۔

اوّل: محشر کے میدان میں جب تمام مخلوق گھبرا کر فرداً فرداً تمام انبیاء کے پاس جائیں گے: تاکہ وہ ان کی سفارش کر کے محشر کی بے چینیوں، تکلیفوں سے آرام دلائیں لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ تمام اولوالعزم پیغمبر سفارش کرنے کے لئے آمادہ ہوں گے اور فرمائیں گے کہ صرف مجھے اللہ پاک نے اس شفاعت کے اعزاز کے ساتھ نوازا ہے۔ اس لئے میں بارگاہِ الٰہی میں سفارش کے لیے جاؤں گا۔

ثانی: اہلِ جنت کو جنت میں داخل کروانے کی سفارش کریں گے جس کا ذکر ابو ہریرہؓ کی حدیث میں ہے اور وہ حدیث بخاری مسلم میں موجود ہے۔

ثالث: اُمت کے کچھ گناہگاروں کے لئے سفارش فرمائیں گے جو جہنم کے مستحق قرار دیئے جا چکے ہوں گے لیکن آپ کی سفارش سے وہ جہنم میں داخل نہیں ہوں گے۔

رابع: ان اہلِ توحید کی سفارش فرمائیں گے۔ جنہیں گناہوں کی پاداش میں جہنم میں دھکیلا جائے گا۔ آپ کی سفارش سے انہیں جہنم سے چھٹکارا حاصل ہو گا۔ اس شفاعت کے بارے میں متواتر حدیثیں موجود ہیں اور پھر اس پر تمام صحابہ کرام، اہلِ سنّت کا اجماع ہو چکا ہے۔ جو لوگ اس شفاعت کا انکار کرتے ہیں۔ وہ بدعتی گمراہ لوگ ہیں۔

خامس: جو لوگ جنت میں داخل ہو چکے ہوں گے۔ ان کے درجات کی بلندی کیلئے آپ سفارش فرمائیں گے۔ شفاعت کی اس قسم پر کسی کو اختلاف نہیں۔

سادس: بعض کافروں کی سفارش فرمائیں گے جو جہنم میں داخل ہو چکے ہونگے

لیکن آپ کی سفارش کی وجہ سے ان کے عذاب میں تخفیف واقع ہو گی۔ اغلباً یہ سفارش صرف ابو طالب کے ساتھ خاص ہے۔

معلوم ہوا کہ آپ کی سفارش کا فائدہ ان لوگوں کو پہنچے گا جو دین اسلام پر فوت ہوئے۔ اور شریعت محمدیہؐ پر کاربند رہے۔

سنن میں حضرت عوف بن مالک سے مروی ہے۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَانِي آتٍ مِنْ رَبِّي فَخَيَّرَنِي بَيْنَ أَنْ يُدْخِلَ نِصْفَ أُمَّتِي الْجَنَّةَ وَبَيْنَ الشَّفَاعَةِ فَاخْتَرْتُ الشَّفَاعَةَ وَهِيَ لِمَنْ مَاتَ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا وَفِي لَفْظٍ قَالَ مَنْ لَقِيَ اللّٰهَ لَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا فَهُوَ فِي شَفَاعَتِي۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس میرے رب کی طرف سے آنے والے نے مجھے اختیار دیا کہ آدھی امت محمدیہ کو جنت میں داخل کر لو یا شفاعت کا استحقاق حاصل کر لو۔ پس میں نے شفاعت کو پسند فرمایا۔

شفاعت کا حقدار ہر وہ مسلمان ہے جو اللہ پاک کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا۔ حدیث کے بعض لفظوں میں وارد ہے کہ وہ شخص میری شفاعت کا حقدار ہے کہ وہ جب اللہ پاک سے ملاقات کرے تو وہ اللہ کے ساتھ شرک نہ کرتا ہو۔

پس شفاعت کے متعلق وہابیت کا نقطۂ نظر روز روشن کی طرح ظاہر ہو گیا۔

اہل سنت والجماعت کی رائے بھی یہی ہے لیکن کسی پیغمبر، صدیق، شہید ولی اللہ یا فرشتوں سے شفاعت کی درخواست کرنا مثلاً اے علیؓ، اے حسنؓ حسینؓ سکے ایا تو اللہ پاک کے ہاں میری سفارش کر۔ یا اے نبی اللہ! تو میری اللہ کے ہاں سفارش کر۔ اس قسم کی شفاعت سے اہل سنت انکار کرتے ہیں۔

کسی پیغمبر، ولی، صالحین سے سفارش کروانے کی درخواست کرنے کی صحیح صورت یہ ہے کہ زندہ ہے کہے۔

اَللّٰهُمَّ شَفِّعْ فِيَّ نَبِيَّكَ وَحَبِيْبَكَ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ اَللّٰهُمَّ لَا تَحْرِمْنِي شَفَاعَتَهٗ، اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِي مِنَ الَّذِيْنَ يَشْفَعُ فِيْهِمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یعنی اے اللہ میرے متعلق اپنے پیغمبر محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش قبول فرما۔ اے اللہ پاک تو مجھے آنحضرتؐ کی سفارش سے محروم نہ رکھ۔ اے اللہ! تو مجھے ان لوگوں کے زمرہ میں داخل فرما۔ جن کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفارش فرمائینگے۔

قبروں کا احترام اور وہابیت

عوام الناس قبروں کے احترام میں شرعی حدود سے متجاوز ہیں۔ انبیاء، صدیقین شہداء، صالحین کی قبروں کے احترام میں ان کا غلو واضح ہے۔ جب کہ انکی قبروں کو امتیازی حیثیت عطا کی جاتی ہے۔ تعظیم و تقدیس کے جذبہ سے سرشار ہو کر ان پر قبے تعمیر کیے جاتے ہیں۔ فانوس لٹکائے جاتے ہیں۔ روشنی کا بالخصوص انتظام کیا جاتا ہے۔ زائرین کا تانتا بندھا رہتا ہے اور جن چیزوں کو صرف اللہ پاک سے مانگنا چاہیئے۔ آہ وزاری کے ساتھ ان سے مانگا جاتا ہے۔

غرضیکہ ہر شخص اپنی ضرورتوں حاجتوں کے برآنے پر منتیں مان رہا ہے اور نذر و نیاز کا سلسلہ شروع ہے۔ حالانکہ شریعت محمدیہؐ میں یہ سب صورتیں ناجائز اور حرام ہیں۔ سخت تعجب کا مقام ہے کہ اسلام کا دعوے کرنے والے لوگ کس قدر شرک و بدعت کی بیماری میں مبتلا ہو چکے ہیں اور حق و صداقت سے منہ پھیر کر باطل کی تقدیس کے قائل ہو گئے ہیں اور گمراہی کو پسند کر رہے ہیں حالانکہ کوئی ولی پسند نہیں کرتا کہ اس سے حاجات طلب کی جائیں۔ وہ اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ وہ عاجز ہے کہ کسی کی حاجات کی برآری کرے وہ اتنا کر سکتا ہے کہ کسی کے لیئے یا اپنے لئے کشائش رزق وغیرہ کی دعائیں کرے۔ لیکن اس کی استطاعت سے باہر ہے کہ وہ کسی کی مدد کر سکے۔ عقل سلیم بھی اس کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں تو کیا وہ

ولی فوت ہونے کے بعد کیسے کسی کی ضرورتوں کو پورا کر سکتا ہے۔

اسلام زیارتِ قبور کی اجازت تو عطا کرتا ہے بلکہ اس کو مستحب گردانتا ہے۔ جبکہ زیارت کرنے والا قبر پر کھڑے ہو کر دنیا کی بے ثباتی کا اقرار کرے اور اس تصوّر کو پختہ کرتے ہوئے (کہ اللہ پاک کی ذات کے علاوہ سبھی نے ایک دن فنا ہونا ہے) عبرت حاصل کرے اور اس کے ذہن میں یہ خیال بیدار ہونے لگے کہ ایک دن مجھے بھی یہاں آ کر آباد ہونا ہے اور وہ دن کچھ زیادہ دور نہیں جب مجھے میرے عزیز و اقارب یہاں تنہا چھوڑ کر چلے جائیں گے۔ پھر اعمال کے ساتھ نجات ہو سکے گی۔ اللہ پاک نے ایمانداروں کے لئے جنت تیار کی ہے اور کافروں نافرمانوں کیلئے جہنم تیار کی ہے۔

يَوْمَ لَا يَنفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ إِلَّا مَنْ أَتَى اللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ[1] — جس دن نہ مال ہی کچھ فائدہ دے سکے گا اور نہ بیٹے ہاں جو شخص خدا کے پاس پاک دل لے کر آیا۔

لیکن بخلاف اس کے وہاں جا کر جانور ذبح کئے جائیں۔ حاجات طلب کی جائیں سجدے کئے جائیں۔ یاد رکھیئے کہ یہ کام شرکِ اکبر ہیں۔ اور ان سے بچنے کی بھرپور جدوجہد کی جائے۔

قبروں کی زیارت کی مشروعیّت

قبروں کی زیارت کے وقت انسان اس تصور کو پختہ کرے کہ فوت ہونے کے بعد اللہ پاک کی عدالت میں جانا پڑے گا اور وہاں اعمال کا محاسبہ ہو گا نیک کام کرنے والوں کو اچھا بدلہ ملے گا اور برے کام کرنے والوں کو سزا سے دوچار ہونا پڑے گا پس وہ انسان کس قدر سعید ہے جو اعمال صالحہ لے کر بارگاہ رب العزت میں حاضر ہوا۔ اور وہ انسان کس قدر بدبخت ہے جو بداعمالیوں سے اپنے دامن کو آلودہ کر کے وہاں پہنچا۔

---

[1] الشعراء (۸۸ - ۸۹)

ہم پورے وثوق کے ساتھ کہتے ہیں کہ اگر کوئی انسان اس انداز کے ساتھ قبروں کی زیارت پر مواظبت کرتا ہے اور فوت شدہ نیک لوگوں کے ساتھ روحانی تعلق کو پختہ کرتا ہے تو اس سے اس کے ایمان میں مزید چمک پیدا ہوگی اس کا شعور ملی زیادہ مضبوط ہوگا اور اس کا عقیدہ مستحکم ہوگا اس لئے کہ یہ بات بالکل واضح ہے کہ جب کسی انسان کے عقیدہ میں استحکام اور ایمان میں چمک پیدا ہوگی۔ تو وہ انسان بدکرداریوں سے کنارہ کشی کرے گا کیونکہ ایمان اور گناہ کا اجتماع محال ہے۔

حدیث شریف میں ہے۔

لَا يَزْنِي الزَّانِيْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ الحدیث — زانی زنا کرنے کے وقت مومن نہیں ہوتا۔

ہاں جو لوگ کمزور ایمان والے ہیں وہ اپنی شہوات کے تابع ہوکر گناہوں کا ارتکاب کرتے رہتے ہیں۔ پس قبروں کی زیارت میں کوئی غیر شرعی طریقہ اختیار نہ کیا جائے۔ اور غلو سے بھی احتراز کیا جائے تاکہ لعنتِ خداوندی سے بچاؤ ہو سکے۔

زیارت القبور کی شرعی حیثیت

زیارت کی شرعی صورت یہ ہے کہ زائر قبر کے سامنے کھڑا ہوکر استغفار پڑھے پھر صاحب قبر کیلئے دعا کرے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ زائر ذیل کے کلمات کہے۔

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الدِّيَارِ قَوْمٍ مُؤْمِنِيْنَ وَاِنَّا اِنْشَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَاحِقُوْنَ يَرْحَمُ اللّٰهُ الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنَّا وَالْمُسْتَاخِرِيْنَ نَسْئَلُ اللّٰهَ لَنَا وَلَكُمُ الْعَافِيَةَ اَللّٰهُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَهُمْ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَهُمْ۔	ایماندار لوگوں پر سلام ہو ہم بھی انشاء اللہ تمہارے ساتھ ملنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے پہلوں اور پچھلوں پر رحم فرمائے۔ ہم اپنے اور تمہارے لئے اللہ پاک سے عافیت کا سوال کرتے ہیں۔ اے اللہ تو ہم کو ان کے ثواب سے محروم نہ فرما اور ہمیں ان کے بعد فتنے میں مبتلا نہ کر۔

عبداللہ بن عباس سے مروی ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کی زیارت کرنے ان پر مسجدیں تعمیر کرنے اور چراغ روشن کرنے والی عورتوں کو ملعون قرار دیا۔

قَالَ لَعَنَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَائِرَاتِ الْقُبُورِ وَالْمُتَّخِذِيْنَ عَلَيْهَا الْمَسَاجِدَ وَالسُّرُجَ

ابو داؤد، حاکم میں حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے۔

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَىٰ فَاطِمَةَ أَتَتْهُ، فَقَالَ مَا أَخْرَجَكِ مِنْ بَيْتِكِ فَقَالَتْ أَتَيْتُ أَهْلَ هٰذَا الْبَيْتِ فَرَحِمْتُ عَلَىٰ مَيِّتِهِمْ فَقَالَ فَلَعَلَّكِ بَلَغْتِ مَعَهُمُ الْكُدَىٰ فَذَكَرَ تَشْدِيْدًا فِيْ ذٰلِكَ فَسَأَلْتُ رَبِيْعَةَ مَا الْكُدَىٰ فَقَالَ الْقُبُوْرُ فِيْمَا أَحْسَبُ وَفِيْ رِوَايَةٍ بَلَغْتِ الْكُدَىٰ مَا رَأَيْتِ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَرَاهَا جَدُّ أَبِيْكِ قَالَ الْحَاكِمُ صَحِيْحُ الْإِسْنَادِ وَعَلَى الشَّيْخَيْنِ وَلَمْ يُخْرِجَاهُ۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی فاطمۃ الزہرا سے پوچھا۔ کس لیے گھر سے باہر نکلی ہو۔ اس نے کہا۔ فلاں گھر میں تعزیت کے لیئے آئی تھی۔ آپ نے پوچھا۔ کہیں آپ کدیٰ قبرستان تک تو نہیں چلی گئی۔ اس بات پر آپ نے ناراضگی کا اظہار فرمایا۔

ربیعہ نے کدیٰ کا معنی قبرستان بتایا۔

ایک روایت میں ہے۔ اگر تو قبرستان پہنچ جاتی۔ تو اس وقت تک تجھے جنت میں داخلہ نہ مل سکتا۔ جب تک کہ تیرے باپ کا دادا عبدالمطلب جنت میں داخل نہ ہو جاتا۔

حاکم نے اس حدیث کی سند کو شیخین سے صحیح قرار دیا ہے۔ لیکن شیخین نے اس کو روایت نہیں کیا۔

ابن ماجہ میں حضرت علی سے روایت ہے۔

قَالَ خَرَجَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِذَا نِسْوَةٌ جُلُوْسٌ فَقَالَ مَا يُجْلِسُكُنَّ قُلْنَ نَنْتَظِرُ الْجَنَازَةَ قَالَ

حضرت علی فرماتے ہیں۔ کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے چند عورتوں کو بیٹھے دیکھ کر پوچھا۔ تم یہاں کس لیے بیٹھی ہو۔

هَلْ تُغَسِّلِيْنَ قُلْنَ لَا قَالَ هَلْ تَحْمِلْنَ قُلْنَ لَا قَالَ تُدْلِيْنَ فِيْمَنْ يُدْلِي قُلْنَ لَا قَالَ فَارْجِعْنَ مَأْزُوْرَاتٍ غَيْرَ مَاجُوْرَاتٍ رَوَاهُ اَبُوْ يَعْلَى عَنْ حَدِيْثِ اَنَسٍ۔

انہوں نے جواب دیا۔ ہم جنازہ کی انتظار میں بیٹھی ہیں۔ آپ نے پوچھا۔ کیا تم نے میت کو غسل دیا۔ جواب دیا۔ نہیں۔ کیا تم نے جنازہ اٹھایا؟ جواب دیا نہیں۔ کیا تم نے میت کو قبر میں داخل کیا۔ جواب دیا نہیں۔

آپ نے فرمایا۔ واپس چلی جاؤ۔ تمہیں کچھ ثواب حاصل نہیں ہوا۔ بلکہ تم سزا کی حق دار ہو۔

ابو یعلیٰ نے اس حدیث کو انسؓ سے روایت کیا۔

قبروں پر مساجد کی تعمیر:۔

قبر پر مسجد کا تعمیر کرنا شرعاً حرام ہے۔ اس طرح ان میں نمازیں ادا کرنا قندیلیں روشن کرنا بھی ناجائز ہے۔ احادیث صحیح سے ان کا ناجائز ہونا ثابت ہے۔

علامہ ابن القیمؒ فرماتے ہیں۔

اِتِّخَاذُهَا مَسَاجِدَ وَاِيْقَادُ السُّرُجِ عَلَيْهَا مِنَ الْكَبَائِرِ۔

قبروں پر مسجدیں تعمیر کرنا اور ان پر چراغاں کرنا کبائر میں داخل ہے۔

اسی طرح عورتوں کے لیے قبروں کی زیارت کرنا بھی محرمات میں سے ہے۔

ان تمام مسائل کی حرمات کے وجوہ بالکل ظاہر ہیں۔ قبروں پر مسجدیں تعمیر کرنے میں قبروں کی تعظیم مقصود ہوتی ہے۔ اور اس سے فتنہ میں واقع ہونا لازمی امر ہے۔ اس لیے کہ کسی انسان کی تعظیم و تقدیس کے بعد اس کے ساتھ توسل اختیار کیا جاتا ہے اور ایسا ہونا ناممکن نہیں۔ پہلی امتوں کے واقعات ہمارے سامنے ہیں۔ اور زمانہ حال میں جس طرح لوگ قبروں پر اژدھام رکھتے ہیں۔ وہ کسی سے مخفی نہیں۔ اسی طرح کسی قبر پر روشنی کرنے میں بھی قبر کی تعظیم ہے۔

حالانکہ اس سے کوئی فائدہ حاصل ہونے کا امکان نہیں ہے۔ البتہ بے فائدہ مال کو ضائع کرنا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن القیمؒ اغاثۃ اللھفان میں فرماتے ہیں۔

فمن مفاسد اتخاذها اعیادا للصلوۃ علیه والطواف بها تقبیلها واستلامها وتعفیر الخدود علی ترابها وعبادۃ اصحابها والاستعانۃ بهم وسوٴالهم النظر والرزق والعافیۃ وقضاء الدیون وتفریج الکربات وازالۃ الخطوب وغیر ذالک من انواع الطلبات التی کان عباد الاوثان یسألون منها اوثانهم۔

قبروں کو میلہ گاہ بنانا۔ وہاں نمازیں ادا کرنا۔ طواف کرنا چومنا۔ ہاتھ پھیرنا قبر کی مٹی سے رخساروں کو خاک آلودہ کرنا۔ صاحب قبر کو معبود سمجھنا۔ ان سے مدد مانگنا ان سے نظر کرم کی درخواست کرنا۔ ان سے رزق و عافیت کا سوال کرنا۔ قرض کی ادائیگی۔ مشکلات سے رستگاری۔ سب شرعی مفاسد کے دائرہ میں داخل ہیں۔ اور ایسی درخواستیں ہیں جس طرح کہ بت پرست لوگ اپنے بتوں سے تفرع زاری کے ساتھ درخواستیں پیش کرتے تھے۔ قبروں کو میلہ گاہ بنانے میں غلو کی حد کو بھی پھاند جانے میں عراق کے شیعہ سب سے آگے نکل چکے ہیں۔ جب ان کی نظریں (بزعم خویش) مقدس قبروں کو دیکھنے لگتی ہیں۔ تو وہ دور سے ہی سواریوں سے اتر کر پیدل چلنا شروع کر دیتے ہیں۔ چلتے چلتے بار بار پیشانیوں کو زمین پر جھکاتے ہیں۔ زمین کو چومتے ہیں۔ اکثر اپنا سروں سے ٹوپیاں پگڑیاں اتار پھینکتے ہیں۔ ان کی آوازیں بلند ہوتی جاتی ہیں۔ بچوں کی طرح چیخنا چلانا شروع کر دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان کی ہچکی بندھ جاتی ہے۔ اس حالت میں وہ سمجھتے ہیں کہ وہ ثواب و اکرام میں ہم لوگ بیت اللہ کا حج کرنے والوں سے بھی آگے نکل چکے ہیں۔ لیکن فریاد رسی کے لیئے ان کا چیخنا چلانا بالکل بے سود اور بے فائدہ ہوتا ہے۔ قبر کے نزدیک پہنچ کر دو نفل پڑھتے ہیں۔ ان کی سرشاری اور مستی کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ وہ برملا اظہار کرتے ہیں کہ بیت اللہ، بیت المقدس کو قبلہ

بنا کر نماز ادا کرنے والوں سے اجر و ثواب میں ہم سبقت لے گئے ہیں۔ قبر کے ارد گرد رکوع سجود کی ہیئت میں متکیف ہو کر صاحب قبر کی رضا خوشنودی طلب کرتے ہیں۔ کیا ان سے زیادہ خائب و خاسر انسان کوئی دوسرا ہو سکتا ہے۔ جو شیطان کی خوشنودی کے لیئے آنسو بہاتے ہیں۔ اور چیخ و پکار کا بازار گرم کرتے ہیں۔ اس کے بعد قبر پرستوں کا یہ گروہ قبر کو بیت اللہ کی حیثیت بخشتے ہوئے اس کا طواف کرتے ہیں۔ طواف کے بعد حجرِ اسود کی طرح قبر کو چومنے، ہاتھ پھیرنے میں راحت محسوس کرتے ہیں۔ اور اپنی پیشانیوں کو زمین پر رگڑتے ہیں۔ اور گریہ زاری شروع کر دیتے ہیں۔ شاید بارگاہِ خداوندی میں کبھی اس انداز سے انہوں نے اپنی پیشانیوں کو نہ جھکایا ہو۔ اور نہ کبھی ان پر رقت طاری ہوئی ہو۔ اسی پر بس نہیں کرتے بلکہ عن اتخاذ القبور مساجد" بیت اللہ کے حج کی طرح اس کی تکمیل پر حاجی لوگ حجامت بنواتے ہیں۔ یہ لوگ بھی قبر کے حج سے فراغت پر سر منڈواتے ہیں۔ اور قربانی کے جانور ذبح کرتے ہیں۔ یقیناً ایسے لوگوں کے لیئے اللہ پاک کے ہاں کچھ مقام نہیں۔ جبکہ ان کی نمازیں عبادتیں، قربانیاں غیر اللہ کے آستانے پر ادا ہوتی ہے۔ قبر کی حج سے فراغت کے بعد ایک دوسرے کو مبارک باد پیش کرتے ہیں۔ اور اجر و ثواب کی ہرسانی کی دعائیں مانگتے ہیں۔ قبر کے ساتھ وابستگی اور تعلق کا اندازہ آپ اس سے لگائیے۔ کہ اگر ان سے کہا جائے۔ کہ آپ قبر کے حج کا ثواب ہمیں عطا کر دیجیئے۔ ہم بیت اللہ کے حج کا ثواب آپ کی طرف منتقل کر دیتے ہیں۔ تو وہ قطعاً اس بات کو تسلیم کرنے کے لیئے تیار نہیں ہوتے۔ قبروں کی پرستش کرنے والوں کے احوال و عوائف کا مختصر خاکہ پیش کیا گیا ہے۔ ورنہ ان کی بدعات اور گمراہیوں کی فہرست طویل ہے[1]

[1] اس مسئلہ پر علامہ محمد ناصر الدین البانی کی کتاب "تحذیر الساجد من اتخاذ القبور مساجد" مدلل جامع کتاب ہے۔ راقم الحروف نے اس کا اردو میں ترجمہ

کیا ہے جو بحمد اللہ زیور طبع سے آراستہ ہو کر اندرون ملک اور بیرون ملک عوام و خواص کے ہاتھوں میں موجود ہے۔ (مترجم)

شیخ الاسلام حافظ ابن قیم (التوسل والوسیلہ) میں فرماتے ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے متواتر حدیثیں مروی ہیں۔ جن کا ملخص یہ ہے۔ کہ قبروں کو مسجدوں کی حیثیت دینے والے ملعون ہیں نیز آپ نے فرمایا۔ کہ میری قبر کو بھی میلہ گاہ نہ بنانا۔ اس لیے کہ اولاً اولاد آدم میں شرک کی۔ بیماری نوح علیہ السلام کے عہد میں نمودار ہوئی۔ کیونکہ عبداللہ بن عباس مفسر قرآن کی شہادت کے مطابق حضرت آدم اور نوح علیہ السلام کے درمیان دس صدیوں میں لوگ اسلام کے راستہ پر گامزن رہے۔ صحیحین میں ہے۔ کہ نوح علیہ السلام پہلے پیغمبر ہیں۔ جن کی قوم کی حالت بتاتے ہوئے اللہ پاک نے فرمایا۔

لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۙ وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا ۚ وَقَدْ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا ۔[1]

اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا اور ود اور سواع اور یغوث اور یعوق اور نسر کو کبھی ترک نہ کرنا (پروردگار) انہوں نے بہت لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے۔

سلف صالحین بیان کرتے ہیں۔ کہ یہ لوگ قوم نوح میں نیک سمجھے جاتے تھے جب وہ فوت ہو گئے۔ تو لوگوں نے ان کی قبروں پر اعتکاف بیٹھنا شروع کر دیا۔ زیادہ عرصہ نہ گزرا۔ کہ ان کی پوجا کرنے لگ گئے۔ صحیح بخاری میں عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے۔ کہ جب یہ بت عرب میں منتقل ہوئے تو عرب کے قبائل میں ان کی پرستش ہونے لگی۔ اور عہد رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے اہل عرب بت پرستی میں مبتلا تھے۔ آپ نے جزیرۃ العرب کو بت پرستی سے صاف کر دیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صحابہ کرام نے جہاں بت پرستی کے اڈوں کو ختم کیا وہاں شرک کے اسباب و عوامل کو ختم کرنے کے لیے کوشاں رہے۔

[1] نوح (۲۳)

صحابہ کرام کا موقف

صحابہ کرام نے محسوس کیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی (قبروں پر مسجدیں تعمیر نہ کی جائیں) کا مطلب یہ ہے۔ کہ شرک و بدعت کا دروازہ بند کر دیا جائے۔ جیسا کہ اگرچہ سورج کے طلوع ہونے کے وقت مومن اللہ پاک کے لیے نماز پڑھتا ہے۔ لیکن اس کو نماز ادا کرنے سے اس لیے روک دیا گیا۔ تاکہ سورج کی پرستش کرنے والوں کے ساتھ مشابہت نہ ہو جائے۔ لیکن کون نہیں جانتا کہ کسی قبر کے پاس جا کر اپنی ضرورت کے لیئے دعا کرنا شرک سے زیادہ نزدیک ہے۔ بنسبت اس انسان کے جو سورج کے طلوع ہوتے کے وقت صرف اللہ کے لیے نماز ادا کرتا ہے۔ لیکن صحابہ کرام سورج کے طلوع کے وقت نماز ادا نہیں کرتے تھے۔

نشہ آور چیزوں کی حرمت اور وہابیت

وہابی نشہ آور چیزوں کی حرمت کے سختی کے ساتھ قائل تھے۔ شرابی انسانوں پر حد نافذ کرنے میں قطعاً ہچکچاہٹ محسوس نہ کرتے تھے۔ شرابی انسانوں کے ساتھ نرم برتاؤ کرنے کو شرعاً ناجائز سمجھتے۔ اس لیے کہ اس کی حرمت پر کتاب وسنت کی روشنی میں اجماع امت منعقد ہو چکا ہے۔ نیز دین اسلام کی ادنی اسی چیز سے سرتابی کو گناہ سمجھتے۔

سگریٹ نوشی، حقہ نوشی ان کے ہاں خبائث میں داخل تھی۔ اس لیے کہ اس سے منہ بدبودار ہو جاتا ہے۔ فرشتے بدبو سے نفرت کرتے ہیں۔ جس طرح کہ لہسن پیاز کی بدبو کے بارے میں صراحت موجود ہے۔ کہ فرشتوں کو اس سے تکلیف ہوتی ہے۔

مزید براں تمباکو میں نیکوٹین ایک قسم کا زہریلا مادہ پایا جاتا ہے۔ ماہرین نے اس کا کیمیائی تجزیہ کرنے کے بعد کہا ہے۔ کہ ایک سگریٹ میں نیکوٹین کے اتنے زہریلے اجزا ہوتے ہیں۔ جس سے انسانی زندگی کا ختم ہونا ممکن ہوتا ہے۔ معلوم ہوا۔ کہ اس سے کسی فائدہ کی توقع رکھنا عبث ہے۔ پھر مال کے ضیاع کے ساتھ ساتھ صحت کی بربادی

کا بھی خطرہ ہے۔

طب جدید اور سگریٹ نوشی

مقام مسرت ہے۔ کہ طب جدید نے تمباکو پر ریسرچ کرنے کے بعد فیصلہ دیا ہے۔ کہ تمباکو کا استعمال جسم و عقل دونوں کے لیے نقصان دہ ہے۔ اگر وہابی تحریک کے پیروکار اس کو خبائث، محرمات کی فہرست میں داخل سمجھتے ہیں۔ تو ان کا فیصلہ عقلی، نقلی دلائل کی روشنی میں کسی طرح بھی رد کے قابل نہیں۔ پھر عالمی دنیا میں سگریٹ تیار کرنے والی کمپنیاں اس سے کروڑوں روپے کماتی ہیں۔ ظاہر ہے۔ کہ کروڑوں روپے بے جا صرف ہوتے ہیں۔ اور ان سے صحت کو برباد کیا جاتا ہے۔ تمام طبی ادارے میڈیکل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ تمباکو کے تباہ کن اثرات سے عالمی دنیا کو آگاہ کرتے رہتے ہیں۔ اور اس عادت بد سے تائب ہونے کی تلقین کرتے رہتے ہیں۔

غیر اللہ کی قسم کھانا۔ اور وہابیت

وہابی غیر اللہ کی قسم کو حرام گردانتے ہیں۔ اس لیے کہ اس سے غیر اللہ کی تعظیم مقصود ہوتی ہے۔

سنن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔

مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللهِ فَقَدْ اَشْرَكَ وَقَدْ صَحَّحَهُ التِّرْمِذِي وَغَيْرُهُ وَفِي لَفْظٍ فَقَدْ كَفَرَ

جو شخص غیر اللہ کی قسم اٹھاتا ہے۔ وہ مشرک ہے۔ امام ترمذی وغیرہ نے اس حدیث کو صحیح کہا۔ بعض روایات میں ہے۔ کہ وہ کافر ہے۔

ایک دوسری حدیث میں ہے۔

قَالَ لَا تَحْلِفُوْا بِاٰبَاءِكُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ يَنْهٰكُمْ اَنْ تَحْلِفُوْا بِاٰبَاءِكُمْ وَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ

آپ نے فرمایا۔ تم اپنے باپوں کی قسمیں نہ اٹھاؤ۔ اللہ پاک تمہیں ان کی قسم اٹھاتے

عَلَيهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَلَفَ بِاللَّاتِ وَالعُزّٰى فَلْيَقُلْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

سے منع کرتے ہیں۔ نیز آپ نے فرمایا جو شخص لات عزیٰ کی قسم کھاتا ہے۔ وہ اس کی تلافی کرتے ہوئے لا إلہ إلا اللہ کے کلمات کہے۔

غیر اللہ کی قسم کی بحث کے آخر میں ہم چاہتے ہیں۔ کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کی تصریحات ذکر کریں جن کی تصنیفات سے خصوصیت کے ساتھ شیخ الاسلام محمد بن عبد الوہابؒ متاثر ہوئے تاکہ اندازہ ہو سکے۔ کہ وہابیت کسی نئے دین کا نام نہیں ہے۔ بلکہ اصول۔ فروعا آداب و اخلاق کتاب و سنت کی خوشہ چینی کرنے والوں کا نام وہابی ہے۔

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔

وَقَدِ اتَّفَقَ المُسْلِمُونَ عَلَى اَنَّهُ مَنْ بِالمَخْلُوقَاتِ المُحْتَرَمَةِ اَوْ بِمَا يَعْتَقِدُ هُوَ حُرْمَةً كَالْعَرْشِ وَالكُرْسِيِّ وَالكَعْبَةِ وَالمَسْجِدِ الحَرَامِ وَالمَسْجِدِ الاَقْصٰى صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالمَلَائِكَةِ الصَّالِحِيْنَ وَالمُلُوكِ وَسُيُوفِ المُجَاهِدِيْنَ وَقُبُورِ الاَنْبِيَاءِ وَالصَّالِحِيْنَ وايمان الذق وسراويل الفتوق وغير ذالك لا ينعقد ايمانه ولا كفارة فى الحلف بذالك

تمام مسلمان اس بات پر متفق ہیں۔ کہ جو شخص فی الحقیقت یا اپنے اعتقاد کے مطابق قابل احترام چیزوں۔ عرش، کرسی، کعبہ، مسجد حرام، مسجد اقصیٰ، مسجد نبوی، فرشتوں بادشاہوں مجاہدوں کی تلواروں انبیاء صالحین کی قبروں وغیرہ کی قسم اٹھاتا ہے اس کی قسم کا انعقاد صحیح ہے اور نہ اس پر کفارہ واقع ہوتا ہے۔

چنانچہ جمہور محدثین فقہاء کے ہاں مخلوقات کی قسم اٹھانا حرام ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کا بھی یہی مسلک ہے۔ امام شافعیؒ۔ امام احمدؒ سے ایک قول اس قسم کا مروی ہے۔ صحابہ کرام کا اس پر اجماع بھی ثابت ہے۔ البتہ بعض علماء اس کو کراہت تنزیہی قرار دیتے ہیں۔ لیکن پہلا مذہب صحیح ہے۔

عبد اللہ بن مسعود، عبد اللہ بن عباس، عبد اللہ بن عمر فرماتے ہیں۔ کہ اللہ کے نام کے ساتھ جھوٹی قسم اٹھانا غیر اللہ کے نام کے ساتھ سچی قسم اٹھانے سے بہتر ہے۔ اس لیئے کہ غیر اللہ کے ساتھ قسم اٹھانا شرک ہے۔ اور شرک کی مکروہیت جھوٹ سے کہیں

زیادہ ہے۔ غیر اللہ کی قسم میں بھی بعض علماء نے کفارہ ادا کرنے کو واجب کہا ہے۔ لیکن یہ قول سخت کمزور ہونے کے ساتھ ساتھ اصول، نصوص صریحہ کے بھی مخالف ہے۔ اس طرح غیر اللہ کے نام کے ساتھ سوال کرنا بھی غیر اللہ کی قسم اٹھانے کے حکم میں ہے۔

ریشم، سونے کا استعمال اور وہابیت

وہابی ریشم سونے کے پہننے اور قمار بازی کو نصوص شریعت کی روشنی میں حرام قرار دیتے ہیں۔

تحریک وہابیت کے بیرون ملک اثرات

یہ بات ڈھکی چھپی نہیں۔ کہ تحریک وہابیت کو آغاز ہی میں شدید مخالفتوں سے دوچار ہونا پڑا۔ اور شیخ الاسلام کی زندگی کا اکثر و بیشتر حصہ ان سے نبرد آزما رہنے میں بسر ہوا۔ ان کی مخالفت صرف جزیرۃ العرب تک محدود نہیں رہی۔ بلکہ بیرون ملک بھی انہیں شدید ترین مخالفین سے واسطہ رہا۔ جو تحریک کو کچل دینا چاہتے تھے۔ اور شیخ الاسلام کی زندگی کے چراغ کو گل کرنے کی تدبیریں سوچ رہے تھے۔ چنانچہ خصوصیت کے ساتھ مصر کے حاکم محمد علی پاشا غیظ وغضب سے آگ بگولہ ہو گیا۔ اور تحریک کے روز افزوں اثرات کے مٹانے کے لیئے میدانِ جنگ میں اتر پڑا۔ حکام، امراء جنگ کے لیئے لشکروں کو ترتیب دینے لگے۔ دوسری طرف علماء سوء حقارت اور نفرت پھیلانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کر رہے تھے۔ تقریباً تمام مکاتب فکر کے علماء اہل سنت والجماعت، شیعہ، بدعتی وغیرہ تحریک وہابیت کی بیخ کنی کے لیئے اپنے وسائل استعمال کر رہے تھے۔ ان کو بدنام کرنے اور تحریک کے اثرات کو مٹانے کے لیئے بیسیوں کتابیں لکھی گئیں۔ مسلسل مضامین شائع کیئے گئے۔ اور خصوصی مقالے احاطہ تحریر میں لائے گئے۔ تمام عرب ممالک اور اسلامی شہروں میں ان کے خلاف دشمنی کی آگ کو بھڑکایا گیا۔ یہاں تک کہ حالات اس قدر خراب ہو گئے۔ کہ کسی عالم لیڈر سے نفرت دلانے کے لیے اس کو

وہابی کہہ دینا کافی تھا۔ فوراً لوگ اس سے اُلجھ پڑتے۔ اس کا گریبان پکڑ لیتے۔ اس کی مخالفت کا ڈھنڈورا پیٹتے۔ چنانچہ سلطنت برطانیہ جیسی عظیم سلطنت نے ہندوستان کے مسلمانوں کے درمیان افتراق کی خلیج کو وسیع کرنے کے لیئے وہابی کے لفظ سے بہت فائدہ اٹھایا۔

استاذ عبدالمنعم النمر اپنی کتاب (تاریخ الاسلام فی الہند کے ص۳۱۹ پر سید احمد بریلوی شہید کے عنوان کے تحت رقمطراز ہیں۔

سیّد احمد شہید دعوت وارشاد کے میدان میں خصوصیت کے ساتھ دو چیزوں پر زور دیا کرتے تھے۔ اوّلاً دین اسلام کو بدعات وخرافات سے پاک کیا جائے۔ ثانیاً جہاد کا نعرہ بلند کیا جائے۔ چنانچہ بعض علماء اور عوام نے سید احمد شہید کی تحریک کو بدنام کرنے کے لیے اس کے ڈانڈے تحریک وہابیت کے ساتھ ملاتے ہوئے کہا۔ کہ جس طرح وہابیوں نے مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ اور دوسرے شہروں میں قبروں مزاروں کو منہدم کر دیا ہے۔ اسی طرح ہندوستان میں اس تحریک کے بانی اور پیروکار بھی وہابی ازم کو اپنا رہے ہیں۔ لہٰذا ان سے مقاطعہ کیا جائے۔ تاکہ ان کے زہریلے اثرات سے بچاؤ حاصل رہے۔

کس قدر افسوس کا مقام ہے۔ کہ پاک وہند کے علماء، عوام، انگریزوں سکھوں کی دسیسہ کاریوں کی زد میں آ گئے۔ اور سیّد احمد شہید کی تحریک کے خلاف طوفان بدتمیزی بپا کر دیا۔ مجاہدین کو بدنام کرنے کے لیے مختلف قسم کے حیلے بہانے تراشے گئے۔ اور انھیں وہابی کہہ کر ان سے لوگوں کو دور بھگایا گیا۔ حالانکہ حالات کا تقاضا تھا۔ کہ مسلمان متحد ہو کر انگریزوں کے خلاف جہاد کرتے اور پاک وہند میں اسلامی حکومت کے قیام میں سید احمد شہیدؒ کے ساتھ تعاون کرتے۔ لیکن یہ سادہ لوح مسلمان انگریزی سیاست کو سمجھنے سے قاصر رہے اور ان کے آلہ کار بن کر اپنے بھائیوں کی مخالفت میں ڈٹے رہے۔ اور ان کی گردنیں اڑاتے رہے۔ کس قدر رلا دینے والا سانحہ ہے۔ کہ ان بدکردار لوگوں نے سید احمد شہید کو زہر دے کر موت کے گھاٹ اتارنا چاہا۔ لیکن وہ چند دن بے ہوش رہنے کے بعد دوبارہ جہاد فی سبیل اللہ کے لیے میدان میں اترے۔

مخالفین کا پروپیگنڈا دن بدن تیز ہونے لگا اور تمام عالم اسلام میں وہابیت سے بیزاری کا اظہار ہونے لگا۔ جو شخص بدعات و خرافات کے خلاف برسرِ پیکار ہوتا۔ اس کو وہابی کے لقب سے پکارا جاتا۔ عوام الناس بلا سوچے سمجھے ان کے خلاف جھوٹی باتوں کی تصدیق کرتے ہوئے ان کی جان کے دشمن بن جاتے۔ ان علماء پر زیادہ افسوس آرہا تھا جو کسی نہ کسی مکتبِ فکر کی طرف منسوب تھے۔ لیکن شیخ الاسلام کی دعوت اسلام کو بھونڈے انداز میں پیش کر رہے تھے۔ اور انہیں گمراہ اور کافر کہہ کر عوام الناس کو ان کے خلاف مشتعل کر رہے تھے۔

سید احمد شہید کا سفرِ حج

سید احمد شہید ۱۲۳۸ھ (۱۸۲۲ء) میں جب بیت اللہ کے حج کے لیئے مکہ مکرمہ پہنچے۔ تو وہاں وہابیت سے متعارف ہوئے۔ جبکہ مصر کے والی محمد علی پاشا نے پوری قوت کے ساتھ اس تحریک کو کچلنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔ اس کے باوجود مکہ مکرمہ میں وہابیت سایہ افگن تھی۔ اور اس کے پیروکار وہاں موجود تھے۔ جن کے ساتھ ملاقات کرنے سے انہیں دعوت وہابیت کے حقائق معلوم ہوئے۔ اور پتہ چلا۔ کہ حیا ... کا یہ گروہ بدعات و خرافات کے خلاف برد آزما ہے۔ چنانچہ جب سید احمد شہید واپس وطن لوٹے۔ تو انہوں نے شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب کے خطوط پر تحریک کو چلایا۔ اور جہاد مقدس کا نعرہ بلند فرمایا۔

عقاد اپنی کتاب (الاسلام فی القرآن) کے صفحہ ۶۹ پر رقمطراز ہے۔

شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب کی تحریک کی صدائے بازگشت سید احمد بریلوی کی وساطت سے پنجاب میں سنی گئی۔ اور سکھوں کے خلاف کھلم کھلا اعلانِ جنگ کیا گیا۔ جہاد کو فرض قرار دیا گیا۔ یہاں تک کہ خود بھی سکھوں کے خلاف لڑتے ہوئے میدانِ جنگ میں جام شہادت نوش کر گئے۔

سید احمد بریلوی کے مخالفین ان کی تحریک کو بے اثر بنانے کے لیے انہیں وہابی کہہ کر لوگوں

کو ان سے متنفر کر رہے تھے۔ مسلمانوں کی صفوں میں انتشار پیدا کرنے کی کوششیں کر رہے تھے۔ تا آنکہ پنجاب میں یہ مقدس تحریک ناکامی سے ہمکنار ہوئی۔

دوسرے ملکوں میں وہابیت سے متاثرہ افراد کی مساعی

بعض ملکوں میں وہابیت سے متاثرہ افراد مخالفین کی اذیتوں کے خوف سے در پردہ تحریک کا پرچار کرتے۔ لیکن ان کے اخلاص میں کچھ شک و شبہ نہ تھا۔ جب وہ حالات کو موافق پاتے۔ تو برملا تحریک کی اشاعت میں سرگرم ہو جاتے۔ چنانچہ چودھویں صدی ہجری میں جب مغربی تہذیب و تمدن نے مشرقی ممالک کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ پہلی جنگ عظیم کے بادل فضائے بسیط سے چھٹ گئے۔ تو عرب ممالک بھی گہری نیند سے بیدار ہوئے عرب کے دانشوروں نے مغربی علوم کی تحصیل میں دلچسپی لی اور مغربی تہذیب و تمدن کو اختیار کیا۔ مصر میں جدید دینی مدارس کی بنیادیں رکھی گئیں۔ جدید ترقی یافتہ علماء نے عالم عرب میں اسلامی مغربی ثقافت کا امتزاج اس انداز سے کیا۔ کہ لوگوں کو تقلید سے متنفر کر دیا۔ انکو علمائے دین کی فہرست میں داخل کرنا درست نہیں۔ بلکہ یہ لوگ مفکرین، دانشوروں کے زمرے میں سمجھے جاتے تھے۔ ان کی طرف سے وہابی تحریک کی حمایت میں مضامین لکھے گئے۔ مقالات تیار کیے گئے۔ کتابیں لکھی گئیں۔ آزادانہ طور پر تحریک وہابیت پر تبصرہ کرتے ہوئے لوگوں کو وہابیت کے قریب کیا گیا۔ شیخ الاسلام کے اصلاحی کارناموں کو سراہا گیا۔ ان کے خلاف اٹھنے والے تمام اعتراضات کا جواب دیا گیا اور ان کی دعوت کو اسلامی دعوت کہا گیا۔

مصر کے حکام کا انداز

مصر کے حکمران وہابیت کی مخالفت میں پیش پیش رہے۔ لیکن مصر کے تجدد پسند اہل علم وہابیت کی طرف سے مدافعت کرتے رہے۔ بلکہ مصر کے حکمرانوں کو بھی تنقید کا نشانہ بنانے سے گریز نہ کرتے۔ ان کی دیکھا دیکھی نہ صرف مصر کے متجددین ہی وہابیت کی اصلی شکل کو

پیش کر رہے تھے۔ بلکہ سوریا اور دوسرے ملکوں کے دانشور لوگ بھی مصری متجددین کے ملک کی حمایت میں سرگرم تھے۔ چنانچہ شام کے علامہ کرد علی نے (اصل الوہابیہ) کے عنوان سے مجلہ (المقتطف ۱۳۱۸ھ د ۱۹۰۱ء) میں سیر حاصل بحث کی ہے۔ دوبارہ اس بحث کو القدیم والجدید مطبوعہ ۱۳۴۳ھ میں شریک اشاعت کیا ہے۔ بحث کے آخر میں لکھتے ہیں۔

شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب داعی انسان تھے۔ جس نے لوگوں کو گمراہی سے سیدھے راہ کی طرف نکالا۔ دین اسلام کے قریب کیا۔ اگر اس کے بعض پیروکاروں میں شدت موجود ہے۔ تو در حقیقت وہ لوگ جنگل میں رہنے والے ہیں۔ اور میں اس بات کے کہنے میں جھجک محسوس نہیں کرتا ہوں کہ کسی اسلامی تحریک کے کارکنوں میں اس قدر دین اخلاص، راست بازی نہیں دیکھی گئی جس قدر ان تمام صفات کا بہرہ وافر ان میں موجود نظر آیا۔ ہم عرصہ دراز تک اس جماعت کے عوام و خواص کا جائزہ لیتے رہے ہیں۔ لیکن کوئی ایک انسان نظر نہ آیا۔ جو اسلام کے سیدھے راہ سے دور نظر آیا ہو۔

(بنگال میں تحریک وہابیت کے اثرات)

انیسویں صدی عیسوی میں بنگال میں تحریک وہابیت بار آور ہوئی چنانچہ تحریک کا یہ نتیجہ نکلا۔ کہ وہاں کے لوگ کثیر تعداد میں دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ اور اصلاحات کے لیئے کوشش کی گئی۔ جس سے اخوت اسلامیہ کا جذبہ اجاگر ہوا۔ چنانچہ سر آرنلڈ اپنی کتاب دعوۃ الاسلام ص ۲۳۹ طبع عربی میں رقمطراز ہیں۔ کہ انیسویں صدی عیسوی میں دعوۃ الاسلام کی تحریک نے بنگال کی مذہبی حالت کو قابل رشک بنا دیا۔ اور کثیر تعداد میں وہاں ایسے مبلغین آئے جو وہابی تحریک کے ساتھ منسلک تھے۔ وہ اس ملک کے اطراف و اکناف میں پھیل گئے۔ انہوں نے اس ملک کے ہندوانہ مشرکانہ عقائد سے نکالنے کے لیئے دعوت و ارشاد کے بازار کو گرم رکھا۔ اور اسلامی عقائد کو پھیلایا۔ نیز اسلامی سپرٹ کو بیدار کیا۔ وہابی تحریک کو کامیابی سے ہمکنار بنانے والے داعی اور مبلغ حضرات اگرچہ اس کام کے لیے فنڈ کے محتاج تھے لیکن ہم دیکھتے ہیں۔ کہ وہ فقر و فاقہ کی حالت میں تحریک کے پرچار میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت

نہیں کرتے۔ چنانچہ جب میں جمادی الآخر ۱۳۸۹ھ میں مشرقی پاکستان میں تھا۔ تو وہاں بعض ایسے علماء سے ملاقات ہوئی۔ جنہوں نے مجھے بتایا۔ کہ ان کے اساتذہ نے شیخ عبد اللہ اور شیخ عمر سے دینی علوم کا اکتساب کیا۔ یہ دونوں بزرگ شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب کے پوتے ہیں۔

شیخ عبداللہ بن حسن حجاز میں رئیس القضاۃ کے منصب پر فائز تھے ۱۳۷۸ھ میں فوت ہوئے۔ یہ انسان متقی پرہیزگار علماء سے شمار ہوتے تھے۔ اور ان کے تلامذہ تمام اسلامی ملکوں میں کثرت کے ساتھ موجود ہیں۔ وہ اپنے شاگردوں کے ساتھ رحم دل اور شفیق تھے ان کے صاحبزادے بھی نیک پرہیزگار علماء میں شمار ہوتے ہیں۔ ان میں سے شیخ عبدالعزیز اور شیخ حسن سعودیہ میں وزارۃ المعارف کے منصب پر سرفراز رہے۔ اور شیخ حسن تو اب تک تعلیم کے وزیر ہیں۔

شیخ عمر بن حسن

البتہ شیخ عمر بن حسن نجد مشرقی علاقہ تا بلاد میں امر بالمعروف کمیٹی کے چیئرمین ہیں۔ تمام اسلامی ملکوں میں ان کے شاگردوں کا دائرہ اثر خاصا وسیع ہے۔ چنانچہ میں نے ان میں سے بعض کو چین اور پاکستان میں دیکھا۔ شیخ عمر بن حسن اپنے بڑے بھائی شیخ عبداللہ بن حسن کی طرح شاگردوں کے ساتھ محبت سے پیش آتے۔ اور ان کا گھر طالبان علم کے لیے ہر وقت کھلا رہتا۔ ان کے صاحبزادے ان کے معاون ہوتے تھے۔ بنگال میں جب وہابی تحریک کے اثرات کا جائزہ لیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ بلاشبہ ملک کے دور دراز کے علاقوں میں اسلامی تعلیمات کے پھیلنے کا سہرا ان کی روشن پیشانیوں پر بندھتا ہے۔ باوجود اس بات کے کہ یہ لوگ مالدار نہ تھے۔ لیکن اس کے باوجود انہوں نے اسلامی حقائق کو پورے زور کے ساتھ لوگوں کے سامنے پیش کیا۔ اگر ان کے پاس مال و دولت کی فراوانی ہوتی۔ تو وہ اسلام کے پھیلانے میں بیش بہا خدمات سرانجام دے سکتے تھے۔ ایک بنگالی وہابی لیڈر نے مجھے بتایا۔ کہ اگرچہ تحریک وہابیت کی نسبت بظاہر محمد بن عبدالوہاب کی طرف ہے۔ لیکن یہ

تحریک خالص اسلامی تحریک ہے۔ اور قابل مبارک باد ہے۔ اس لیے کہ اس تحریک کو تقویت پہنچانے والے علماء اذیتوں اور مصائب سے دوچار ہوئے۔

اس میں کچھ شک نہیں۔ کہ اس تحریک کے اثرات صرف پاک وہند کی سرزمین تک محدود نہ رہے۔ بلکہ شرق الہند کے دور دراز جزیروں انڈونیشیا، جاوہ، سماٹرہ تک پھیل گئے۔ اگرچہ ہالینڈ کی سلطنت ان کے اثرات کے پھیلنے میں مزاحم تھی۔ لیکن تحریک کے علمبردار بے سروسامانی کے باوجود اپنے مشن میں سرگرم رہے۔

ڈاکٹر سر آرنلڈ رقمطراز ہیں:۔ کہ ۱۸۵۳ء میں سماٹرہ کے تین حاجی جب مکہ مکرمہ سے وطن واپس لوٹے تو چونکہ وہ مکہ مکرمہ میں اقامت کے دوران وہابی تحریک سے روشناس ہو چکے تھے اور ان کی دینی غیرت بیدار ہو چکی تھی اس لیے انہوں نے تحریک توحید کی طرف دعوت دیتے ہوئے اسی عزم کو ملحوظ رکھا۔ جس کو وہابی تحریک ساتھ وابستہ افراد ملحوظ رکھتے تھے۔ انہوں نے اولیاء اللہ کے ساتھ وسیلہ پکڑنے، شراب پینے، جوا کھیلنے اور ان تمام اعمال کو حرام قرار دیا۔ جن کی حرمت قرآن پاک کے نصوص سے ثابت شدہ تھی۔ اور برائے نام اسلام ہوا مسلمانوں کو غیر مسلموں کی فہرست میں داخل کر دیا۔ جن کے عقائد و نظریات مشرکانہ تھے۔ اور ان کی عملی زندگی اسلامی تعلیمات سے عاری تھی۔ بلکہ ان کے خلاف جہاد کا اعلان کیا۔

البتہ جب ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں تحریک کی باگ ڈور آئی۔ جو اپنی شہرت چاہتے تھے۔ جن کے ذاتی مقاصد تھے۔ تو اسی وقت اس کے اصلی رنگ کی چمک دمک ماند پڑ گئی۔ اور اس کی قوت میں اضمحلال نظر آنے لگے۔ اب ان کو جذبہ جہاد میدانِ کارزار میں ہی نہیں لے جا رہا تھا۔ بلکہ وحشت و بربریت کا مظاہرہ کرتے اور انسانی جانوں کے خون کے ساتھ ہولی کھیلنے کے لیے فخر و مباحات کے ساتھ رزم گاہ میں پہنچ رہے تھے۔ بالآخر ۱۸۲۱ء میں تحریک کے رضا کاروں کی (جن کو بدری رضا کار کہا جاتا تھا۔) ہالینڈ کی حکومت کے ساتھ مڈ بھیڑ ہوئی اور ۱۸۳۸ء سے پہلے ہی ان کا چمکتا ہوا ستارہ ڈوب گیا۔ اور ان کی شوکت و ہیبت کا سایہ زوال پذیر ہو گیا۔

اس میں شک نہیں کہ افریقہ میں دعوت وہابیہ سے پہلے بھی لوگ مسلمان تھے لیکن وہ برائے نام مسلمان تھے۔ ان میں رسمی طور پر اسلام تھا لیکن جب ان کے کان شیخ الاسلام کی دعوت سے روشناس ہوئے تو ان کی اسلام سے محبت بڑھتی چلی گئی اور ان کے عزائم مضبوط ہوتے چلے گئے اور تمام افریقہ دعوتِ وہابیہ کے پرچار سے گونج اٹھا ابھی اٹھارویں صدی عیسوی اپنے اختتام کو نہیں پہنچی تھی کہ فلبی قبائل سے، اسلام کی دعوت کو ایک انسان لے کر کھڑا ہوا جو الحاج شیخ عثمان و نفدیو مجاہد، مصلح کی حیثیت سے متعارف ہے۔

الحاج شیخ عثمان و نفدیو

یہ شخص بہت بڑا مصلح تھا جب مکہ مکرمہ حج کے لیے گیا تو وہاں اس نے دعوت وہابیہ کا جائزہ لیا تو محسوس کیا کہ یہ اسلامی دعوت ہے اور وہی دعوت ہے جس کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم لائے تھے۔ اس احساس کے بعد دعوت کیا تو اس کا تعلق مزید گہرا ہو گیا جب وطن واپس لوٹا تو اس نے شیخ الاسلام کی دعوت کا کام پرچار شروع کر دیا۔ اسلام کی نشر و اشاعت پہ اپنی تمام توانائیوں کو صرف کر دیا۔ بدعات، خرافات کے خلاف محاذ جنگ بنایا اور مسلمانوں کو خواب غفلت سے بیدار کیا۔ چنانچہ براُرنلڈ "الدعوۃ الاسلام" میں رقمطراز ہے۔

اٹھارویں صدی عیسوی کے آخر میں فلبی جماعت سے ایک شخصیت جلوہ گر ہوئی جس کا نام شیخ عثمان دنفدیو تھا۔ لیکن وہ اپنی اصلاحی کوششوں کی بنا پر مصلح، داعی، مجاہد کے لقب سے متعارف ہوئے وہ سوڈان سے مکہ مکرمہ فریضہ حج کی ادائیگی کے لیے وہاں سے واپس وطن آئے تو اسلام کی حمایت کے جوش و ولولہ سے بھرپور کوشش کرتے رہے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مکہ مکرمہ میں رہنے کے دوران وہابی تحریک سے متاثر ہوئے چنانچہ انہوں نے میت کی روح پر صلوٰۃ اور فوت شدہ اولیاء کی تعظیم، اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت میں مبالغہ کرنے کا انکار کیا ان کے ساتھ ساتھ انہوں نے شراب نوشی، اخلاق باختگی کے خلاف محاذ آرائی فرمائی اس لیے کہ سوڈان میں یہ دونوں

خباثتیں عام طور پر موجود تھیں۔

فلپی اٹھارویں صدی کے آغاز میں

یہ لوگ چھوٹے چھوٹے قبائل میں بٹے ہوئے تھے اور رسوڑان کے جزیروں میں زراعت وغیرہ پر گذر اوقات کرتے تھے۔ چنانچہ ۱۸۲۱ء میں ایک سیاح زیبا ان کا نقشہ ان الفاظ میں بیان کرتا ہے۔

زیبیا نہر کے دونوں کناروں پر جو شہر آباد ہیں ان میں ایک جماعت ایسے لوگوں کی ہے جو گندمی رنگ کے ہیں ان کو فولر یعنی فلپی کہا جاتا ہے۔ اہل عرب کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں ان میں اکثریت ان لوگوں کی ہے جو عربی زبان میں کلام کرتے ہیں اس لیے کہ اپنے مدارس میں وہ یہ زبان سیکھتے اب اور پھر ان کی الہامی کتاب بھی عربی میں ہے اور پھر یورپ والوں کا لاتینی زبان کی طرف اتنا رحجان نہیں ہے جتنا کہ ان کا رحجان عربی زبان کی طرف ہے۔ جب ہم دیکھتے کہ ان میں اکثریت ان لوگوں کی ہے جو عربی بولتے ہیں حالانکہ ان کی اپنی مادری زبان بڑی غیر مہذب ہے جس کا نام فولی ہے۔ قبائلی زندگی گزارتے ہیں۔ رہائش کے لیے عمدہ شہر تعمیر کرتے ہیں اور کسی بڑے سے بڑے بادشاہ کے زیر نگیں ہونے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اگرچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ان بادشاہوں کے زیر اقتدار علاقوں میں رہائش پذیر ہیں اس لیے کہ جب کوئی قوم ان سے کسی قسم کی بدسلوکی کرتی ہے جہاں یہ رہائش پذیر ہوتے ہیں تو ان کی آبادیوں کو کھنڈر بنا کر دوسرے علاقوں میں چلے جاتے ہیں۔

سر آرنلڈ کہتا ہے کہ یورپی تنظیم تشدد کی پالیسی اختیار کر کے آباد شہروں کو کھنڈرات میں تبدیل کیا۔ کثرت کے ساتھ انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا لیکن ان کے تشدد سے اسلام کی اشاعت نہ ہو سکی اور کوئی شخص اسلام میں داخل نہ ہوا ہاں جب ہالینڈ کی حکومت نے ان کی تنظیم کو تہ و بالا کر دیا اور ان کے علاقوں کو اپنے زیر نگیں کر لیا تو اس وقت صلح و آشتی کی فضا میں اسلام کی اشاعت ہوئی اور مسلمانوں کے اخلاق سے متاثر ہو کر لوگ دین اسلام میں داخل ہوتے شروع ہو گئے لہٰذا تسلیم کرنا

پڑے گا کہ وہابی تحریک کا انداز تشدد آمیز پالیسی پر مبنی نہ تھا بلاشبہ اس تحریک کے رہنماؤں نے مسلمانوں کو جھنجھوڑا اور بدعات، خرافات کے خلاف لڑائی جاری رکھی لیکن وہ تشدد سے الگ تھلگ رہے۔

ملک عبدالعزیزؒ کا عہدِ سلطنت

۱۳۴۲ھ ہجری میں جب ملک عبدالعزیز حجاز کے حکمران بنے تو سماٹرا، جاوا جزائر شرق الہند سے دینی علوم کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے ہزاروں کی تعداد میں لوگوں نے مکہ مکرمہ، مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم حرسہا اللہ کا رُخ کیا چونکہ وہ ہالینڈ کے استعمار کے مظالم کا تختۂ مشق بنے ہوئے تھے اس لیے حجاز پہنچ کر انہوں نے اطمینان کا سانس لیا خصوصاً شیخ عبداللہ بن حسن آل الشیخ نے طالبان علم کی رہائش کے لیے مسجد الحرام، مسجد نبوی اور مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ کے مدارس میں بہترین انتظام فرمایا تاکہ وہ اطمینان وسکون کی فضا میں آرام کے ساتھ علم کے زیور سے آراستہ پیراستہ ہوں اور ان میں سے کچھ تعلیم کے حصول کے لیے ریاض چلے گئے دوران تعلیم طلبہ شیخ عمر بن حسن آل الشیخ کے طلبہ کے ساتھ محترمانہ رویہ خصوصی مراعات تعظیم و تکریم سے بیحد متاثر ہوئے۔

چنانچہ تعلیم سے فراغت حاصل کرکے ہزاروں کی تعداد میں علماء جب اپنے اپنے شہروں میں واپس آ گئے تو انہوں نے وہابیت کی دعوت کا کھلے بندوں پرچار کیا۔ اور اسلام کے خوشنما چہرے کو خرافات، بدعات وغیرہ اور کدورتوں سے صاف کر دیا۔ اور ان جزیروں میں اسلام کا ڈنکا بجنے لگا۔

حرمین شریفین مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ اور ریاض میں طلب علم کے لیے نہ صرف انڈونیشیا کے جزائر سے لوگ آ رہے تھے بلکہ پاک وہند سے بھی ہزاروں اور ترکستان وغیرہ سے سینکڑوں کی تعداد میں لوگ شیخ الاسلام کے پوتوں سے طلب علم کے لیے آئے البتہ چین سے محدود چند افراد علم کی شعاعوں سے مستفید ہونے کے لیے عازم حجاز ہوئے

افریقیہ میں دعوت کے اثرات

حالات کا جائزہ لینے کے بعد تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ افریقیہ میں دعوت کے اثرات نمایاں تھے۔ اٹھارویں صدی عیسوی کے آخر میں افریقی دعوت سے متاثر ہوئے تو انہوں نے افریقیہ کے شہروں میں دعوت کے نشر و اشاعت کا انتظام کیا۔ نتیجۃً افریقیہ میں رہنے والوں کی کثیر تعداد دائرہِ اسلام میں داخل ہو گئی۔

فلبی قبائل میں حکومت

یہ اپنے میں سے اپنے حاکم مقرر کرتے ہیں جو عدل و انصاف کو ملحوظ رکھتے ہوئے مفوضہ امور سرانجام دیتے ہیں اور ان کی خدمات جلیلہ کو بنظر تحسین دیکھا جاتا ہے۔ یہ لوگ انفرادی زندگی پر اجتماعی زندگی کو ترجیح دیتے ہیں یہی وجہ ہے کہ وہ سکون و اطمینان کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں اور عوام اور حکومت کے درمیان کوئی ایسا جھگڑا رونما نہیں ہوتا جس سے فضا میں کھچاوٹ اور افراتفری کا بازار گرم ہو۔ اصل بات یہ ہے کہ عوام طبعاً شرارت پسند نہیں ہیں اور پھر حق و انصاف کے دامن کو تار تار کرنے کے لیے تیار نہیں نیز ان کی اعلیٰ تربیت کا نتیجہ ہے کہ ان کے معاشرہ میں جو شخص کسی برائی کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے تو وہ تمام معاشرہ میں مطعون ہوتا ہے۔ بالآخر اس کے لیئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوتا کہ وہ عوام کے سامنے سپر ڈال دے۔

فلبی قبائل کی اقتصادی حالت

ان کی اقتصادی حالت قابلِ رشک ہے گندم، روئی کی کاشت سے انہیں اس قدر زیادہ آمدن ہوتی ہے کہ وہ اپنی ضرورتوں کو پورا کرنے کے بعد باقی ماندہ مال کو مناسب داموں بیرونی منڈیوں میں فروخت کر کے زرمبادلہ کماتے ہیں۔ لیکن مال و دولت کے ساتھ انہیں کچھ زیادہ محبت نہیں ہے۔ ایثار، جذبہ خیر سگالی، سخاوت

نفس جیسے کریمانہ اخلاق کے ساتھ متصف ہیں اور اس میدان میں ان کی شہرت اس قدر زیادہ ہے کہ ان کے قرب و جوار میں رہنے والے لوگ ان کی ہمسائیگی میں رہنے کو نعمت الٰہی قرار دیتے ہیں اور کوئی شخص بھی ان کے ساتھ غیر شریفانہ برتاؤ کو جائز نہیں سمجھتا ویسے تو ان کا رویہ تمام انسانوں کے ساتھ ہمدردانہ ہے لیکن اپنے ہم وطنوں کے ساتھ ان کی شفقت، ہمدردی ضرب المثل ہے یہی وجہ ہے کہ جب انہیں معلوم ہو جائے کہ ان کی جماعت کا کوئی فرد گرفتار کر لیا گیا ہے تو وہ تمام متحد ہو کر اس کو رہا کرا لیتے ہیں۔ ملک میں غلہ کی بہتات اس قدر زیادہ ہے کہ کوئی شخص تنگ حال نظر نہیں آتا یہاں تک کہ کوڑھوں، اندھوں، اپاہجوں، معذور لوگوں کی خوراک وغیرہ کا مکمل انتظام ہے بلکہ ان کی خوراک کا معیار دوسرے لوگوں کی خوراک کے معیار کے برابر ہوتا ہے۔ آپس میں اخوت و ہمدردی کے جذبہ کے ساتھ ایک دوسرے سے برتاؤ کرتے ہیں۔ دشمنی عداوت وغیرہ سے نفرت کرتے ہیں اور کوئی شخص دوسرے پر کیچڑ نہیں اچھالتا اور نہ ہی گالی گلوچ تک نوبت آتی ہے اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ وہ بزدل ہیں۔ قرین قیاس نہیں بلکہ افریقہ کے تمام باشندے خواہ وہ کسی قوم یا قبیلہ سے تعلق رکھتے ہوں ان کی شجاعت قابل داد ہے وہ دشمنوں کے مقابلہ میں اسلحہ سے لیس ہو کر میدان میں کودتے ہیں وہ صرف تیر، کمان، نیزہ جیسے ہتھیاروں سے ہی مسلح نہیں ہیں بلکہ بعض اوقات بندوق بھی استعمال کرتے ہیں۔

ان کے تدین، اسلام دوستی کا نتیجہ ہے کہ شاذ ہی ان میں کوئی ایسا انسان ہو جو شراب پیتا ہو یا کوئی اور نشہ آور مشروب استعمال کرتا ہو۔

جوبر کی بادشاہت کا زوال

۱۸۰۴ء میں جوبر کی سلطنت جس میں وثنیت، شرک و کفر عروج پر تھا اور جس کا دائرہ اثر حوصہ کے علاقوں میں شمال افسی سے بھی آگے تجاوز کر چکا تھا لیکن وہ فلبیوں کی روز افزوں ترقی سے خائف تھا وہ اپنے ملک میں ان کی قوت کو کمزور کرنے کے لیے کوشش کر رہا تھا و لفدیو نے حوصہ کے تمام علاقوں سے اپنے ہم خیال ایک مضبوط جماعت

بنائی اور جب اس نے اپنی جماعت کی تنظیم کو قوی دیکھا تو بادشاہ کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا اگرچہ دشمن طاقتور تھا اور دنفدیو کے پاس ان جیسا لشکرِ جرار نہ تھا تاہم وہ مسلسل اور پیہم جدوجہد کرتا رہا اور جوبیر کے ماتحت علاقے یکے بعد دیگرے دنفدیو کے زیر نگیں آتے چلے گئے یہاں تک کہ دنفدیو کی وفات ۱۸۱۶ء سے قبل حوسہ کے تمام علاقوں پر دنفدیو کا قبضہ تھا۔ دنفدیو کی مقبولیت اور شہرت کا سکہ عوام کے دلوں میں دلوں میں بیٹھ گیا یہاں تک کہ اس کی وفات کے بعد سکاٹو (SOKOTO) میں اس کی قبر مرجع عوام و خواص تھی۔

دنفدیو نے وفات سے پہلے اپنی مملکت کو اپنے دونوں بیٹوں کے درمیان تقسیم کر دیا۔ انہوں نے مملکت کی حدود کو وسیع کیا اور ۱۸۲۷ء میں مشرقی حصہ کے متعدد علاقوں کو فتح کر کے انہیں ادماوا کا نام دے کر نئے شہر ادماوا کی سنگِ بنیاد رکھی۔ اور الورن (ALORIN) شہر جس کی سنگِ بنیاد دنفدیو کے عہدِ سلطنت میں رکھی گئی۔ جو پول (PUL) شہنشاہت کی جنوب مغربی سرحد پر واقع ہے یوروبا ( ) سے شمار ہوتا ہے ۔ ایں انیسویں صدی عیسوی تک اس پر فلبی قابض رہے اور پورے زور شور کے ساتھ اسلام کی دعوت کا پرچار کرتے رہے یہاں تک کہ ۱۹۰۰ء میں برطانوی اقتدار کا سورج طلوع ہوا۔

نائیجیریا میں دعوتِ اسلام

جس طرح افریقہ کے جہات میں اطراف واکناف میں حوصہ مسلمان تمام شہروں میں آزادی کے ساتھ گھوم پھر رہے تھے۔ اور دعوتِ اسلام کا پرچار کر رہے تھے اور کفر و شرک وغیرہ سے قبائل کو پاک صاف رہنے کی تلقین کر رہے تھے۔ اسی طرح نائیجیریا میں اسلامی دعوت کا فروغ ہو رہا تھا اور اسلامی نظام کے نفاذ کی کوشش ہو رہی تھی۔"

ہم نے سر آرنلڈ کی تالیف دعوۃ الاسلام سے ایک طویل اقتباس پیش کیا ہے اس لیے تاکہ قارئین کو معلوم ہو جائے کہ شیخ عثمان دنفدیو جس نے افریقہ کے باشندوں کو دعوت

وہابیہ سے روشناس کرایا اس نے افریقہ کے لوگوں کی زندگی کے تمام شعبوں میں انقلاب پیدا کر دیا وہ لوگ جو پہلے وثنیت کے پنجوں میں جکڑے ہوئے تھے وہ اب موجد بن چکے تھے اور حسنِ خلق کے بہترین مرقع تھے انسانیت کا مظہر تھے اس لیے کہ اسلام میں داخل ہونے والا انسان انسانیت کی دولت سے مالا مال ہو جاتا ہے۔

شیخ عثمان دنفدیو کی وفات کے بعد دعوت اسلامی کے پرچار کے منصب پر شمالی نائیجیریا کے سربراہ مجاہد عظیم علامہ احمد بلو فائز ہوئے جو افریقہ اور دوسرے ممالک میں اسلام کا مضبوط قلعہ ثابت ہوئے۔

علامہ شیخ احمد بلو کی شہادت

وہ اپنی نیک پاکباز نائیجیریا اور تمام افریقہ میں اسلامی دعوت کو پھیلانے والی بیوی کی معیت میں مکہ مکرمہ عمرہ کرنے کے لیئے عازم ہوتے وہاں سے واپس وطن آ رہے تھے کہ ان کو اللہ کے دشمنوں نے بروز ہفتہ ۲۴ رمضان المبارک ۱۳۸۵ھ ۱۵ جنوری ۱۹۶۶ء موت کے گھاٹ اتار دیا رحمۃ اللہ رحمۃ واسعۃ

آل عثمان دنفدیو کی اسلامی حالت

تقریباً آل عثمان دنفدیو کے تمام افراد اسلام کا بہترین نمونہ تھے اور انسانیت کے بلند مقام پر فائز تھے یقیناً جو شخص اسلام قبول کر لیتا ہے تو اسلام اس کو انسانیت کے شرف اعلیٰ تک پہنچا دیتا ہے اور دین اسلام کی تعلیمات اسلام کے ہواؤں کے ضمیر کو روشن کر دیتی ہے اور ان کو اخلاق کا بہترین نمونہ قرار دیتی ہے۔

افریقی وہابی

افریقی وہابی فضائل انسانی میں اپنی مثال آپ ہیں۔ انہوں نے اسلامی معاشرہ کو مضبوط کیا۔ دین اسلام کے جذبہ صادقہ نے ان کو اس قابل بنایا کہ وہ عمرانیات، خلافیات

اقتصادیات، سیاسیات میں بام عروج پر پہنچ گئے اور دعوت اسلامی کے پرچار اور جوش جہاد نے ان کو تجارت، اقتصادی امور سے بالکل بے گانہ نہ بنا دیا بلکہ وہ زندگی کے تمام گوشوں میں اسلام کی خدمت سرانجام دیتے رہے اور مدارس، مساجد میں قرآن پاک، حدیث پاک کی تعلیم کے انتظامات کیئے اور مفلس نادار طالب علموں کو وظائف دیئے۔ تاکہ وہ بھی خوشحالی کے ساتھ سلسلۂ تعلیم جاری رکھ سکیں۔ وہابی تحریک کے ان بہترین اثرات سے یہ بات اظہر من الشمس ہو رہی ہے کہ وہابی تحریک نے انسان کو انسانیت کے زیور سے آراستہ پیراستہ کیا نجد اور بیرون نجد۔

مبارک تجویز

اگر کوئی بھی اسلامی حکومت ان افکار کی حوصلہ افزائی کریں جن کو وہابی تحریک نے جنم دیا۔ اور ان کی اشاعت کے لیئے مال و دولت کے خزانے کھول دے۔ علماء فقہا۔ محدثین کا تعاون حاصل کرے تو مسلمانوں کی زندگی میں خوشگوار انقلاب رونما ہو سکتا ہے اور کھوئی ہوئی عظمت واپس آ سکتی ہے۔

میں دیکھ رہا ہوں کہ ہمارے اس جدید دور میں تمام اسلامی ممالک کے اطراف اکناف میں وہابی تحریک روز افزوں ترقی کے مراحل طے کر رہی ہے اگرچہ ترقی کی رفتار سست ہے اس کی وجہ غالباً یہ معلوم ہوتی ہے کہ معاشرہ اس تحریک کو کامیاب بنانے والے اور اس کی سرپرستی کرنے والے ایسے لوگ ہیں جو مالی ذرائع کی فراوانی سے محروم ہیں۔ جن اسلامی ممالک میں مجھے جانے کا اتفاق ہوا وہاں اور دوسرے ممالک میں بھی نیز یورپ کے ملکوں میں بھی شیخ الاسلام کے پیروکار کثیر تعداد میں ہیں۔ اور وہ وہابی تحریک کی دعوت میں سرگرداں ہیں البتہ مالیاتی فنڈ کی کمی کی وجہ سے وہ کی نشر و اشاعت کما حقہ نہیں کر سکتے۔

خلاصہ یہ ہے کہ شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب کی تحریک نے تمام اسلامی ممالک ایشیا، افریقہ کو روشنی عطا کی اور لوگوں کی عقل کو جلا بخشی اسلام کے تمام گوشوں کو اجاگر کیا

اور ایسے اسباب و ذرائع کی نشان دہی کی جن کے اختیار کرنے سے عملی زندگی میں استواری پیدا ہو سکے اور بالکل اسی کیفیت کے ساتھ اسلام کے حقائق کو واضح شکل میں پیش کیا۔ جس طرح اللہ پاک نے اسلام کو رسول امین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا تھا اور پوری جدوجہد کے ساتھ اس کے اصل خدوخال کو نمایاں کیا اور مقدور بھر مساعی کو بروئے کار لانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ الحمدللہ اب تک تحریک وہابیت زندہ و تابندہ ہے اگرچہ وسعت پذیری میں اس کی رفتار پہلے جیسی نہیں ہے لیکن اگر اب بھی تحریک کو قوت عطا کرنے والے ذرائع میسر آجائیں تو تمام اسلامی ممالک کے اطراف و اکناف اس شجرۂ طیبہ کے جھونکوں سے مہک سکتے ہیں۔ اور اسلام پر بہار کا موسم آسکتا ہے۔





مؤسسة مكة للطباعة والاعلام
مكة المكرمة - تلفون ٢٨٤٧٢

١٥ ڈالر